مجلہ

معارفِ اولیاء

عظمتِ رحمۃ للعالمین ﷺ نمبر

مرکز معارفِ اولیاء

دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

محکمہ اوقاف و مذہبی امور حکومت پنجاب
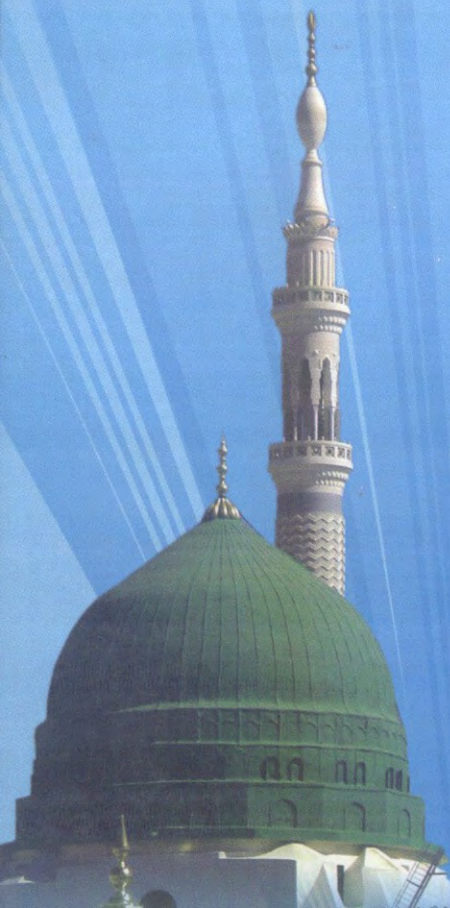
مجلّہ

معارفِ اولیاء

جلد ۱۱ (صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/ جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء) شمارہ ۱

مرکز معارفِ اولیاء

دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

محکمہ اوقاف و مذہبی امور حکومت پنجاب

مدیر اعلیٰ : محمد حسن رضوی، ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف پنجاب

معاون مدیر: حافظ مختار احمد ندیم، ریسرچ آفیسر مرکز معارف اولیاء داتا دربار

معاونین : مشتاق احمد، ریسرچ فیلو مرکز معارف اولیاء داتا دربار
حافظ محمد جاوید شوکت، ریسرچ اسسٹنٹ مرکز معارف اولیاء داتا دربار

تعداد : ۵۰۰

ایڈیشن : اوّل۔ جلد ۱۱، شمارہ ۱ (صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/ جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء)

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

پتہ : مرکز معارفِ اولیاء
دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، محکمہ اوقاف و مذہبی امور پنجاب لاہور

فون : 042-37113464

ای میل : marifauliya@yahoo.com

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

فہرست:

عربی

۱۰۔ حقوق المصطفیٰ ﷺ — دکتور محمد عمران أنور نظامی — ۱۸۷

انگریزی

۱۱۔ ***Hilye Sharif***
The appearance of Holy Prophet Hazrat Muhammad
(SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALLAM) — ***Hassan Ali Teepu*** — 3

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

اداریہ

خالقِ ارض وسماء نے بنی نوع انسان کی مادی اور طبعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جہاں دنیا میں بے پایاں نعمتیں عطا فرمائیں، وہاں انسان کی روحانی بالیدگی اور تربیت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ سلسلۂ نبوّت خاتم النبیین ﷺ پر آ کر اختتام پذیر ہوا۔ ہر نبی اور رسول مخصوص زمانے اور علاقے میں مبعوث ہوئے اور اُن کی تعلیمات بھی مخصوص حالات کے پیش نظر تھیں لیکن خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات آفاقی اور جہانگیری ہیں۔ آپ کی ذات، سیرت کے تمام پہلوؤں سے "فوق کل شیٔ" کی مظہر ہے اور "رحمۃ للعالمین" کا تاج بھی آپ ﷺ ہی کے سر پر سجا نظر آتا ہے، آپ ﷺ کسی مخصوص قبیلہ، خاندان، ملک وقوم اور کسی خاص زمانہ کے لیے رحمت نہیں بلکہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی طرح آپ ﷺ کی رحمت بھی زمانی ومکانی حدود وقیود سے بالاتر ہے۔

فرمانِ خداوندی "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین" کے مصداق آپ ﷺ کی رحمتِ بے کراں عالم رنگ وبُو کے تمام جہانوں کے لیے ہے۔ وہ عالمِ ملکوت ہو یا عالم جبروت، عالمِ ناسوت ہو یا عالم لاہوت یا عالم ارواح، سب کے لیے رحمت ہے۔ اسی لیے آپ کا سحابِ کرم ورحمت تمام مخلوق پر اَبر رحمت بن کر برسا، جس سے تمام عالم فیض یاب اور ہر تشنہ لب کو معرفتِ الٰہی کے قصر میں داخل کرنے کا سبب بنا۔

رحمت و رافت، حسنِ خلق اور نیکی کے مفہوم کی جو وسعتیں پیغمبرِ رحمت نے عطا

فرمائیں وہ دامنِ ہستی کو امن و آشتی، محبت و الفت، مسرت و ہم آہنگی اور ایثار و قربانی کے لازوال سرمائے سے مالا مال کر دیتی ہیں۔ دین اسلام کا بنیادی مقصد ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جو محبت و الفت، عدل و انصاف، اخوت و ہمدردی اور رواداری کا گہوارہ ہو۔ آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی نے عرب کے معاشرے میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ تہذیب سے نا آشنا لوگ برائیوں کو خیرباد کہہ کر پیکرِ محبت و ایثار بن گئے۔ احترام آدمیت، باہمی اخوت و محبت، حسنِ اخلاق اور اعلیٰ انسانی اقدار معاشرے کا جھومر بن گئیں جس سے انسانیت مسکرانے لگی۔

مجسمۂ رحمت کا بحرِ بیکراں اُس وقت تلاطم میں نظر آتا ہے جب آپ فتح مکہ کے موقع پر "لا تثریب علیکم الیوم" کا اعلان فرما رہے تھے۔ دنیائے آب و گل میں آپ کی تشریف آوری انسانیت کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ آپ کی آمد پر کائنات کی ہر چیز خدائے لم یزل کی شکرگزار ہے اس لیے آپ کی آمد کے ماہِ نور میں اس احسانِ عظیم پر ہر سو مسرت و شادمانی کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

مخدوم الاولیاء، زینت الاصفیاء حضرت سید علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ سایہ قائم "مرکز معارفِ اولیاء" کے تحت شائع ہونے والا یہ سہ ماہی شمارہ بھی آقائے نامدار ﷺ کی آمد مبارک پر اظہارِ عقیدت و مسرت کا ایک ذریعہ ہے۔ اس شمارے کو "عظمت رحمۃ للعالمین نمبر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس میں مقالہ نگاران نے مختلف عنوانات کے تحت سیرتِ مصطفوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اس ادنیٰ سی کاوش کو پسند فرمائیں گے اور اس سے راہنمائی حاصل کریں گے۔

مدیر اعلیٰ

مسجد کا کردار

رحمت للعالمین ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں

☆ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی معاشرہ کی تعلیم وتربیت میں مسجد کا کردار مرکزی ومحوری حیثیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام اور رسول اکرم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کی رو سے مسلمانوں کی مسجد دیگر اہل کتاب کے ''بِیَعُ و کنائس'' کی طرح محض چند مذہبی رسوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ مسجد ایک ایسا مرکز ہے، جہاں نہ صرف یہ کہ مسلمان مختلف اوقات میں اپنے ربّ کے ذکر وعبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں بلکہ یہ خانہ خُدا ایک ایسا محور بھی ہے، جس کے گرد مسلم معاشرہ گھومتا ہے اور اسے اسی طرح گھومنا بھی چاہیے، جس طرح کرۂ زمین اپنے قطب یعنی محور کے گرد گھوم کر اپنی زندگی، اپنی بقا اور اپنی افادیت کو قائم رکھے ہوئے ہے، مگر جس روز یہ زمین اپنے مرکز سے دور اور اپنے محور سے ہٹ گئی اسی وقت یہ اپنے مدار سے نکل کر اپنی زندگی، اپنی بقا اور اپنی افادیت کھو بیٹھے گی اور پھر قیامت بھی آ جائے گی! اسی طرح اگر مسلم معاشرہ اپنے مرکز ومحور یعنی مسجد سے دور ہو جائے اور صبح وشام مسجد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ تربیت سے بھی محروم ہو جائے تو، پھر اسے بھی اپنی وفاتِ حسرت آیات کا یقین کر لینا چاہیے!!

اہل کتاب یہود ونصاریٰ (خصوصاً یہود) اپنے مذہب اور اپنی مذہبی کتاب ''تورات'' میں من پسند تحریفات وتغیرات کے باوجود بھی، اس پر عمل کرنے سے قاصر چلے آ رہے ہیں، اپنے مذہب کی اصل حقیقت اور روح کو پس پشت ڈال کر محض چند رسوم تک محدود ہو گئے ہیں (اور اب تو ان رسوم کو بھی اپنی ہوا اور ہوس سے متصادم دیکھ کر ان کی ادائیگی سے بھی دست بردار ہو گئے ہیں) اور پندرہ صدیوں کے دوران میں مسلمانوں سے بھی ان کا سب کچھ چھڑوا کر اپنے ساتھ نفسانی خواہشات کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کا درس دیتے چلے آ رہے ہیں، مگر مسلمانوں کی کتاب غالب وعزیز، چونکہ تحریف سے محفوظ اور پاک ہے اس لئے وہ آج بھی قرآن کریم و حدیث نبوی ﷺ یعنی کتاب وسنت کی مدد سے مسجد کو

☆ پروفیسر، مسند سیدِ ہجویرؒ پنجاب یونیورسٹی لاہور

حسبِ معمول تعلیم وتربیت کا مرکز ومحور بنائے رکھنے میں کم سے کم کوشاں تو ضرور ہیں اور اگر اخلاص وتقویٰ شامل حال رہے تو اس کوشش میں کامیابی بھی یقینی ہے! ان شاء اللّٰہ ! اس گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم اس کے عنوان کی تشریح اور توضیح کے لئے رکیں گے تا کہ منازل کا تعین کر کے مدارج کو طے کرتے ہوئے فہم وسہولت کے ساتھ اختتام اور انجام تک پہنچ سکیں، کیونکہ آغاز وابتدا ایک ایسا بنیادی پتھر ہوتا ہے جس پر کسی علمی گفتگو کی عمارت کھڑی کرنا، اسے سنوارنا سدھارنا، ممکن ہو جاتا ہے اور پھر اس کا سمجھنا اور سمجھانا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اسلامی یا مسلم معاشرہ سے ہماری مراد یہاں مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت یا عرفِ عام میں ایک ایسی قوم ہے، جو ایک خطۂ زمین کی مالک ہو، جہاں وہ غالب اکثریت رکھتے ہوں اور برضا ورغبت اپنی مرضی سے اور کسی جبر یا کسی دباؤ کے بغیر آزادانہ طور پر اپنی نئ پود کو اسلام کے رنگ میں رنگنے کے آرزومند اور اس کے لئے دلی طور پر آمادہ بھی ہوں۔

تعلیم وتربیت کے دو لفظ یہاں پر محض مترادف کی بھرمار کے طور پر مطلوب ومقصود نہیں ہیں، بلکہ تعلیم کے معنی ہیں نئ مسلم نسل کے عقل وذہن کو علم صحیح کی روشنی سے منور کرنا تا کہ وہ اس روشنی میں خود کو، اپنے ربّ کو اور اُمتِ مسلمہ کو جان اور پہچان سکے، جبکہ تربیت کے معنی ہیں: جسمانی قِوٰی کی نشوونما کے ساتھ ساتھ نئ پود کی روحانی واخلاقی تعمیر اور کردار سازی کا کام بھی کیا جائے، تعلیم اور تربیت کے اس جامع اور متوازن نظام ہی سے مسلمان بچے کی سیرت وشخصیت کی بھی تعمیر ہوگی اور وہ مسلم معاشرہ کے ایک مفید فرد کی حیثیت سے اپنا مطلوبہ کردار تعمیری انداز میں صحیح طور پر ادا کر سکے گا۔

مسجد کے کردار سے ہماری مراد اُن شاندار روایات کی پیروی کرنا ہے، جو مکہ مکرمہ کے دارالاسلام ''دارِارقم'' اور پھر مسجد نبوی کے منبر نبوی اور صفہ کے نظامِ کردار سازی میں رسول اللہ ﷺ کا معمول رہا اور پھر یہی شاندار روایات مسلمانوں کو ورثے میں عطا ہوئیں، اور جو عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ کے عہد مبارک سے آج تک چودہ پندرہ سوسال سے مسلمانوں نے کسی نہ کسی شکل میں زندہ رکھی ہوئی ہیں یا وہ ہمارے سامنے آج بھی دستیاب ہیں۔ مسجد کا یہی کردار ہے جس سے تھوڑا بہت انحراف بھی ہوا مگر اسے زندہ رکھنے اور اپنا معمول بنائے رکھنے کی تھوڑی بہت آرزو اور ارادہ مسلمانوں میں ہمیشہ سے زندہ اور باقی ہے!!

اسلامی معاشرہ میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام معجز نظام میں واضح طور پر متعین فرمادیا ہے، سورت توبہ کی تین آیات (۱۷۔۱۹) میں مسجد بنانے، اسے آباد کرنے کے علاوہ اس کے دیگر معاشرتی پہلوؤں کو بھی الگ سے اور مستقل حیثیت سے ذکر فرما کر یہ تنبیہ کی

گئی ہے کہ مسلمان دیگر اہل کتاب کے برعکس اپنی عبادت گاہ یعنی مسجد کے مرکزی ومحوری کردار کا حقیقی احساس پیدا کریں، اس پر ہم بعد میں توجہ دیں گے مگر پہلے ان آیات کریمہ کا اردو ترجمہ مناسب ہوگا جو یوں ہے:

''یہ بات مشرکین کے بس میں ہے ہی نہیں کہ وہ اپنے کفروشرک کو خود تسلیم بھی کریں اور اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو بسائیں اور آباد کرسکیں، ان کفروشرک میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے، تو تمام اعمال ہی رائیگاں چلے گئے وہ، تو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی مساجد کو، تو صرف وہی لوگ صحیح معنی میں بساتے اور آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے، یہی تو وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ پر ہیں! تو کیا اے مشرکو! تم نے حجاج کرام کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کے کام ہی کو ان لوگوں کے اعمال کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا! یہ اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ظلم و بے انصافی کے مرتکب لوگوں کو، تو سیدھی راہ نہیں دکھاتا!''

ان آیاتِ کریمہ کی نمایاں ترین بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کی محض رسمی آبادکاری اور حفاظت تک ''بیت اللہ'' کے کردار کو محدود کردینے کے مشرکانہ تصور کو مسترد فرمادیا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے حیا سوز حرکات یا فقط زبانی ذکروفکر کی رسم کو کافی نہیں مانا، بلکہ مسجد کے کردار کے لئے وسیع تر اور لامحدود وکارآمد اعمال اور مفید باتوں کو لازم ٹھہرایا ہے اور یہ تنبیہ کی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار پر توجہ دی جائے اور اس کی تمام شروط وآداب اور منافع اور افادات کو ہر حال میں پیش نظر رکھا جائے!

ان آیاتِ کریمہ میں مذکور تعمیری، کارآمد اور مفید ترین اعمال میں، اللہ تعالیٰ کی ہستی اور یوم آخرت پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ (یہ قتال فی سبیل اللہ ہو یا عملی زندگی کی دیگر نیکیوں مثلاً ذکر وعبادت میں اخلاص اور تقوی کی صورت میں ہو) کو اہم حیثیت حاصل ہے، ان آیات سے متصل پچھلی آیت (۱۶) کو بھی ان تین آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور سمجھیں تو بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسولِ اکرم ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ پرخلوص دلی تعلقات کو ایمان ومحبت کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے، مگر اس ایمان اور محبت کے ساتھ جب تک امتحان اور آزمائش میں ثابت قدمی نہ دکھائی جائے تب تک اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت اور منظوری کا شرف نہیں پاتی۔ پھر ان آیات کریمہ (۱۶-۱۹) میں اسلامی معاشرہ میں مسجد کے محوری ومرکزی کردار کے ضمن میں بھی

اسی ایمان باللہ اور یوم آخرت کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی تمام عملی صورتوں کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ گویا ان نیک کاموں کے لئے تعلیم و تربیت کا مرکز و محور یہی خانہ خدا ہے، جو اہل ایمان کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت کا بھی مرکز و محور ہے، اس کے مقابلے میں محض مسجد کی سرپرستی یا حجاج بیت اللہ کی خدمات کو ہی تعمیر مسجد اور اس کی آبادکاری کے برابر سمجھ کر بیٹھ جانا کافی نہیں، ان کا اصل کام تو اخلاص کے ساتھ ذکر وعبادت کی تربیت پانا، ایمان وحب خداوندی میں پختگی حاصل کرنا اور قتال فی سبیل اللہ سمیت جہادِ زندگانی کے دیگر اعمال کے لئے خود کو تیار کرنا ہے، یہ تمام عظیم الشان مفید کام اسی مسجد کے محوری و مرکزی کردار کا حصہ ہیں!

رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہدِ مبارک میں مسجد کو ایسی ہی تعلیم و تربیت کے لئے مرکزی و محوری حیثیت حاصل رہی، یہیں پر اہل ایمان کی کردار سازی اور شخصیت کی تعمیر کا عظیم الشان پیغمبری فریضہ ادا ہوتا تھا، جس طرح مکی دور نبوت میں یہ عظیم الشان کام ''دارالاسلام دارِارقم'' میں انجام پاتے تھے اور ہر میدانِ عمل میں جہاد اور مشقت کے لئے کارکن تیار کئے جاتے تھے تا کہ وہ ہمہ جہت تبدیلی اور ہمہ گیر اسلامی انقلاب کا کام انجام دے سکیں، اسی طرح مدنی عہد نبوت میں بھی یہ تمام مہتم بالشان کام ''صفۂ مسجد نبوی'' میں انجام پاتے رہے!

تاریخ میں پہلی بار انسانیت کو یہ عملی درس دیا گیا کہ کوئی بھی انقلابی تحریک تربیت یافتہ کارکنوں کے بغیر انسانی معاشرہ میں ہمہ جہت تبدیلی نہیں لاسکتی اور ہمہ گیر انقلاب لانے کے لئے یہ تربیت یافتہ کارکن خود بخود تیار نہیں ہوجاتے، بلکہ کرنے پڑتے ہیں، انسان خود بخود نہیں بن جاتے بنانے پڑتے ہیں اور کردار اپنے آپ نہیں ڈھلتے سنورتے بلکہ ڈھالنے اور سنوارنے پڑتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر پختہ ایمان اور یقین کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے یہ تمام کام قرنِ اوّل کے دوران میں مسجد ہی میں انجام پاتے رہے، مجالس مشاورت بھی مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، مجاہدین فی سبیل اللہ کے لشکر بھی یہیں ترتیب پاتے تھے، سفارت کار اور وفود کے استقبال و قیام کے لئے بھی یہی مسجد تھی!

اسلام میں چونکہ دین و دنیا کے اچھے کاموں میں کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کو تو حکم ہے کہ وہ پانچ وقت کی نمازوں میں حسناتِ دنیا (دنیا کی بھلائیوں) اور حسناتِ آخرت کی دعا ایک ساتھ مانگا کریں بلکہ دنیا کی بھلائی پہلے مانگیں اور آخرت کی بھلائی اس کے بعد مانگیں کیونکہ جس کی دنیا سنور گئی اس کی آخرت سنورنے کی بھی بنیاد پڑ گئی! اسی لئے تو رسول اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ:

الد نیا مزرعة الآخرة ۔ ''دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے''۔

جس طرح کھیت میں جو بویا جاتا ہے وہی کاٹنا پڑتا ہے اسی طرح اس دنیا میں جو نیک کام کیے ہیں، آخرت

میں بھی وہی ہمارے سامنے ہوں گے! لہذا اللہ تعالیٰ کی مساجد یا دوسرے لفظوں میں اہل ایمان کی مساجد کا کردار صرف دینی رسوم پر ہی ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ دنیاوی میدانِ عمل کے لئے بھی مسجد کا کردار مرکزی و محوری حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پورے کے پورے مدنی عہد مبارک میں مسجد نبوی ذکر و عبادت کا مرکز بھی تھی، تعلیم و تدریس کا نبوی فریضہ بھی اسی مسجد پاک میں انجام پاتا تھا، مختلف احکام و فرامین جاری کرنے کا صدر مقام بھی یہی مسجد تھی، آنے والے وفود کا استقبال بھی یہیں ہوتا تھا اور مہمانوں کو بھی اسی مسجد میں ٹھہرایا جاتا تھا حتی کہ نجران کے پادریوں کے مسیحی وفد کو بھی مسجد نبوی ہی میں ٹھہرایا گیا تھا! یہ بات ماننے کی ہے کہ اس وقت چونکہ ایسے کاموں کے لئے الگ عمارات نہیں بنائی جا سکی تھیں اس لئے بھی ان تمام کاموں کے لئے مسجد نبوی کو کام میں لایا جاتا تھا لیکن ہم بھی مساجد کو صرف ایسے ہی نیک کاموں کے لئے حسب ضرورت استعمال کرنے کے جواز کی بات کر رہے ہیں، آج بھی عرب اور اسلامی دنیا کے مختلف گوشوں میں رسم نکاح اور فاتحہ خوانی یا دوسرے لفظوں میں افراح وما تم یعنی خوشی اور غمی کے کام مساجد ہی میں انجام پاتے ہیں، ایسا کرنے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اسراف اور فضول خرچی کی گنجائش کم رہ جاتی ہے اور شادی و غمی کے کام بالکل سادگی سے انجام پاتے ہیں!!

امام سیوطیؒ نے ''حسن المحاضرہ'' (۱۴۹/۲) میں ذکر کیا ہے اور دیگر اسلامی مصادر و مراجع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے والیِ بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کے لئے تمام بستیوں اور قبائلی مراکز میں مساجد تعمیر کروائیں اور ساتھ ہی ایک جامع مسجد تعمیر کروائیں جہاں قرب وجوار کے تمام مسلمان اکٹھے ہو کر نماز جمعہ ادا کریں اور رہنمائی بھی حاصل کر سکیں۔ والیِ کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور والی مصر حضرت عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہما، دونوں کو بھی اسی مضمون کے خطوط لکھے گئے تھے! مقصد یہ تھا کہ ہر بستی، ہر محلے اور ہر شہر میں جہاں جہاں مسلمان رہتے ہوں، ان سب کے لئے ایک درسگاہ، ایک مدرسہ یا سکول بھی مہیا ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی پانچ وقت کی عبادت اور یاد خدا کے لئے ایک مسجد بھی فراہم ہو جائے، ایک ایسی عمارت جو پوری آبادی میں بننے والے تمام مکانوں سے خوبصورت، صاف ستھری، اور شاندار نظر آئے، سب عمارات سے بڑی، سب سے اونچی اور سب سے نمایاں بھی ہو، اسے مزید نمایاں کرنے اور دُور سے نظر آنے کے لئے ایک یا دو مینار بھی بنا دیئے جاتے ہیں جن سے اس عمارت کا رُعب اور ہیبت بھی مقصود ہوتی ہے اور اسی مینار پر چڑھ کر اہل ایمان کے لئے بلاوے اور اذان کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر اور اسے آباد رکھنے کے لئے رسول اکرم ﷺ اور

آپ ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا احکام کو معمول بناتے ہوئے، دنیا بھر میں یہ ایک روایت اور معمول بن چکا ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلمان اپنی کوئی نئی بستی یا شہر بساتے ہیں وہاں پر سب سے پہلے ایک شاندار عمارت مسجد کے نام سے ایسی بنتی ہے جس میں عموماً سب مسلمان دل کھول کر چندہ کی شکل میں سرمایہ پیش کرتے چلے آئے ہیں، یہ عمارت گویا پوری آبادی کی عزت شمار ہوتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بستی یا شہر کے مسلمانوں نے دل کھول کر سرمایہ لگایا اور مسجد بنائی ہے جو دیکھنے کے قابل ہے اور یہی مسجد جائے نماز بھی ہوتی ہے، درسگاہ بھی بلکہ بھولے بھٹکے مسافروں کے لئے پناہ گاہ اور مسافر خانہ کا کام بھی دیتی ہے، یہاں یہ بات بھی میں واضح کرتا چلوں کہ اس عمارت کا جو حصہ نماز کی جگہ یا سجدہ گاہ ہوتی ہے وہ پاک صاف رکھی جاتی ہے اور اس میں صرف ذکر و عبادت اور تلاوت ہی ہوتی ہے لیکن جو حصے دوسرے مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہ عموماً اور ممکن حد تک پابندی کے ساتھ سجدہ گاہ سے الگ ہوتے ہیں مگر مسجد کے ساتھ متصل اور ملحق ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں مرافق مسجد کہا جاتا ہے یعنی مسجد میں آنے والوں کی معاشرتی حاجات اور ضرورتوں کے لئے کام آنے والے حصے جیسے بچوں اور بڑوں کو ہر قسم کی تعلیم دینے کی جگہیں، طہارت اور وضو کی جگہ، اسی طرح امام و خطیب یا مسافروں کے لئے حجرے اور اب تو ڈسپنسری اور دوا خانے وغیرہ بھی ان مرافق میں شامل ہو گئے ہیں، برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کے معمولات کے علاوہ دنیا بھر میں سب مسلمانوں کے معمولات بھی ایسے ہی ہیں، اس کا نمونہ یا مثال دیکھنا ہو تو لاہور کی بادشاہی مسجد اور اسی قسم کی دیگر مساجد کے ساتھ ملحق مرافق کو دیکھا جا سکتا ہے، لیکن جس بستی کے مسلمانوں کی اپنی مالی حالت اچھی نہیں ہوتی یا حکومتی امداد میسر نہیں ہوتی وہاں پر مسجد کی عمارت نماز کے بھی کام میں آتی ہے اور دیگر مقاصد کے لئے بھی گوارا کئے جانے کی حد تک یہی عمارت کام دیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر بستی میں آباد مسلمانوں کے لئے مسجد کو مرکز و محور بنایا جاتا ہے اور یہ امتیاز ہے، صرف مسجد کا کہ، یہ بیک وقت دینی اور دنیاوی مقاصد کے لئے بنائی جاتی ہے، چودہ پندرہ صدیوں سے مسلم معاشروں میں مسجد کا یہ مرکزی و محوری کردار نہ صرف جاری و ساری ہے بلکہ مسلمان معاشروں کی شان، پہچان اور امتیاز بھی بن چکا ہے!!

برعظیم پاک و ہند پر انگریز سامراجیوں کے منحوس قدم جمنے سے پہلے تک، تعلیم و تربیت کے لئے مسجد کا کردار بہت وسیع تھا، حتی کہ غیر مسلم بھی اس درسگاہ سے فیضیاب ہوتے تھے، فارسی زبان، ریاضی اور دیگر دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے تو ہندو اور سکھ بھی اس درسگاہ کے علمائے کرام (جو ان تمام علوم کے فاضل اور ماہر ہوتے تھے) کے پاس آجاتے تھے، جہاں مرافق و ملاحق نہیں ہوتے تھے وہاں غیر مسلم حضرات مسجد

کی دہلیز اور سیڑھیوں پر ہی آ کر بیٹھ جاتے تھے، ابھی ہم دیکھیں گے کہ پاکستان میں مسجد کو اسلامی معاشرہ کی تعلیم وتربیت کا مرکز ومحور کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ مگر اس سے پہلے یہ دیکھیں گے کہ رسول اکرم ﷺ نے اور آپ کے بعد امت کے علمائے کرام نے مسجد کے اس مرکزی ومحوری کردار کے متعلق کیا فرمایا ہے؟ لیکن اس سب کچھ سے بھی پہلے ہم ایک بار پھر کتاب عزیز و مجید کی مذکورہ متعلقہ آیات پر ایک اور نظر بھی ڈالیں گے تا کہ اس کی روشنی میں آگے بڑھتے ہوئے باقی مراحل بھی آسانی سے طے کریں اور اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش بھی کرسکیں کیونکہ کتاب اللہ تو نہ صرف تمام علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے بلکہ بقول امام سیوطیؒ مسلمانوں کے تو سینکڑوں علوم اسی کتاب عزیز و مجید ہی سے نکلے ہیں! چنانچہ اسلامی معاشرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت میں بھی مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کے تمام پہلوؤں کو بڑی جامعیت اور توضیح کے ساتھ ان آیات کریمہ میں یوں پیش فرمادیا گیا ہے، جیسے کوزے میں دریا بند کر دیا جاتا ہے:

(۱)۔ سب سے پہلے اہل ایمان کے قلب ودماغ میں اس حقیقت کو پختہ عقیدہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ دنیا ایک ایسا میدان عمل ہے جس میں انہیں پوری تیاری اور عزم بالجزم کے ساتھ قدم رکھنا ہونگے کہ اس راہ میں بڑی بڑی آزمائشوں اور امتحانات سے دوچار ہونا پڑے گا، ان آزمائشوں سے کامیاب ہو کر نکلنے کے لئے جس تربیت اور تیاری کی ضرورت ہے وہ اسی درس گاہ اور تربیت گاہ ہی سے میسر آئے گی جسے بیت اللہ، مسجد یا خانۂ خدا قرار دیا گیا ہے

(۲)۔ اس درسگاہ میں داخلہ اور شمولیت کی شرائط میں سے بنیادی شرط یہ ہوگی کہ پہلے اپنے قلب ودماغ کو شیطان اور ''حزب الشیطان'' سے قطع تعلق کر کے پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ایمان ومحبت کے رشتے کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک، رسول اکرم ﷺ اور ''حزب اللہ ورسولہ'' یعنی اہل ایمان کی جماعت کے ساتھ جوڑنا لازمی ہوگا،

(۳)۔ مگر اس علم ویقین کے ساتھ کہ اللہ رب العزت خبیر وبصیر ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور انسانوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال کی بھی پوری پوری خبر رکھتا ہے، وہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ایک مسلمان میں ''حب اللہ ورسولہ'' اور اہل ایمان سے رشتے کتنے خالص، کتنے پاکیزہ اور کس قدر قوت وصلاحیت والے ہوتے ہیں۔

(۴)۔ جو لوگ شرک وبت پرستی میں سرتاسر ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، کفر وشرک پر ڈٹے ہوئے بھی ہیں مگر بایں ہمہ بیت اللہ یا مسجد کو آباد رکھنے کے بھی دعویدار ہیں وہ غلط کار ہیں، ان کا دعوائے تعمیر وآباد کاریِ مساجد جھوٹا اور ان کے تمام اعمال رائیگاں ہیں۔ ان کا انجام تو آتش دوزخ میں جلتے رہنا ہے، لہٰذا

اہل ایمان کو نہ صرف شرک و بت پرستی میں ملوث ہونے سے بچنا ہے، بلکہ اہل شرک و بت پرستی کی صحبت اور تعلق سے بھی پورا پورا اجتناب کرنا ہے۔

(۵)۔ مسجد بنانا یعنی تعمیر کرنا ہو، یا اسے ذکر اللہ اور عبادت سے بسانا ہو، اس کے لئے شرطِ اوّل اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک اور یوم آخرت پر ایمان سے قلب و دماغ کو سجانا اور حسن عمل سے اسے پختہ کرنا ہوگا۔

(۶)۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر زکوۃ و صدقات کی شکل میں اپنا مال خرچ کرنا، اقامت نماز یا دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کمال حاصل کر کے تقوی اللہ کے منصب کا سزاوار بننا، غیر اللہ کا خوف و خَشیت دلوں سے نکال کر صرف اللہ تعالیٰ کے خوف اور خَشیت سے انہیں آباد کرنا پڑے گا! تربیت کے اس کمال پر پہنچنا ہی درحقیقت مسجد کی تعمیر و آبادکاری ہے، اور مساجد کا حق ادا کرنا ہے! تربیت کا یہی کمال و کردار مسجد کے ذمہ ہے جس کو اسلامی معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا مرکز و محور بنایا گیا ہے! یہی کمال و کردار اللہ تعالیٰ کے نزدیک، وہ راہ ہدایت ہے، جو انسان کو بخشش و خوشنودی کی طرف لے جاتی اور اس کے انعام کا مستحق ٹھہراتی ہے!

(۷)۔ سب سے آخر میں کفر و شرک پر اترانے اور اڑنے والے مشرکین اور ریاکاروں کے اس دعوے کو باطل قرار دیا گیا ہے جو صرف بیت اللہ کی آبادکاری اور حجاج بیت اللہ کو کھلانے پلانے کے ریاکارانہ کاموں ہی کو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور یومِ آخرت پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر تصور کرتے تھے، اللہ جل شانہ واضح طور پر تنبیہ کرتے ہیں کہ، یہ دونوں قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں بلکہ مشرک تو شرک کر کے ظلم عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ سجود و رکوع اور خشوع و خضوع تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے لیکن جو لوگ اس حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ، تو دراصل اللہ رب العزت کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں اور دنیا میں سب سے بڑے ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرتے ہیں! "ان اللّٰــه لا یـغـفـر ان یشـرک بـه." (النساء ۴: ۴۸) میں شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ غیر اللہ کا خوف اور عبادت تو عظمتِ آدمیت کے بھی خلاف ہے، شرک سے انسان کہیں کا نہیں رہتا کیا خوب فرمایا ہے شاعر مشرق نے:

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است کاروانِ زندگی را رہزن است!
(کلیاتِ فارسی ص ۲۷۳)

درسِ توحید کو اسلامی کردار سازی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، مذکورہ آیاتِ کریمہ جہاں اسلامی معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کو واضح کرتی ہیں وہاں عقائد و اعمال میں عقیدۂ توحید کی اہمیت سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے (جیسا کہ ابھی ہم آگے چل کر دیکھیں گے) مکی عہد میں دارِ ارقم کے اندر اور پھر مدنی عہد میں صفۂ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین کی کردار سازی میں درس توحید کو ہمیشہ مقدم رکھا، مشرق و مغرب کے سیرت نگار اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں کہ آپ نے اپنی تعلیم و تلقین میں عقیدۂ توحید کو دلوں میں سجا کر اس قدر راسخ کر دیا تھا کہ وعظ و تربیت سے فیض پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیرت و کردار میں فولادی عزم اور دلیری میں اس قدر پختہ کر دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، تحریک اسلامی کو انقلابی قوت کا روپ دینے میں عقیدۂ توحید نے بڑا کام کیا تھا اور آپ کی کامیابی میں بنیادی کردار بھی اسی عقیدۂ توحید کا تھا جو اللہ و آخرت پر پختہ ایمان کا حاصل ہے، شیخ شیراز نے توحید کی اس ناقابل شکست قوت کو شاعری کی زبان دے دی ہے وہ فرماتے ہیں:

موحد چو درپائے ریزی زرش — چہ شمشیر ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نبا شد ز کس — برین است بنیاد توحید و بس!

(گلستان ص ۳۱۳)

گویا عقیدۂ توحید کا خلوص اور پختگی مسلمان کو ہر خوف سے بے پروا اور ہر لالچ سے بے نیاز کر دیتی ہے، اسے بڑے سے بڑا خوف بھی متزلزل نہیں کر سکتا اور بڑے سے بڑا لالچ بھی اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا! اس کی زندہ مثال خود رسول اکرم ﷺ کا عملی موقف ہے، صنادید قریش نے جب حضرت ابو طالب سے رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی اور پر کشش پیشکش سے اعلانِ توحید اور مذمت شرک و بت پرستی سے باز رکھنا چاہا تو آپ کا دوٹوک جواب بھی ایک موحد اعظم کا جواب تھا جب آپ ﷺ نے ان کی تمام پیشکشوں کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر یہ سردارانِ قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہتھیلی پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے اس اعلان توحید اور رد شرک کے مقدس مشن سے باز آنے والا نہیں!

یہ تو ہے عقیدہ توحید کا اثر اور موحد کے عزم کا نمونہ، مگر جو انسان اس عقیدہ اور موحد کے اس کردار سے محروم ہو کر غیر اللہ کو اپنا مرکز و محور بنا لیتا ہے وہ، تو ایک ایسا بد نصیب مسافر ہے جو زندگی کے سفر میں ہر منزل پر شرک کی رہزنی کے ہاتھوں لٹتا اور برباد ہوتا رہتا ہے بلکہ وہ تو بولنے اور حرکت کرنے کی ہمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ نے علامہ اقبالؒ کا ایک شعر (بیم غیر اللہ۔۔الخ) تو پڑھ ہی لیا ہے، مگر ایک عرب شاعر نے "بیم غیر اللہ" سے انسان کا جو نقصان ہوتا ہے اس کی دردناک شاعرانہ تصویر یوں پیش کی ہے:

اذا کان غیر اللہ للمرء عُدۃ — اَتتہُ الرَّزایا من وجوہ المکاسب!

یعنی جب کوئی انسان غیر اللہ کے سہارے جیتا ہے اور غیر اللہ ہی کو اپنا ساز و سامان سمجھتا ہے، تو اسے تو پھر جہاں سے کچھ کمائی اور فائدہ کی امید ہوتی ہے وہاں سے بھی صرف آفات و مصائب ہی

حاصل ہوتے ہیں! چنانچہ سورت الجن (آیت: ۱۸) میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

"وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا"

''مساجد تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے لئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکارا کرو۔''

لیکن یہ ترجمہ اور مفہوم تب درست ہوگا جب مسجد سے یہاں سجدوں کے بجائے سجدہ گاہیں مراد ہوں، تاہم بظاہر اس سے مراد مساجد (جمع مسجد) ہیں مگر بعض اہل علم نے اس سے مراد ذکر و عبادت اور رکوع و سجود لیا ہے تاہم دونوں صورتوں میں اس سے درس توحید اور اس پر عمل ہی مقصود ہوگا! ہمارا مقصود و مطلوب بھی درس توحید اور اس پر ایمان کی پختگی ہے جو مسجد ہی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ یہاں اس آیت کریمہ میں بیک وقت توحید مثبت اور توحید منفی کا ذکر ہے یعنی درس توحید اور عقیدۂ توحید کی تلقین بھی ہے مگر ساتھ ہی ردشرک یعنی غیر اللہ سے مانگنے کی ممانعت بھی ہے!

مسجد کے حوالے سے قرآن کریم میں جو ارشادات ربانی وارد ہوئے ہیں اور مسجد کو بحیثیت درسگاہ اور تربیت گاہ، پیش کیا گیا ہے ان سب کا، یہاں پر احاطہ اور استیعاب مقصود نہیں ہے مگر سورت الحج (آیات ۳۹-۴۱) میں ظلم کے خلاف اہل اسلام کو ہتھیار اٹھاتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کی اجازت عطا کرنے کے ضمن میں مساجد کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا گیا ہے، مذاہب عالم کی تاریخ میں پہلی بار ایسی بردباری اور رواداری کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جو قابل ستائش بھی ہے اور سب کے لئے قابل تقلید بھی، اس لئے اس مقالے میں مسجد کے مرکزی و محوری کردار کے ضمن میں ان آیات کے ترجمہ وتشریح کو ''مسک الختام'' یا خوبصورت انجام کے طور پر پیش کیا جارہا ہے! ان آیات کریمہ میں اذن جہاد کی بات بھی ہے مگر ان میں ہجرتِ مدینہ کے بعد ربع صدی کے اندر اندر قائم ہونے والی عظیم الشان اسلامی خلافت کے متعلق ایک پیشین گوئی بھی ہے، حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی ایک معقول تعداد مہاجرین حبشہ کی صورت میں غریب الوطن تھی، کچھ مسلمان مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت کر کے ابھی راہوں میں تھے، مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا قیام بھی عملی شکل نہیں لے پایا تھا اور سید الشہداء اور اسلام کی تاریخ میں پہلے سپہ سالار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بار بار ابوسفیان کی شریرانہ غارت گری کا جواب دینے کی درخواست کر رہے تھے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے جارہے تھے کہ: ''مجھے ابھی اذن قتال نہیں عطا ہوا۔'' رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے شریر ٹولے کی ریشہ دوانیاں اور بے قراریاں الگ خطرات کی نشاندہی کر رہی تھیں، ان حالات میں مسلمانوں کو عظیم الشان سلطنت کا مالک بننے کی خوشخبری سنانا بظاہر ایک ناممکن سی بات تھی مگر ایسے میں اس پیشین گوئی کا آنا اور پھر صرف ربع صدی کے اندر حقیقت کا روپ دھار لینا بھی

ایک قرآنی معجزہ ہے۔ان آیات کریمہ (۲۲/۳۹۔۴۱) کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے:

”جن (مسلمان) لوگوں سے (ابوسفیان کی غارت گری کی صورت میں یا مکہ میں اذیت پہنچا کر) لڑائی کی جارہی تھی کہ وہ سراسر ظلم کا شکار تھے، انہیں جہاد کی اجازت دی جاتی ہے اس اعلان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و امداد پر قدرت رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق (مکہ مکرمہ میں اپنے) گھروں سے نکال دیا گیا تھا، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اگر ایسے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے نہ روکتے تو مسیحی کنائس اور یہودیوں کی عبادتگاہیں اور دوسرے معبدوں کے علاوہ مسلمانوں کی مسجدیں بھی ، جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا رہتا ہے، گرادیئے جاتے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی ضرور مدد فرماتے ہیں جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ تو طاقتور اور غالب ہے، یہ ان (مسلمان) لوگوں کی بات ہے کہ اگر ہم انہیں روئے زمین کی حکمرانی دے دیں گے، تو یہ نماز قائم کریں گے، نظام زکوۃ قائم کریں گے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا نظام قائم کریں گے، اور کاموں کا انجام تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے!“

غور طلب اور توجہ کے قابل یہ بات ہے کہ مسجد اور عبادت گاہوں کے حوالے سے ان آیات کریمہ میں تربیت اور تیاری کی کتنی عملی صورتیں اور کارآمد ہدایات و احکام عطا فرمائے گئے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ اسلامی معاشرہ کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کو واضح کرتے ہیں بلکہ بعض نہایت اہم دفاعی اور حفاظتی معاملات کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں:

(۱)۔ ظلم و تعدی اور بے انصافی یا جارحیت ہر حال میں نا قابل قبول بلکہ نا قابل برداشت ہے، بعض انسانی طبائع اور انسانی گروہ شر پسند اور فتنہ و فساد کی طرف مائل ہوتے ہیں، اگر ان کی مزاحمت نہ کی جائے اور انہیں کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ روئے زمین پر بسنے والی مخلوقِ خدا کے لئے جینا مشکل ہی نہیں ناممکن بنا دیتے ہیں، ایسے افراد اور ایسے گروہوں کو ان کی اپنی حدود میں رہنے پر مجبور کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا خواہ اس کے لئے ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑیں۔سرکشی اور جارحیت یعنی حد سے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو قطعی ناپسند ہے۔حتی کہ اس ذات رحیم و رؤف نے، تو اہل ایمان کو بھی ایسا کرنے سے منع فرمادیا ہے: ”وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ “ یعنی تم حد سے مت بڑھنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے اور جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے“ اسی طرح اس ذات پاک نے ظلم کرنے اور ظلم برداشت کرنے سے بھی

منع فرمایا ہے: "لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ یعنی نہ ظلم کرو اور نہ ظلم برداشت کرو!"

(۲)۔ ایک شیطانی نظام اور منصوبہ بندی فرعونوں، نمرودوں اور شدادوں کی ہوتی ہے مگر ایک اللہ جل شانہ کا اپنا نظامِ قدرت اور "تقدیرا لعزیز العلیم" بھی ہے جس کے سامنے ان جباروں اور سرکشوں کا شیطانی نظام مغلوب اور بے بس ہوکر سرنگوں ہوتا رہتا ہے! آخری اور فیصلہ کن فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے! اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ. بڑا بے نیاز ہے جو ممولوں سے شاہین مرواتا رہتا ہے اور ہاتھی والے لشکر جرار کو ابابیلوں سے مروا کر اپنی قدرتِ مطلقہ غالبہ کا اظہار کرتا رہتا ہے! اللہ تعالیٰ ہی کا حکم غالب اور نافذ ہوتا ہے مگر شیطانی قوت کے نشہ میں وحشت اور بے مہار ظالم اندھے ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں غلبہ حق دیکھ کر ہی کھلا کرتی ہیں جب پچھتانے کا وقت بھی گذر چکا ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ذلت کی موت مر کر نشانِ عبرت بنتے رہتے ہیں!

(۳)۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ بھی پیدا کرتا رہتا ہے، وہ اپنے نظام قدرت کی راہ میں حائل ہونے والوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے کے لئے "کن فیکون" کے اٹل حکم سے اسباب پیدا کر دیتا ہے، ایک فرعون کو دوسرے فرعون سے اور کبھی نمرود کو مچھر کے ہاتھوں ذلت کی موت دے دیتا ہے، حکمت ربانی سے کبھی ظالموں کو ان کے اپنے باہمی ٹکراؤ سے نابود کرتا ہے، جس طرح ہٹلر کے ہاتھوں صلیبی مغرب کا غرور ٹوٹا، عالم اسلامی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور کسی حد تک مسلمانوں نے آزاد فضا میں سکھ کا سانس لیا تھا یا جیسے کمیونسٹ یلغار کو عالم اسلام کو کچلنے اور غلام بنانے سے پہلے ہی پہلے قدم پر افغانستان میں نہ صرف روک دیا گیا بلکہ حملہ آور سرخ سامراج خود بھی ریت کے ٹیلے کی طرح بکھر کر رہ گیا، مٹھی بھر افغان مجاہدین نے شیطانِ خورد یعنی چھوٹے شیطان کا کچومر نکال دیا اور اب برہمنی اور صیہونی حاسد شیطانِ بزرگ کی ہولناک فوجی طاقت سے مسلمانوں کو زیر کرنے کے چکر میں آخری نشانِ عبرت بننے والے ہیں۔

(۴)۔ دنیا بھر کے مظلوموں، خصوصاً مسلمانوں کی توجہ اس طرف بھی مبذول کروائی گئی ہے کہ مسجد کے زیرِ سایہ تربیت پانے والوں نے نامساعد حالات کے باوجود اور یہودی پراپیگنڈے سے متاثر ہوکر ننھی سی اسلامی ریاست پر ٹوٹ پڑنے والے رومن اور ایرانی سپر طاقتوں کی یلغار کا منہ پھیر دیا تھا اور ربع صدی کے اندر اندر ان دونوں فوجی طاقتوں کو الٹ پلٹ کر تین براعظموں پر مشتمل عادلانہ نظام کی حامل مثالی سلطنت قائم کر دی تھی، اس لئے کیا عجب کہ تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرانے جا رہی ہو اور جس طرح پرانی دو سپر طاقتیں مسلمانوں کے ہاتھوں نابود ہو گئی تھیں اسی طرح اب بھی چھوٹے شیطان کی موت کی طرح بڑے شیطان کی موت بھی انہی ممولوں کے ہاتھوں ہی مقدر ہو چکی ہو؟!

(۵)۔ لیکن مسجد کے زیرِ سایہ تربیت پانے والے قرنِ اوّل کے مجاہدین نے دنیا میں عدل و انصاف

قائم کر کے امن وسلامتی کا جو ماحول پیدا کر دیا تھا وہ اس جماعت کی اخلاقی قوت کا مرہون منت تھا، رسول اللہ ﷺ نے مکی ''دارِارقم'' کی سجدہ گاہ میں اور پھر ''صفہ مسجد نبوی'' میں جو جماعت تیار فرمائی تھی اس نے اسلحہ کے زور سے نہیں بلکہ اپنی اخلاقی قوت سے دنیا پر فتح پائی تھی، یہی فتح حقیقی فتح تھی! آج کی یہ وسیع اسلامی دنیا اسی اخلاقی فتح کا ثمر ہے اور یہ اخلاقی قوت بھی مسجد کے زیرسایہ تیار ہوئی تھی جو اسلامی معاشرہ میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار کا واضح اور عملی ثبوت ہے! تو کیا آج بھی مسلمان عدل وانصاف کے قیام کا علم بلند کر کے اور شفقت ورحمت کی بنیاد پر، امن وسلامتی کی فضا پیدا کر کے اخلاقی قوت بن سکتے ہیں؟! میرے نزدیک یہ بات ناممکن ہرگز نہیں ہے!

یہ وقت اور فضا ایسی ہے کہ اس میں مسلمان صرف اخلاقی قوت بن کر اور اس کے عملی نمونے پیش کر کے ہی اپنا تعمیری کردار ادا کر سکتے ہیں! آج کے انسان کی یہی ضرورت ہے اور سب کی یہی پکار بھی ہے! اسلحہ کی طاقت سے نہ دنیا پر فتح پائی جاسکی ہے اور نہ کوئی آج صرف عسکری قوت سے فاتح بن سکتا ہے! یہ دہشت گردی اور شدت پسندی مسلمانوں کا کبھی ہتھیار تھا نہ یہ اب انہیں نفع دے سکتا ہے! یہ تو یہودی ہتھیار ہے جو ''حسن بن صباح'' کے حشاشین کو یہودیوں نے پکڑایا تھا! اسی ہتھیار سے جدید صہیونیت نے اسرائیل قائم کیا تھا مگر اب وہ نہ صرف یہ ہتھیار مسترد کر کے پھینک چکے ہیں بلکہ انہوں نے ہی اسے دنیا بھر میں نفرین اور ہولناک بداخلاقی قرار دلوا کر دہشت گردی کی اپنی یہ غلیظ اور گندی ٹوپی مسلمانوں کے سر تھوپ دی ہے! خود تو وہ سرمایہ سے تجوریاں بھرنے اور خفیہ طور پر امریکہ کے پس منظر میں رہ کر انکل سام کو دنیا بھر کی نظر میں دہشت گرد بنا کر اس کا جنازہ نکلوانا چاہتے ہیں! آج دنیا کی نظر میں دہشت گرد صرف دو ہیں: ایک انکل سام ہے اور دوسرے وہ مسلمان جنھوں نے صہیونیوں کی ناپاک اور ٹھکرائی ہوئی گندی ٹوپی اپنے سر سجا لی ہے! ان دونوں دہشت گردوں کے پیچھے پس منظر کی قوت محرکہ یہی صہیونی ہیں جو انکل سام اور مسلمانوں کی باہمی ٹکر کا تماشا بھی دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے ذریعہ دنیا کو تباہ کر کے اس کے کھنڈرات پر صہونیت کے چراغ بھی جلانا چاہتے ہیں!

حضرت محمد ﷺ نے تو، اپنی مسجد (دارارقم ہو یا صفۂ مسجد نبوی) میں نہ کبھی ظلم وجارحیت کی تلقین فرمائی ہے اور نہ کبھی دہشت گردی کو گوارا فرمایا ہے بلکہ اس برائی سے نہ صرف سختی سے منع فرمایا بلکہ اپنے ساتھیوں کو شفقت ورحمت کے علم بردار بن کر نکلنے کی تربیت دی، وہ تو اپنی مسجد میں لوگوں کو عدل وانصاف، امن وسلامتی، محبت ورحمت اور شفقت ورافت کی تعلیم وتربیت دیتے رہے! بغیر خبردار کئے اور اعلان یا الٹی میٹم کے بغیر، جنگ جو دشمن پر حملہ سے بھی منع کیا ہے!

سیرتِ طیبہ سے صرف ایک عملی مثال کافی سمجھتا ہوں، یہ اس وقت کی بات ہے جب کفار مکہ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے، مسلمانوں کی اذیت رسانی میں تمام حدود کو پھلانگ چکے تھے، مسلمانوں کے لئے اپنے محلوں اور شہر کی گلیوں میں چلنا پھرنا ممکن نہیں رہا تھا، حضرت بلال وصہیب رومی جیسے غلاموں پر ظلم کے تمام حربے آزمائے جا رہے تھے، ان مظلوموں کو ''دارِارقم'' کے اندر بھی اپنے مرشد ومعلم اور ہادی ﷺ سے آزادانہ ملنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے! اس ماحول اور اس فضا میں دارارقم کی سجدہ گاہ میں تربیت پانے والے ممولوں (جنہیں آنحضرت ﷺ شاہین بننے کی تلقین فرما رہے تھے) نے ایک روز ''دارارقم'' میں ذکر وفکر کے دوران میں (وامرھم شوریٰ بینھم یعنی حضرت مصطفیٰ ﷺ کے حضور میں تربیت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ہر معاملہ باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں) کے مطابق سرداران قریش کے عناد اور عداوتِ اسلام کے متعلق تبادلہ خیالات اور غور وفکر کے بعد طے کیا کہ دس بارہ سردار ایسے ہیں، جو اسلام کے مخالف اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں، اگر کسی شام ان کا قصہ تمام کر دیا جائے، تو اگلی صبح کو مکہ مکرمہ اہل اسلام کے تصرف میں ہوگا، اگر سرکار ﷺ اجازت فرما دیں تو بارہ سرفروش یہ کام تمام کر سکتے ہیں!

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جیسے ہی آپ ﷺ ''دارارقم'' میں تشریف لائے دارارقم میں ذکر وعبادت کرنے والوں اور سجدہ گاہ کی تربیت نبوی سے سرفراز ہونے والے غلامان اسلام رضوان اللہ علیہم نے یہ تجویز پیش کر دی! راوی کہتا ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے کہ جنہیں میں تربیت کے ذریعہ ممولوں سے شاہین بنا رہا ہوں ان پر تو شاہینوں کے نشانات وعلامات نمایاں ہونے لگے ہیں مگر پھر معاً اور فوراً آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کے تاثرات ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ: ''اچھا تم چاہتے ہو کہ لوگ میرے متعلق یہ بتاتے پھریں کہ محمد ﷺ تو چھپ کر دھوکے سے اپنے دشمنوں (کی ٹارگٹ کلنگ کرواتے ہیں) کو قتل کروا دیا کرتے ہیں! خبردار ایسا سوچنا بھی نہیں!!''

یہ منظر بھی تاریخ نے پہلی بار ہی ریکارڈ کیا کہ قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جنگ اور صلح کے اصول اور آداب متعین فرمائے، جنگی قیدیوں کے حقوق (سورت محمدؐ میں) متعین کئے ورنہ اس سے پہلے اور پھر بعد میں ایک عرصہ تک دنیا جنگ کے اصولوں اور جنگی قیدیوں کے حقوق سے ناآشنا رہی، معاہدۂ جنیوا تو کل کی بات ہے! مکہ مکرمہ کے ''دارِارقم'' کی سجدہ گاہ اور ''صفۂ مسجد نبوی'' میں تربیت پانے والوں کے اوّلین سردار اور سب سے پہلے خلیفۂ رسول ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو محاذ پر روانہ کرنے سے پہلے جو نصیحتیں اور وصیتیں

فرما رہے تھے ان میں یہ بھی شامل تھا کہ عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں پر اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے جب تک وہ تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں! عبادت گاہوں، عبادت کرنے والوں اور مذہبی پیشواؤں کو پریشان بھی نہیں کرو گے! پھلدار درخت نہیں کاٹو گے، بلاوجہ کوئی پودہ نہیں کاٹو گے! فصلیں اور کھیت برباد نہیں کرو گے! یہ سب کچھ نتیجہ تھا مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کا جو صرف اسلامی معاشرہ کو میسر آتا ہے!!

رسول اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں مسجد کا کردار دینی بھی تھا اور دنیاوی بھی، دین اور دنیا کے مسائل اور مقاصد کو یکساں جگہ ملتی تھی، تیرہ سالہ مکی دورِ نبوت میں ''دارِ ارقم'' میں ذکر و عبادت اور وعظ و کردار سازی کے کام کے ساتھ ساتھ یہاں مسلمانوں کی مجالس مشاورت بھی منعقد ہوئی تھیں، اسی میں نماز کے لئے سجدہ گاہ بھی مختص تھی اور مسلمانوں کی تمام دینی اور دنیاوی سرگرمیوں کا مرکز و محور یہی دارِ ارقم رہا، مسلمانوں کے علاوہ مکہ مکرمہ کے سب لوگ ''دارِ ارقم'' کو ''دار الاسلام'' کے نام سے یاد کرتے تھے جو دراصل قریش مکہ کے اسمبلی ہال یا پنچائت گھر ''دار الندوہ'' (مشاورت گاہ) کے مقابلے میں اہل اسلام کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و محور یہی دار الاسلام دارِ ارقم ہی تھا، محمد بن سعد، طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے ''دارِ ارقم'' کو ''دار الاسلام'' کے نام سے ذکر کیا ہے؛

ہجرت مدینہ کے بعد کچھ دنوں کے لئے مسجد قبا (جسے اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے، یثرب یا مدینہ النبی ﷺ میں تشریف فرما ہونے کے بعد سب سے پہلا کام (بلکہ سب سے پہلا قدم کہنا چاہیئے) مسجد نبوی کے لئے قطعہ زمین کا حصول اور تعمیر تھی، اس عظیم و جلیل مسجد کی تعمیر میں رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حصہ لیا تھا، مسجد کے صحن کا ایک گوشہ تعلیم و تربیت کے لئے مختص کر دیا گیا تھا، یہ ایک چبوترہ تھا جو صفہ (بمعنی چبوترہ) کہلاتا تھا، قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اسی صفہ میں ہوتی تھی جو آج بھی موجود ہے اور ہر زائر اور حاجی کی یہ کوشش اور آرزو ہوتی ہے کہ اسے صفۂ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے، تلاوت کرنے اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا موقع نصیب ہو، سابق شیخ الازہر کے فرزند استاذ علی عبدالحلیم محمود نے ''المسجد و اثرہ فی الجمتمع الاسلامی'' میں ذکر کیا ہے کہ:

'' فان النبی ﷺ اسس مسجده المبارک علی التقوی ففیه الصلاة والقراء ة والذکر وتعلیم العلم والخطب وفیه السیاسة و عقد الألویة والرایات و تأمیر الامراء وتعریف العرفاء وفیه یجتمع المسلمون عنده لما أهمهم من أمر دینهم و دنیاهم ''

'' رسول اللہ ﷺ نے یہیں پر اپنی مسجد مبارک کی بنیاد رکھی، اسی میں نماز ہوتی تھی، تلاوتِ قرآن پاک ہوتی تھی، یہیں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا، علوم سکھائے

جاتے تھے، تقاریر فرمائی جاتی تھیں یعنی خطبات ارشاد فرمائے جاتے تھے، اسی میں سیاست وحکومت کی باتیں ہوتی تھیں، یہیں پر عساکرِ مجاہدین کو علم اور جھنڈے سونپے جاتے تھے، امرائے لشکر کا تقرر فرمایا جاتا تھا اور عبادت گذار زاہدوں کی تعریف کی جاتی تھی اور یہیں پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اکٹھے ہوتے اور دین و دنیا کے حوالے سے پیش آنے والے امور میں ان سے مشورے اور ہدایات حاصل کرتے تھے!"

تعمیر مسجد کے مقاصد اور فوائد کے ضمن میں خصوصاً تعلیم و تربیت کو عام کرنے میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار کے متعلق جدید وقدیم زمانوں کے فقہائے اسلام، مفتیان عظام اور تاریخ وسیرت پر قلم اٹھانے والے اہل علم و دانش نے، جو کچھ لکھا ہے اس کے مفصل جائزہ و مطالعہ کو تو کسی ایک آدھ کتاب میں بھی نہیں سمیٹا جا سکتا، چہ جائیکہ اس مختصر سے مضمون میں اس کی تفاصیل پیش کی جا سکیں، البتہ ایک دو حوالے بطور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا ہی مناسب ہوگا، ہمارے ائمہ اور فقہا میں امام ابن تیمیہ کا ایک خاص مقام ہے وہ اپنے ضخیم اور مشہور مجموعہ فتاوی میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی اور وسیع تر مقاصد کی طرف مسجد کے مرکزی ومحوری کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں، (اسے ڈاکٹر علی عبدالحلیم محمود نے بھی اپنی مذکورہ کتاب میں نقل کیا ہے):

"ولقد اتسعت وظيفة المسجد فی حياة الرسول ﷺ وفی حياة خلفائه الراشدين فكان المسجدمكانا للعبادة و للتعليم وللمدارسة فی امور المسلمين، و كان مكانا للقضاء بين الناس و مجالا لعقد ألوية الجيوش المحاربة فی سبيل الله سبحانه، ومكانا تستقبل فيه وفود القبائل و سفراء الدول"

"رسول اکرم ﷺ اور آپ (ﷺ) کے خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی زندگیوں میں ہی مسجد کے دائرہ عمل میں بہت وسعت پیدا ہوگئی تھی چنانچہ اسی مبارک عہد میں مسجد جائے عبادت تھی، تعلیم دینے اور مسلمانوں کے معاملات پر غور کرنے کی جگہ بھی تھی، یہیں لوگوں کے مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے، اسی میں اللہ سبحانہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لشکروں کو علم تھمائے جاتے تھے اور یہ مسجد ہی تھی جہاں قبائلی وفود اور مختلف ملکوں کے سفیروں کا استقبال بھی ہوتا تھا!"

امام ابن تیمیہ کے اس فتوی کی یہ عبارت اور اس کا ترجمہ بالکل واضح ہے اور مزید کسی تشریح یا

تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے، وقتاً فوقتاً جو ہنگامی مسائل سامنے آتے تھے، ان کے حل پر غور کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہنگامی اجلاس بھی طلب فرماتے تھے، باوضو ہو کر دو رکعت نفل کے بعد آپ ﷺ خطاب فرماتے اور مسائل پر غور فرمایا جاتا، ایسا ہی ایک واقعہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں ذکر کیا ہے وہ سبق آموز بھی ہے اور اسلامی معاشرہ میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار پر روشنی بھی ڈالتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدنی عہد مبارک میں ایک روز مسجد نبوی کی دیوار کے سایہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت تشریف فرما تھی جس میں کبار مہاجرین و انصار بھی شامل تھے، ان بزرگوں میں سیدنا بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم بھی تھے، ایسے میں ایک نو مسلم اعرابی، جس کا نام قیس بن مُطاطہ لکھا ہے، پاس سے گذرا اور عرب وعجم کی اس عالمی جماعت کے اجتماع کو حیرت سے دیکھا اور رواں تبصرہ کے انداز میں بولا: یہ مہاجرین وانصار تو عرب ہیں اس لئے ان کا رسول عربی ﷺ پر ایمان لانا تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ غیر عرب یہاں کیا لیتے ہیں؟! حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے جو ایک طویل القامت اور طاقتور آدمی تھے، انہیں اس اعرابی کا یہ رواں تبصرہ بہت ناگوار گذرا اور اسے گریبان سے پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ اعرابی نیا نیا مسلمان ہوا ہے اس لئے ابھی تک اس کے دل ودماغ سے جاہلیت نہیں گئی یعنی اس میں عرب ہونے کا فخر وغرور اب بھی اسی طرح موجود ہے اور وہ اسلامی اخوت ومساوات سے بے خبر ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اپنے عہد مبارک میں، اپنی مسجد کے سایہ میں اور آپ ﷺ کی موجودگی میں مخلص اہل ایمان بزرگوں کا دل دکھایا گیا تھا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تبصرہ کو ناپسند فرمایا تھا، اس پر رسولِ اخوت ومساوات بہت فکر مند ہوئے اور اس قدر ناراض ہوئے کہ پہلے ایسے ناراض کبھی نہیں دیکھے گئے تھے، اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور تیزی سے اپنے منبر کی طرف بڑھے یہ بھی خیال نہ رہا کہ چادر مبارک زمین پر گھسیٹتے جارہے ہیں (حالانکہ آپ ﷺ اسے بھی غرور اور تکبر کی علامت قرار دیتے ہوئے ناپسند فرماتے تھے!) چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ: ''الصلاۃ جامعۃ'' یعنی آؤ پہلے باجماعت نماز پڑھتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ایسے اہم مواقع پر اسی طرح باوضو نفل نماز پڑھ کر ہی اپنے منبر پر تشریف فرما ہوتے اور تقریر فرماتے تھے،!

آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر یوں تقریر فرمائی:

''ایھا الناس ! ان الربّ ربٌّ واحد، وان الاب اب واحد! کلکم لآدم

و آدم من تراب! فلا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي إلا بالتقوى! و ان العربية ليست باب و لا بأم لأحد منكم! انما هي لسان فمن تكلم بالعربية فهو عربي ومن وجدله أبوان في الاِسلام فهو عربي!

''اے لوگو سن لو! ربّ تو سب کا ایک ہی ہے، اور باپ بھی سب کا ایک ہی ہے کیونکہ تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو جو خاک سے پیدا کئے گئے تھے! رہی عربی زبان تو یہ تم میں سے کسی کا نہ باپ ہے نہ کسی کی ماں ہے، بلکہ یہ تو ایک بولی ہے، سو جس نے عربی بولنا سیکھ لیا وہ عرب ہی ہے اور جس شخص کے باپ اور دادا مسلمان پائے گئے تو وہ بھی عرب ہی ہو گیا!!''

یہ واقعہ اور یہ تقریر دلپذیر یا خطبۂ نبوی اسلامی معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں مسجد کے مرکزی و محوری کردار کو بھی متعین کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی قومیت اور وطنیت یا لسانیت کے غرور و تکبر کو بھی مسترد کرتا ہے! مادری زبان کے تصور کو بھی باطل ٹھہراتا ہے (ماہرین لسانیات تو آج پندرہ سو سال بعد اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ مادری زبان نام کی دنیا میں کوئی چیز نہیں ہوتی! یعنی کوئی شخص ماں کے پیٹ سے زبان سیکھ کر نہیں آتا! زبان تو بار بار بولنے اور سیکھنے سے یا تجربہ اور مشق سے آتی ہے آج کتنے ہی انسان ہوں گے جو انگریز تو نہیں ہیں مگر زبان انگریزی انگریزوں سے بھی اچھی بولتے اور لکھتے ہیں، ہمارے مولانا محمد علی جوہر اور معروف صحافی زیڈ اے سلہری اس کی زندہ مثالیں ہیں جن کی انگریزی کو خود گورے بھی سلام کرتے تھے، آج بھی اگر ایک بدو عورت کا بچہ لاہور کی کسی پنجابن کی گود میں دے دیں تو جب بڑا ہو گا تو ٹھیٹھ لاہوری پنجابی بولے گا مگر عربی کا لفظ بھی صحیح نہیں بولے گا، اسی طرح کسی لاہوری ماں کا بچہ نجد کی کسی بدو عورت کی گود میں دے کر دیکھو جب بڑا ہو گا تو شاید عرب خطباء اور بلغاء کو بھی مات کر دے مگر پنجابی کا لفظ بھی زبان پر نہیں لا پائے گا! لیکن اس ارشادِ نبوی ﷺ میں پتے کی بات یہ ہے کہ اس فرمان کی رُو سے ہر مسلمان پوتے نے اپنے باپ اور دادا سے عربی سیکھ کر عرب بننا تھا۔ مگر افسوس کہ بہت سی باتیں، مسلمانوں سے چھوٹ گئیں حالانکہ کان میں پڑنے والے پہلے الفاظ اور آخر میں نماز جنازہ بھی عربی میں ہوتی ہے ہمارا آغاز اور اختتام تو عربی زبان پر ہی ہوتا ہے مگر زندگی بھر ہم عربی سے بیگانے ہی رہتے ہیں! آج بھی اگر ہم اسلامی معاشرہ کی تعلیم و تربیت کے لئے مسجد کو اس کا اصل مرکزی و محوری کردار دے دیں تو شاید ہم اپنے رسول ﷺ کے اس فرمان اور توقع کی لاج رکھنے کے قابل ہو جائیں! تجوید کے ساتھ قرآن کریم سیکھنے سکھانے اور حفظ کرنے کرانے سے عربی زبان سیکھنے کی راہیں کھل جاتی ہیں)!

علمائے اسلام نے اسلامی معاشرہ کی تعمیر و ترقی اور تعلیم و تربیت میں، مسجد کے مرکزی اور محوری

کردار پر مفصل روشنی ڈالی ہے، نہ صرف اپنی تصانیف میں ضمنی طور پر بلکہ الگ سے مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، ان علماء میں امام سیوطی بھی شامل ہیں، گذشتہ سطور میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی خوبصورت کتاب (حسن المحاضرة) میں عہد فاروقی میں مسجد کے مرکزی ومحوری کردار کا تذکرہ فرمایا ہے، اسی کتاب (حسن المحاضرة:۲/۲۳۸) میں قاہرہ، مصر، کی ایک تاریخی مسجد (جامع ابن طولون) کے تعلیمی نصاب پر وہ روشنی ڈال رہے ہیں جس میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ میڈیکل اور سائنسی علوم بھی شامل نصاب تھے، وہ فرماتے ہیں:

"ان دروسا مختلفة رتبت فی الجامع الطولونی وقد شملت التفسیر و الحدیث والفقه علی المذاهب الأربعة، والقراء ات والطب و المیقات"

"قاہرہ کی جامع مسجد ابن طولون میں مختلف اسباق پر مشتمل نصاب تیار کئے گئے تھے جن میں تفسیر قرآن کریم، حدیث نبوی، چار مسالک (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی فقہ، قراءات، طب اور ہیئت بھی شامل تھی!"

رسول اللہ ﷺ کی عملی حیاتِ پاک میں مسجد کا مرکزی اور محوری کردار رہا ہے، اور آپ ﷺ سے آدابِ مسجد کے ضمن میں بھی بہت کچھ منقول اور مروی ہے، سفر سے واپسی پر، یا مسجد میں داخلے پر "تحیة المسجد" کی دو رکعت نفل نماز آپ ﷺ کا معمول تھا، مسجد کے حوالے سے لاتعداد ماثور ومسنون دعائیں بھی مروی ہیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب مسجد میں داخل ہو یا نماز کے بعد باہر آؤ تو بھی دعا کرو، داخل ہوتے ہوئے کہا کرو: اَللّٰھم اَفْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اے اللہ! تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور نماز کے بعد جب باہر آؤ تو کہا کرو: اَللّٰھم اِنّی اَسْألُکَ مِنْ فَضْلِکَ یعنی اے اللہ! میرے لئے اپنے فضل وکرم کے دروازے کھول دے!"

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، سے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو درود وسلام کے بعد دعا فرماتے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِی وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے!" پھر جب مسجد سے باہر آنے لگتے تو وہی درود پڑھتے اور دعا مانگتے "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَاَفْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ" اے اللہ! میرے گناہ بخش دیجئے اور اپنے فضل وکرم کے دروازے میرے لئے کھول دیجئے۔"

قابل غور یہ بات ہے کہ "سورت الفتح" میں یہ اعلان اور وعدۂ خداوندی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ (اگر کوئی تھے؟ تو بھی) معاف فرمادیے تھے لیکن اس کے

باوجود آپ اظہار تشکر کے طور پر اپنے ربّ سے دعائیں مانگتے اور عبادت کرتے تھے لیکن اصل وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت کی تربیت مقصود تھی کہ دعاء سے پہلے درود شریف پڑھا جائے کیونکہ یہ قبولیت دعاء کا یقینی وسیلہ بھی ہے، اس سے واضح طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد اسلامی معاشرہ کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال اور کردار سازی کا بھی مرکز ومحور تھی اور عہد نبوی میں ذکر وعبادت اور دعاء کے طریقے بھی مسجد میں سکھائے جاتے تھے! اصلاح امت کے لئے خود رسول اکرم ﷺ بھی مسجد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تعمیرِ شخصیت اور کردار سازی فرماتے تھے اور آپ کے مبلغین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے وهب بن منبہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ مدینہ منورہ کی نو کی نو مساجد درسگاہوں کا بھی کام دیتی تھیں!

معاصر علمائے اسلام میں سے استاذ علی عبدالحلیم محمود (المسجد، ص ۴۶) نے اس ضمن میں اپنا حاصل مطالعہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''مسجد ایک ایسی درسگاہ اور میدانِ عمل ہے جہاں مسلمان اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب مقدسہ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر اپنے ایمان وعقیدہ کے ساتھ ساتھ یوم آخرت پر اپنے یقین اور عقیدہ کو بھی عملی شکل دیتے تھے، وہ تمام اصول وآداب جو ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی سے جوڑتے اور باہمی تعلقات کو معاشرہ سے مربوط کرتے ہیں وہ مسجد ہی میں سکھائے جاتے ہیں۔ مسجد ہی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا موقع میسر آتا ہے، یہیں پر بندگان خدا، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق اور کائنات پر غور وفکر کے طریقے سیکھتے ہیں، یہیں پر علم وعرفان کی دولت نصیب ہوتی ہے، یہیں پر نظافت وتنظیم، محبت وایثار اور اخلاص ووفا کی عملی تربیت کے نمونے بھی میسر آتے ہیں، بلکہ ایک مسلمان دین ودنیا کی جو باتیں بھی سیکھتا ہے ان پر عمل کرنے کے مواقع بھی یہیں پر ملتے ہیں!!''

برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت نظام مساجد سے وابستہ رہا ہے، ہر چھوٹے سے چھوٹے گاؤں اور قصبہ میں بہترین عمارت بلکہ شاندار عمارت مسجد ہی کی ہوتی ہے۔ آج کے دینی مدارس جو مدارس نظامیہ کی نقل ہے وہ بھی سب کے سب بلا استثناء مساجد ہی سے وابستہ اور مربوط ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس مصلے اور جائے نماز پر قلب مسجد میں ادا ہوتی ہے، انگریز نے اپنے منحوس قدم جمانے کے بعد اور اپنا ملحدانہ نظام تعلیم نافذ کرنے سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کے نظام تعلیم پر جووار کیا تھا اس کے منحوس اثرات سے آج تک مسلمان تلملا رہے ہیں اور ان کا اپنا نظام تعلیم واپس نہیں آسکا! دینی مدارس کا نظام کمزور سے کمزور تر ہو چکا ہے اور سرکاری درسگاہوں کا نظام اور نصاب بیکار سے بیکار تر ہوتا جارہا ہے! مسجد کا کردار دونوں جگہ مفقود نہیں تو لولا لنگڑا ضرور ہو چکا ہے! سرکاری درسگاہوں سے تو مسجد کا کردار بالکل غائب ہے، جبکہ دینی مدارس میں مسجد کا عمل دخل فرقہ پرستی کا رنگ اختیار کرچکا ہے!

مسجد جو اسلامی اخوت ومساوات اور رحمت ومحبت کا مرکزی ومحوری کردار ادا کرتی تھی اب اس سے بھی یہ کردار چھین لیا گیا ہے، مسجد اب اصلاح معاشرہ کے معمار پیدا کرنے کے بجائے، متعصب فرقہ پرست تیار کرتی ہے! میری رائے میں یہ نتیجہ ہے کم علمی اور تنگ نظری کا! اگر علوم ومعارف میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی قلب ونظر کی وسعت اور فراخی بھی میسر آ جائے تو فرقہ بندی اور تعصب سے بھی نجات مل جائے اور رواداری اور بردباری سے ہم فروعی اختلافات بھی بھلا سکتے ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ آج بھی ہمارے دینی مدارس اور مسجد کا وجود لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر مسجد کا وہی مرکزی ومحوری کردار بھی بحال ہو جائے، جو عہدِ نبوت وخلافت راشدہ میں تھا اور جو وحدت امت اور شورائی جمہوری نظام کے علمبردار اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے بھی اپنایا تھا، جس کے عملی نمونے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور نقشبدی وچشتی صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے سنٹرل ایشیا اور برعظیم پاک وہند میں خصوصاً حضرت خواجۂ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشینوں نے موروثیت کی بیماری لاحق ہونے سے پہلے اپنایا تھا تو آج بھی مسجد کو اس کا اپنا اصلی وحقیقی کردار مل سکتا ہے اور مسلمان اپنی کھوئی ہوئی وحدت وقوت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں، جن لوگوں کا کام دلوں کو جوڑنا تھا وہ اگر دلوں کو توڑنا چھوڑ دیں، ایک دوسرے کو برداشت کریں، سمجھانے کی باتیں شفقت اور پیار سے سمجھانا شروع کر دیں، اپنی بات نرمی اور شفقت سے سنائیں اور دوسروں کی باتیں بھی ٹھنڈے دل اور حوصلے سے سنیں، تو بگڑی ہوئی بات آج پھر بن سکتی ہے، عالم اسلام آج بھی ایک ایسی قوت ہے جس کے پاس بے پناہ مادی وسائل اور ہنر مند افرادی قوت موجود ہے جس سے اغیار لرزتے ہیں، اسے ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور جس کے استحصال کے لئے وہ روز نئے سے نئے جال بنتے رہتے ہیں! دراصل یہی بدخواہ وہ ہی بیرونی قوتیں ہیں جنہوں نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اسلامی معاشرہ میں مسجد کو اس کے مرکزی اور محوری کردار سے محروم کر دیا ہے اور غیر شعوری طور پر ہی سہی ہم ان اغیار کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے "بھٹکا ہوا آہو سوئے حرم" چلنے کے بجائے انحراف کی زد میں ہے، ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک حرم کے ماننے والوں کے فروعی اختلافات ہی ان کے پاؤں کی زنجیر اور بدخواہ دشمن کا آلۂ کار بن گئے ہیں! ایک لحاظ سے اپنے دشمن ہم خود بنے ہوئے ہیں، دشمن تو صرف ان فروعی اختلافات کو ہوا دیکر اپنا مقصد حاصل کر رہا ہے یہ خود اہل مسجد ہیں جنہوں نے مسجد سے اس کا مرکزی ومحوری کردار چھین لیا ہے! مسجد تو آج ہماری اپنی ہی وجہ سے محروم کردار ہے:

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری!

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا ذکرِ خیر آ گیا ہے تو زیرِ بحث موضوع کے متعلق ان کی بھی سن لیتے ہیں، ایک مسلمان مصلح اور مجدد کی حیثیت سے انہوں نے اسلامی معاشرہ کی بہتری اور بیداری کے لئے دین اسلام کے بہت سے تعمیری و اصلاحی پہلوؤں پر بات کی ہے، ان میں اسلامی معاشرہ کی تربیت اور اصلاح کے لئے مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، اپنی عملی زندگی میں بھی انہوں نے اس کردار کو، کبھی فراموش نہیں کیا، سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے یورپ میں قیام کے دوران میں بھی انہوں نے کبھی بھی نماز نہیں چھوڑی تھی بلکہ انہیں تو اندلس کی مسجد قرطبہ میں اذان دے کر نماز پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہے، حضرت علامہ کے نزدیک سجدۂ نماز جو دراصل توحید خداوندی کا عملی اقرار و اظہار ہے، ایک مسلمان کے کردار اور شخصیت کے نکھار میں مدد دیتا ہے، ان کے نزدیک ایک خدائے وحدہ لاشریک کے حضور میں یہ اقرار و اظہار توحید، آدمی کو فولادی عزم و ہمت کا مالک بنا دیتا ہے اور وہ غیر اللہ کے سامنے سرنگوں ہونے اور کچھ مانگنے سے بے نیاز و مستغنی ہو جاتا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدہ سے دیتا ہے آدمی کو نجات

علامہ محمد اقبالؒ کی یہ کوشش رہی، زبان و عمل سے وہ اس کا ثبوت بھی دیتے رہے کہ مسلمان اپنے اسلامی عقیدہ و عمل میں پختگی اور تازگی کے لئے یاد خدا کو اپنا معمول بنائے جس کی عملی صورت اور نہایت مؤثر و کارگر صورت ـــــ پانچ وقت کی نماز ہے کیونکہ دیگر بے شمار دنیاوی اور اخروی فوائد کے علاوہ یہ نماز انسان کو وقت کا پابند بناتی ہے اور وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلاتی ہے اسی لئے تو کتاب غالب و عزیز نے بھی ''کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا'' (وقت مقررہ پر نماز مسلمان پر فرض ہے!) فرمایا ہے۔

حضرت علامہؒ کی یہ آرزو تھی کہ مسلم نژادِ نو، اسلام سے وابستگی کو تازہ اور پختہ کرنے کے لئے مسجد کے مرکزی اور محوری کردار کو بحال کرے، ابھی آپ نے ان کے مشہور شعر پڑھے، اس مکمل شعر میں اقبالؒ یہ پیغام دے رہے ہیں کہ آج بھی مسلمان روح نماز کو زندہ و پائندہ اور تازہ و پختہ رکھنے کے لئے مسجد کے کردار کو بحال کردے، تو اس کے افکار بلند اور اعمال میں ایسی وسعت پیدا ہو سکتی ہے جو صحراؤں سے بھی زیادہ وسیع ہوگی، اپنی مشہور زمانہ دعاء میں فرماتے ہیں:

بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعتِ صحرا دے!

اقبالؒ کی دعوت الی المسجد بہت طویل، فکر انگیز مگر پردرد بھی ہے، جس کا احاطہ وقت مانگتا ہے اور مشقت بھی۔ حضرت علامہؒ کو گلہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام مسجد کے اس اہم، مرکزی اور محوری کردار پر پوری توجہ نہیں دے رہے اور مسلمان من حیث القوم بھی غفلت میں پڑ کر اس کردار کو بھول گئے ہیں، لیکن

اقبالؒ مایوسی اور نا امیدی کو مسلمان کے لیے کبیرہ گناہوں میں شمار کرتے تھے، وہ اپنی قوم کے ویران کھیتوں میں سے نئی پود اور نئی پنیری اُگتی، پھلتی پھولتی دیکھ رہے تھے، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو مخاطب کیا، ان کو امید تھی کہ ان ویران کھیتوں کی سیرابی کا سامان ہو جائے تو یہ زرخیز کھیت ہیں جو نئی پود اُگا سکتے ہیں، مسجد کے کردار کو واپس لانے کے لئے علمائے دین سے کوئی توقع رکھنے کے بجائے حضرت علامہؒ اسی نئی نسل اور نژادِ نو کو آگے لانا چاہتے تھے اور فرماتے تھے:

اے مسلمان! اپنے دل سے پوچھ ، ملاں سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم!

اُردو کی نسبت اقبال کا فارسی کلام فکر انگیز اور انقلاب آفرین کلام ہے، چنانچہ اقبال کا یہی فارسی کلام ہے جو ایران کے اسلامی انقلاب کی حقیقی قوت مانا گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی دین اکبری کے بگاڑے ہوئے اور ہندومت میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں کو ''مسلمانانِ ہندومزاج'' یعنی ہندوؤں میں گھل مل جانے والے مسلمان کہتے تھے یہ ہندومزاج مسلمان خود ہندو برہمن سے بھی زیادہ خطرناک اور اسلام کے لئے نقصان رساں ہیں۔ اقبالؒ کے نزدیک مسجد سے اس کا مرکزی اور محوری کردار چھیننے والے یہ ہندو مزاج مسلمان بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

در دیر نیازِ من، در کعبہ نمازِ من زنار بد وشم من، تسبیح بد ستم من!

یعنی میں ایک ایسا مسلمان ہوں جو بت خانے میں نیاز دیتا ہے، مسجد میں نماز پڑھتا ہے، کاندھے پر ہندووانہ زُنّار ہے اور ہاتھ میں تسبیح ہے (نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

کعبہ آباد است از اصنامِ ما خندہ زن کفر است بر اسلام ما!

یعنی ہم نے مسجدوں میں بت بھر رکھے ہیں اور ہمارے اسلام پر کفر طنزیہ ہنسی، ہنس رہا ہے!

جو مسجد اور جو منبر مسلمانوں کی وحدت، اخوت اور قوت کا سرچشمہ و سرمایہ تھے وہی آج لاشعوری طور پر ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں! ہماری اپنی نادانی اور بے تدبیری نے مسجد کو اس کے کردار سے محروم کر رکھا ہے! گویا بالواسطہ طور پر خود کو بھٹکانے والے ہم خود ہیں! اس انحراف کے زیادہ تر ذمہ دار مسلمان خود ہیں! دشمن تو ہم سب کی گردنیں کاٹنے کے لئے تلوار لئے سر پر کھڑا ہے، لیکن ہم خود ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں کوشاں ہیں گویا ہم اپنے دشمن کے معاون ہی نہیں اس کے سپاہی بنے ہوئے ہیں!

ہونا تو یوں چاہیئے تھا کہ انگریز کے منحوس قلم نے ہمارے نظامِ تعلیم کا جہاں سے رستہ کاٹا تھا، ہم وہیں سے اس سلسلے کو جوڑتے بلکہ اسے بہتر بناتے لیکن ہم آج بھی اسی طرح بھٹک رہے ہی جس طرح

ہمیں دشمن نے بھٹکایا تھا! نہ ہم اپنا نظام تعلیم واپس لا سکے ہیں نہ اپنا نصابِ تعلیم تلاش کر سکے ہیں! جس طرح نظام تعلیم نے ہمیں ٹکڑیوں میں بانٹ رکھا ہے اور ہم متعدد اور باہم متصادم نظاموں میں بٹے ہوئے ہیں اور یکساں نظام تعلیم لانے سے عاجز بنے ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارا نصابِ تعلیم بھی فرسودہ اور گمشدہ ہے! نہ ہم اسے ڈھونڈنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور نہ اس میں کسی جدت یا اصلاح کے لئے آمادہ ہیں! مسجد سے وابستہ نظام و نصاب ہی ہماری عزت و بقا کی ضمانت ہو سکتا ہے، ہمیں اسی نظام و نصاب کے گم گشتہ ٹکڑے تلاش کر کے انہیں بہتر بنانا ہے بلکہ مسجد سے باہر اور مسجد سے بیزار نظام و نصاب کو بھی مسجد کے دائرہ میں لا کر پوری امت کے لئے یکساں نظام و نصاب لانا ہے! تبھی مسجد اپنا مرکزی و محوری کردار ادا کر سکتی ہے جو اس کا مقدر بھی ہے اور اس کے لئے مقرر بھی تھا!

ہماری ساٹھ فی صد آبادی تعلیم سے محروم ہے، اگر گاؤں اور محلے کی ہر مسجد کا تاریخی کردار بحال کر دیا جائے تو بہت جلد ہم اپنی خواندگی کو سو فی صد تک لا سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ مسجد کی تحقیر اور تعصب کی عینک اتار دی جائے، ضد کے بجائے فراخدلی سے کام لیا جائے۔ اگر نیت اور ارادہ نیکی اور اخلاص سے متصف ہو جائے! کوئی بستی یا کوئی محلہ ایک (یا زیادہ) مسجد سے محروم نہیں ہونا چاہیئے، عوام اور حکومت کو باہمی تعاون سے یہ نیک کام انجام دینا چاہیئے، مسجد کا کوئی امام گریجویشن سے کم نہ ہو اور کوئی خطیب ایم اے سے کم نہ ہو، مساجد کے لئے حکومت کو گریڈ سترہ کا خطیب مہیا کرنا چاہیئے جس کی نگرانی میں یہ مسجد سے ملحق سکول کا کام کروا سکیں، کم سے کم چار سالہ پرائمری تعلیم بچوں اور بچیوں کی ایک ساتھ ہو سکتی ہے، اس پرائمری تعلیم کا ذریعہ ہر جگہ بچے کی اپنی زبان ہونی چاہیئے البتہ اُردو اور قرآن کی تعلیم لازمی ہونی چاہیئے، مسجد سکولوں میں تعلیم دینے والوں کے لئے مسلکی بیماری پھیلانے کی ممانعت ہونا چاہیئے اور اس بات کی بھی ممانعت ہو کہ اگر کسی مسلک کے لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہے تو اس کا کردار بھی وہی رہے اور اسے تبدیل کرنے کی کوشش کی بھی سخت ممانعت ہو، توجہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق پر مرکوز رہے، اختلاف و افتراق کی بات بھی نہ کی جائے، ان تمام باتوں کی نگرانی اور ان کی پابندی کروانے کا تمام کام خطیب مسجد کے سپرد ہونا چاہیئے، مسجد کے ملحقات میں کلاس روم کے علاوہ ڈسپنسری اور دیگر فلاحی کاموں کے لئے بھی کمرے مہیا کئے جائیں۔

اس طرح ہماری مساجد اپنا مطلوبہ تاریخی کردار ادا کرنے کے علاوہ ملک سے جہالت اور ناخواندگی ختم کرنے میں بھی بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں! مگر یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اصل مسجد کو ہر صورت میں صرف عبادت، ذکر اللہ اور تلاوت کے لئے ہی محدود رکھا جائے، تعلیم و تدریس کا کام مسجد کے کناروں اور اطراف تک محدود رکھا جائے تا کہ مساجد کی نظافت و طہارت پر کوئی حرف نہ آئے!

حقوق العباد۔۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

☆ علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی

حقوق، حق کی جمع ہے اور حق کے کئی معانی ہیں۔ کسی بات کا صحیح اور ثابت ہونا کہا جاتا ہے۔ ''حق الامر'' بات ثابت ہوگئی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین (۱)

''اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر یہ بات ثابت ہو جائے۔''

لفظ حق، باطل کے خلاف بھی بولا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیحق الحق ویبطل الباطل. (۲) ''سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا۔''

حق، اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فذلکم اللہ ربکم الحق (۳)''تو یہ اللہ ہے، تمہارا سچا ربّ۔''

حق، نصیب اور حصے کو بھی کہتے ہیں جو کسی فرد یا جماعت کے لئے واجب ہو

وات ذالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل (۴)

''اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔''

اصطلاحی اعتبار سے حق کی تعریف یوں کی گئی ہے:

الثابت الذی لا یسوغ انکارہ (۵)

''وہ ثابت چیز جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔'' (یعنی اس کے انکار کی گنجائش نہ ہو)

البحر الرائق میں ایک اور تعریف ذکر کی گئی ہے، وہ یوں ہے:

والحق عند العلماء ما یستحقہ الرجل. (۶)

علماء کے نزدیک حق وہ چیز ہے جس کا کوئی شخص مستحق ہو۔

درحقیقت دونوں تعریفوں میں کوئی خاص فرق نہیں کیونکہ کوئی شخص جس چیز کا مستحق ہوتا ہے وہ اس کے لئے قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

☆۔ شیخ الحدیث، جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء اوقاف، دربار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور۔

حقوق کی بنیادی اقسام:

بنیادی طور پر حقوق کی درج ذیل دو قسمیں ہیں:

۱۔ حقوق اللہ ۲۔ حقوق العباد

حقوق اللہ وہ حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہم پر واجب ہیں اور حقوق العباد سے مراد وہ حقوق ہیں جو بندوں کے لئے ایک دوسرے پر واجب ہیں۔ بلکہ جانوروں کے حقوق بھی انسان پر واجب ہیں مثلاً انسان جانور سے مختلف انداز میں فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس سے دودھ حاصل کرتا ہے۔ اسے بار برداری کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے گوشت حاصل کرنے کے لئے پالتا ہے تو اس اعتبار سے جانور کا چارہ، اس سے طاقت سے زیادہ خدمت نہ لینا وغیرہ وہ حقوق ہیں جو جانوروں کے لئے بندوں پر واجب ہیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں امتیاز کی نوعیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

وحقوق الله مالا يدخل فيها للصلح كالحدود والزكوٰة والكفارات وغيرها.

''اللہ تعالیٰ کے حقوق وہ ہیں جن میں صلح کا دخل نہیں جیسے حدود زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ۔''

وحقوق العباد : هى اللتى تقبل الصلح والاسقاط والمعاوضة عليها

''بندوں کے حقوق وہ ہیں جو صلح، ساقط کرنے اور معاوضہ کو قبول کرتے ہیں۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

الحق هو الفعل فحق الله تعالیٰ هو امره ونهيه الذى هو، عين عبادة الله

''حق عمل کا نام ہے، پس اللہ تعالیٰ کا حق اس کا امر اور نہی ہے اور یہ عین عبادتِ خداوندی ہے۔''(۷)

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ایک فرق حدیث پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے حقوق چاہے تو بخش دے سوائے شرک کے، لیکن بندہ جب تک اپنا حق معاف نہ کرے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الدواوين ثلثة ديوان لا يغفر الله الاشرات بالله يقول الله عزو جل: ان الله لا يغفران يشرك به وديوان لا يتركه الله الظلم العباد فيما بينهم متى يقص لبعضهم من بعض و ديوان لا احباء الله به ظلم عباد فيما بينهم و بين الله فذاك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه. (۸)

"نامہ ہائے اعمال تین ہیں ایک نامہ اعمال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔
دوسری قسم کا نامہ اعمال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور وہ بندوں کے باہمی مظالم ہیں حتیٰ کہ بعض کا بدلہ بعض سے لے گا اور (تیسرا) نامہ اعمال وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرے گا وہ بندوں کے وہ گناہ ہیں جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو درگزر فرمائے۔"

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا کہ شرک کی معافی نہیں جب تک کہ مشرک مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی معاف بھی کی جاسکتی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے لیکن اگر کسی بندے کا حق مارا ہے یا اس پر ظلم کیا ہے تو جب تک بندہ معاف نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔

اس حدیث سے جہاں حقوق العباد کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا مالک ہے وہ بھی حقوق العباد کو معاف نہیں فرماتا جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے جب کہ وہ اپنے حقوق چاہے تو معاف کردے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں یہ فرق بھی ہے۔

عقل کی کسوٹی پر:

حقوق اللہ کا وجود اس بنیاد پر ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا وہی ہمیں رزق، صحت اور دیگر نعمتوں سے نوازتا ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس نے پیدا کیا اس کی عبادت کی جائے یہ اس کا حق ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا، ارشادِ خدوندی ہے۔

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون .(۹)

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ اس امید پر کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ہے اور یہی عبادت ہے اور اس آیت کریمہ میں عبادت اور تخلیق کو اس طرح ملایا گیا کہ تخلیق انسانی اور دیگر انعامات جن کا دیگر آیات میں ذکر ہے، حقوق اللہ کی ادائیگی کا سبب بنتے ہیں۔

حقوق العباد پر غور کیا جائے تو یہاں بھی عقل، ان شرعی احکام کی تائید کرتی ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہیں کیونکہ انسان معاشرتی زندگی گزارتا ہے اور ان کے درمیان مختلف حوالوں سے باہمی تعلقات قائم ہیں۔ انسانیت، دین، نسب، محلہ داری وغیرہ وغیرہ۔

ایک مثال ہدیۂ قارئین ہے جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس نے جو مال بطور ترکہ چھوڑا وہ لازماً کسی کی ملکیت میں جاتا ہے۔ اب عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص یا اشخاص کو اس سے زیادہ قرب حاصل ہوگا وہی اس مال کا مالک ہوگا اگر کوئی دوسرا شخص اس پر قبضہ کرے تو وہ حقوق العباد پر ڈاکہ زنی کر رہا ہے۔

دورِ جاہلیت اور حقوق العباد:

دورِ جاہلیت میں حقوق العباد کی ادائیگی ناپید تھی۔ عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا اور وہ لوگ جن کا اس میراث میں کوئی حصہ نہ ہوتا،۔ یا وہ ثانوی حیثیت کے مالک ہوتے، تمام ترکہ پر قبضہ کر لیتے اور اصل وارثوں بالخصوص یتیم بچیوں کو محروم کر دیتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت، ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے جب اسواف (حرم مدینہ کا نام ہے) میں ایک خاتون کے ہاں پہنچے تو وہ اپنی دو بیٹیوں کو لے آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں ہیں جو آپ کے ساتھ جنگ احد میں (شریک ہو کر) شہید ہو گئے اور ان بچیوں کے چچا نے ان کے تمام مال اور تمام وراثت پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لئے کوئی مال نہیں چھوڑا اور سب نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اللہ کی قسم ان کا نکاح کبھی نہیں ہوگا مگر یہ کہ ان کے پاس مال ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔

پھر سورۂ نساء نازل ہوئی جس میں "یوصیکم اللہ فی اولادکم" ہے (یعنی میراث کا حکم بتایا گیا) تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس عورت اور اس کے صاحب (مدعی علیہ یعنی) ان بچیوں کے چچا کو بلاؤ پھر آپ نے فرمایا ان بچیوں کو (کل مال کا) دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو باقی تم لے لو۔ (۱۰)

ہم نے بطور مثال ایک واقعہ پیش کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں حقوق العباد کی پامالی ہوتی تھی، غیر حق دار، حق دار بن جاتا اور حق دار کو حق سے محروم کر دیا جاتا۔ لیکن رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے اپنے عمل اور تعلیمات کے ذریعے حقوق اللہ کی طرح حقوق العباد کو بھی تحفظ عطا فرمایا۔

حقوق العباد کی تلفی اور اس کی سزا:

جس طرح کسی شخص کا حق ادا نہ کرنا حقوق العباد کی تلفی ہے۔اسی طرح کسی کے مال یا حق کو چھین لینا بھی حقوق العباد پر ڈاکہ زنی ہے۔ اگر دُنیا میں حق دار کا حق اسے نہ دیا گیا یا اسے واپس نہ کیا گیا تو قیامت کے دن سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں درج ذیل حدیث ہمارے دلوں کے دریچے کھولنے اور ہمارے قلوب واذہان کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلوة وصیام و زکوٰة و یاتی قدشتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فیعطیٰ هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضیٰ ما علیه اُخذمن خطایا هم فطرحت علیه تم طرح فی النار. (۱۱)

”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہو،کوئی سامان نہ ہو۔رسول اکرم صلی اللہ علیہوسلم نے فرمایا۔میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ (کے عمل) کے ساتھ آئے گا اور وہ یوں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر الزام لگایا ہوگا کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس اس (مظلوم) کو اس کی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں دی جائیں گی اور دوسرے کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی (حتیٰ کہ) اگر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان لوگوں (ارباب حقوق) کی خطاؤں میں سے لے کر اس پر ڈالی جائیں گی پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

لتؤدن الحقوق الی اهلها یوم القیامة حتی یقاد للشاة الجلجاً من الشاة القرباء۔(۱۲)

”قیامت کے دن تم سے (لوگوں کے) حقوق لازم وصول کئے جائیں گے۔حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری کا بدلہ بھی لیا جائے گا۔“

ان دونوں احادیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ حقوق العباد کی ادائیگی نہ کرنے والے قیامت کے دن سخت مشکل میں ہوں گے۔ حتیٰ کہ اپنی عبادت کے ثواب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ بلکہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے پر مجبور ہوں گے وہاں اس بات کا بھی علم ہوا کہ جس طرح کسی کا مال ہڑپ کرنا حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے، کسی کی توہین کرنا اُسے گالی دینا مارنا پیٹنا اوراس کا خون بہانا بھی حقوق العباد کی تلفی ہے۔

حقوق العباد کی مختلف صورتیں:

قرآن وسنت کی روشنی میں حقوق العباد کی جو تفصیل سامنے آتی ہے۔اس کے مطابق کچھ حقوق وہ ہیں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ رشتہ دار ہیں یا نہیں۔ کچھ وہ حقوق ہیں جن کا تعلق صلہ رحمی سے ہے۔اس میں مسلمان اور کافر کی تفریق و امتیاز نہیں۔

بعض حقوق وہ ہیں جو مکانی قرب یعنی پڑوسی ہونے کے حوالے سے ہیں اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں البتہ درجہ بندی کے حوالے سے فرق پایا جاتا ہے۔ جسے ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

مسلمانوں کے درمیان عمومی حقوق کے ساتھ جب رُوحانی یا علمی یا بزرگی (عمر رسیدہ ہونا) کا عنصر شامل ہوتا ہے تو حقوق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً استاذ، مرشد اور معاشرے کے عمر رسیدہ افراد کے حقوق عام مسلمانوں کے مقابلے میں بڑھ جاتے ہیں۔ پھر ایک اور اعتبار سے حقوق کی تقسیم واجب اور مستحب کی شکل میں ہوتی ہے یعنی بعض حقوق واجب اور کچھ مستحب کے زمرے میں آتے ہیں۔ مثلاً وراثت، عمل کا معاوضہ، اولاد کی تربیت و پرورش، مظلوم کی دادرسی وغیرہ واجب حقوق میں سے ہیں۔ کسی کو سلام کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا وغیرہ مستحب درجہ میں آتے ہیں۔علاوہ ازیں کچھ حقوق ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے اور کچھ حقوق افراد و معاشرہ کے مابین ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے عمومی حقوق:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا گیا کہ مسلمانوں کے درمیان کچھ حقوق ایسے ہیں۔ جن کی بنیاد محض اسلامی اخوت ہے کوئی دوسرا سبب نہیں اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہماری راہنمائی کرتی ہے:

عن ابی هریرۃؓ قال: قال رسول الله ﷺ المومن علی المومن ست خصال یعوده اذا مرض ویشهده اذا مات ویجیبه ادا دعاه ویسلم

علیه اذا لقیه ویشمته اذا عطس وینصح له اذا غاب او تشهد . (۱۳)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مومن کے (دوسرے) مومن کے ذمہ چھ حقوق ہیں: جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے پاس حاضر ہو، جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے۔ جب اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرے، جب اسے چھینک آئے تو یرحمك الله (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کہے اور اس کی خیر خواہی کرے اس کی پیٹھ پیچھے ہو یا سامنے۔''

رسول اکرم ﷺ جہاں ان حقوق کی ادائیگی کا دوسروں کو حکم دیتے تھے وہاں خود بھی عمل پیرا ہوتے تھے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے خصائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہ کان یعود المریض ویتبع الجنازہ ویجیب دعوۃ المملوک ویرکب الحمار لقد رایتہ یوم خیبر علی حمار خطامہ لیف. (۱۴)

نبی اکرم ﷺ مریض کی عیادت فرماتے ، جنازے میں شریک ہوتے ، غلام کی دعوت قبول فرماتے اور دراز گوش پر سوار ہوتے ۔(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مَیں نے (غزوۂ) خیبر کے دن آپ ﷺ کو دراز گوش پر سوار دیکھا جس کی لگام کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی۔

عام طور پر بڑے لوگوں کی دعوت قبول کی جاتی ہے اور پسماندہ ، نادار اور معاشرتی اعتبار سے جن لوگوں کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے ، ایسے لوگوں کو نظرانداز کیا جاتا ہے لیکن رسول اکرم ﷺ غلاموں کی دعوت بھی قبول فرماتے تھے۔ جس طرح اس حدیث میں بیان ہوا آپ نے اپنے اس عمل سے واضح فرمایا کہ اگر کوئی کمزور شخص تمہیں دعوت دے تو اس کا بھی حق ہے کہ تم اس کی دعوت قبول کرو۔

نبی اکرم ﷺ بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کی عیادت کے ساتھ ساتھ اس کے لئے دعا بھی فرماتے ۔ بلکہ بعض اوقات علاج کے سلسلے میں کسی رُوحانی علاج کا مشورہ بھی دیتے کہ فلاں آیت پڑھ کر دم کر دیں۔ چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو آپ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ۔تو یوں دعا فرمائی:''اکشف الباس رب الناس ''(اے لوگوں کے ربّ اس تکلیف کو دُور فرما دے)۔(۱۵)

حضرت سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بخار ہوا، حضور ﷺ کو خبر پہنچی تو فرمایا: ابو ثابت (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ ان کو دم کریں۔ (۱۶)

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے باہمی حقوق پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ اور اپنے اس مضمون کو احادیث مبارک کے حوالوں سے مزین فرمایا ہے۔ ہم تفصیل میں جائے بغیر ان حقوق کی فہرست ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہے۔ آپ نے چھبیس حقوق ذکر کئے جو ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کے ذمے ہیں:

۱۔ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے۔

۲۔ اپنے کسی قول و فعل کے ذریعے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچائے۔

۳۔ مسلمان کے ساتھ تواضع سے پیش آئے تکبر نہ کرے۔

۴۔ کسی مسلمان کی کوئی بات دوسروں تک نہ پہنچائے اور نہ ہی اس کے بارے میں دوسرے سے سنے۔ (یعنی چغل خوری نہ کرے، نہ سنے)

۵۔ کسی مسلمان سے ناراضگی ہو جائے تو تین دن سے زیادہ اسے نہ چھوڑے۔

۶۔ مسلمان سے کسی امتیاز کے بغیر اچھا سلوک کرے۔

۷۔ کسی کے گھر میں اس کے اجازت کے بغیر نہ جائے۔

۸۔ ہر مسلمان سے اچھے اخلاق سے پیش آئے اور ہر ایک سے اس کے طریقے اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے گفتگو کرے۔

۹۔ بزرگوں کا ادب اور بچوں پر شفقت کا طریقہ اختیار کرے۔

۱۰۔ تمام لوگوں کے ساتھ نرم مزاجی کے ساتھ پیش آئے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملاقات کرے۔

۱۱۔ مسلمانوں سے جو وعدہ کرے اسے پورا کرے۔

۱۲۔ لوگوں سے انصاف کرے اور جو خود لینا نہیں چاہتا وہ دوسروں کو نہ دے۔

۱۳۔ جس شخص کے لباس اور شکل و صورت سے اس کا بلند مرتبہ ہونا معلوم ہو، اس کے ساتھ اس کے مطابق سلوک کرے۔ (عام لوگوں جیسا نہیں)

۱۴۔ اگر ممکن ہو تو مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے۔

۱۵۔ مسلمانوں کے عیب چھپائے پردہ پوشی کرے (البتہ ایسا عیب جس کے چھپانے سے لوگوں کو نقصان ہو، اسے ظاہر کرنا ضروری ہے مثلاً چوری کرنا)

۱۶۔ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی اور تہمت سے بچے۔

۱۷۔ حاجت مند شخص کے لئے اس شخص کے ہاں سفارش کرنا جو اس کی عزت کرتا ہے (اور اس کی سفارش کو قبول کرتا ہے)۔

۱۸۔ کسی مسلمان سے گفتگو کرنے سے پہلے اسے سلام کرے اور اس کے ساتھ مصافحہ کرے۔

۱۹۔ جس قدر ممکن ہو دوسرے مسلمان کی عزت جان اور مال کو دوسروں کے ظلم سے بچائے۔

۲۰۔ چھینک کا جواب "یرحمک اللہ" کہہ کر دے۔

۲۱۔ جب کسی شریر آدمی سے واسطہ پڑے تو اچھے اخلاق سے پیش آئے تا کہ اس پر اس کا اثر ہو اور وہ اچھے راستے پر آ جائے۔

۲۲۔ مالدار لوگوں کے ساتھ میل جول سے پرہیز کرے اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۲۳۔ ہر مسلمان کے لئے بھلائی کی خواہش رکھے، جسے خیر اہی کہا جاتا ہے۔

۲۴۔ بیمار مسلمانوں کی بیمار پرسی کرے۔

۲۵۔ مسلمان میت کے جنازے کے ساتھ جائے۔

۲۶۔ مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر ان کے لئے دعا کرے۔(۱۷)

ان حقوق میں سے ہر ایک حق کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث بطور حوالہ پیش کی گئی ہیں۔ اہل ذوق "احیاء العلوم" کا مطالعہ کر کے قلبی تسکین اور راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

خصوصی حقوق:

خصوصی حقوق سے مراد یہ ہے کہ ان کا حقوق کا اسلامی اخوف کے علاوہ کوئی سبب ہو مثلاً قرابت داری جس کی بنیاد پر صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا گیا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ قریش کے عہدو پیان (صلح حدیبیہ) کے زمانے میں میری ماں حاضر ہوئی اور وہ مشرکہ تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے بے رغبت ہے، کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں تم اس سے صلہ رحمی کرو۔(۱۸)

چونکہ یہ ماں بیٹی کا رشتہ تھا جو نہایت قریبی رشتہ ہوتا ہے تو رسول اکرم ﷺ نے غیر مسلم ماں کے ساتھ مسلمان بیٹی کو صلہ رحمی کی اجازت مرحمت فرمائی۔

وفی الحدیث دلیل علی وجوب نفقة الاب والام الکافرین علی الولدالمسلم وان الاحسان الی الکافر جائز۔(۱۹)

اس حدیث شریف میں اس بات پر دلیل ہے کہ کافر باپ اور ماں کا نفقہ مسلمان اولاد پر واجب

ہے اور کافر پر احسان کرنا جائز ہے۔ بلکہ خود رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے حوالے سے ارشاد فرمایا:

ان آل ابی فلاں یسوالی باولیاء انما ولیی اللہ وصالح المومنین لکن لها رحم أبلها ببلالها۔(۲۰)

''ابو فلاں کی آل میری دوست نہیں، میرا دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک مومن ہیں لیکن ان لوگوں کے لئے صلہ رحمی ہے، مَیں اسے اس کے ساتھ تر رکھوں گا۔''

رسول اکرم ﷺ نے واضح فرمایا کہ مَیں اپنے رشتہ داروں سے قرابت کی وجہ سے صلہ رحمی کروں گا لیکن ان سے دوستی اور محبت نہیں ہوگی کیونکہ وہ غیر مسلم ہیں دوستی صرف اللہ تعالیٰ اور نیکوکار ایمان والوں سے ہوگی۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب غیر مسلم قرابتداروں کا حق ہے کہ ان سے حسن سلوک کیا جائے۔تو مسلمان رشتہ دار اس کے زیادہ حق دار ہیں اور ان سے صلہ رحمی کرنا بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔صلہ رحمی کے سلسلے میں چند رشتے زیادہ اہم ہیں مثلاً ماں باپ اور اولاد کے درمیان رشتہ، ولادت اور میاں بیوی کے درمیان رشتہ زوجیت، اور بہن بھائیوں کے درمیان رشتۂ اخوت۔

ماں باپ کا حق:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

برامک واباک واختک واخاک ثم ادناک فادناک(۲۱)

''اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن اور اپنے بھائی سے نیکی کا برتاؤ کرو، پھر اس سے جو قریب ترین ہو، پھر ترتیب وار قرابت داروں سے حسن سلوک کرو۔''

اس حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے ماں باپ کے ساتھ ساتھ بہن بھائیوں اور دیگر قرابتداروں کے حسن سلوک کا حکم فرما کر ان کے حقوق کو تحفظ دیا۔

اولاد کے حقوق:

اولاد کے حقوق میں کئی باتیں شامل ہیں مثلاً بچوں کو نیک ماں مہیا کرنا یعنی نیک خاتون سے شادی کرنا، ان کے اچھے نام رکھنا، ان کی تربیت کرنا اور بلوغت تک ان کی کفالت کرنا۔

ان تمام امور سے متعلق رسول اکرم ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ اور سیرت طیبہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کی کھجور اُٹھا کر منہ میں ڈالی تو رسول اکرم ﷺ نے فوراً ان کے دہن مبارک سے نکال دی اور فرمایا کہ ہم اہل بیت کے لئے صدقہ

حلال نہیں ہے اور آپ نے اولاد کے لئے بہترین عطیہ ان کی تربیت کو قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"والد پر یہ بات اولاد کے حقوق میں سے ہے کہ اس کو اچھی طرح ادب سکھائے
اور اس کا اچھا نام رکھے۔" (۲۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رحم اللہ والدا اعان ولدہ علی برہ. (۲۳)

"اللہ تعالیٰ اس والد پر رحم فرمائے جو اپنی اولاد کے نیک کام پر اس کی مدد کرتا ہے۔"

میاں بیوی کے حقوق:

خاوند تو مختار ہوتا ہے عورت ایک اعتبار سے خاوند کے رحم وکرم پر ہوتی ہے اور عام طور پر اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا اس لئے رسول اکرم ﷺ نے عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی طرف زیادہ توجہ دلائی۔ آج کے دَور میں اگرچہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن ملازمین ان غلاموں کی طرح ہیں اور ان کے بھی حقوق ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے لفظ "حقوق" ارشاد فرما کر بیوی کے حقوق کی طرف متوجہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا عبداللہ الم اخبر انک تصوم النہار وتقوم اللیل قلت بلیٰ یا رسول اللہ ! قال فلا تفعل صم وافطر وقم ونم فان لجسدک علیک حقا وان لروحک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا۔ (۲۴)

بیوی کے مہر کے علاوہ اس کا لباس کھانا اور رہائش عورت کے حقوق میں سے ہیں، علاوہ ازیں حسن معاشرت بھی عورت کا حق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی . (۲۵)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اہل کے ساتھ اچھے ہیں اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرتا ہوں۔ بیوی پر خاوند کے حقوق ہیں قرآن مجید کی اس آیت میں دونوں کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق کا تذکرہ ہے ارشادِ خداوندی ہے:

ولھن مثل الذی علیھن۔ (۲۶)

"اور ان عورتوں کے لئے اس کی مثل ہے جو ان کے ذمہ ہے۔" (لام حق کے لئے
اور علی فرض کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔)

اس آیت سے واضح ہوا کہ خاوند کے ذمہ عورت کے اور عورت کے ذمہ خاوند کے حقوق ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ان حقوق میں سے اہم ترین حق کی طرف توجہ دلائی گئی۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والمرأة راعية على بيت زوجها وولده (۲۷)

''اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔''

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: **وکلکم مسئول عن رعیته** اور ہر ایک سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یعنی وہ جس کا ذمہ دار ہے لہٰذا خاوند کا حق ہے کہ عورت اس کے گھر اور گھر میں موجود مال و متاع نیز اولاد کی تربیت اور دیگر امور کی ذمہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يحل للمرأة ان تصوم وزوجها شاهد الا باذنه ولا تاذن فى بيته الا باذنه. (۲۸)

''کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ (نفلی) روزہ رکھے جب کے اس کا خاوند موجود ہو نہ کہ اس کی اجازت سے (رکھ سکتی ہے)۔''

اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔

اگر فرض روزے میں خاوند رکاوٹ بنتا ہے تو اسے اس کی اجازت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنے کی اجازت نہیں لیکن نفلی روزے کے لئے خاوند کی اجازت ضروری قرار دی۔ کیونکہ عورت کا قرب مرد کا حق ہے اور یہ روزہ اس میں رکاوٹ بنتا ہے البتہ وہ خود اپنا حق چھوڑنا چاہے اور اجازت دے تو اسے اختیار ہے۔ (تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے)

قربِ مکانی کے اعتبار سے حقوق: (پڑوسی کے حقوق)

ماں باپ، اولاد، بہن بھائی اور میاں بیوی کے درمیان نسبی یا مصاہرتی (سسرالی) قربت ہے جس میں خوش دامن اور سسر بھی شامل ہیں۔ پھر اس میں رضاعت کی وجہ سے قربت بھی آ جاتی ہے۔ لیکن ایک قربتِ مکانی ہے یعنی پڑوسیوں کے بھی حقوق ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی تعلیماتِ مبارکہ، جو وحی پر مبنی ہیں نہایت تاکید کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق کو بیان کرتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اول خصمين يوم القيامته جازن. (۲۹)

''قیامت کے دن سب سے پہلے باہم جھگڑنے والے دو پڑوسی ہوں گے۔''

(یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی کا کسی کے ذمہ حق نہ ہو تو جھگڑا نہیں ہو سکتا)۔

پڑوسی کے حقوق کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا

تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟۔۔۔پھر فرمایا: اگر وہ تم سے مدد مانگے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو اسے قرض دو، اگر حاجت مند ہو تو اس کی حاجت کو پورا کرو، بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرو، اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر اسے کوئی اچھی بات پہنچے تو مبارک باد دو، اگر اسے مصیبت پہنچے تو اس کی غمخواری کرو، اپنے مکان کو اس کے مکان سے بلند نہ کرو اس طرح اس تک ہوا نہیں پہنچے گی البتہ اس کی اجازت سے کر سکتے ہو لیکن اسے اذیت نہ پہنچاؤ، اگر پھل خریدو تو اسے تحفہ بھیجو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو وہ پھل (گھر میں) پوشیدہ طریقے پر لاؤ اور تمہارا بچہ وہ پھل لے کر باہر نہ جائے کہ اس سے اس کے بچے کو رنج پہنچے گا، اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دو، البتہ یہ کہ اسے بھی چلو بھر دے دو۔ پھر فرمایا کیا جانتے ہو پڑوسی کا حق کیا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، پڑوسی کا حق وہی شخص پورا کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (۳۰)

پڑوسی کی اقسام:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الجیران ثلا ثہ جارلہ حق واحد وجارلہ حقان وجارلہ ثلا ثہ فالجار الذی لہ ثلا ثہ حقوق الجار المسلم ذوالرحم فلہ حق الجوار وحق الاسلام وحق الرحم واما الذی لہ حقان فالجار المسلم لہ حق الجوار و حق الاسلام واما الذی لہ حق واحد فالجار المشرک ۔(۳۱)

"پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک وہ پڑوسی ہے جس کے لئے ایک حق ہے۔ ایک وہ پڑوسی ہے جس کے لئے دو حق ہیں اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے لئے تین حقوق ہیں۔ جس پڑوسی کے تین حقوق ہیں وہ مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے۔ اس کے لئے پڑوسی ہونے کا حق اسلام کا حق، اور رشتہ داری کا حق ہے اور جس کے لئے دو حق ہیں، وہ مسلمان پڑوسی ہے جس کے لئے پڑوسی ہونے اور اسلام کا حق ہے اور جس کے لئے ایک حق ہے وہ مشرک پڑوسی ہے۔

حقوق العباد کے حوالے سے قرآن وسنت کی روشنی میں چند امور کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا جن میں واجب حقوق بھی ہیں اور مستحب حقوق بھی۔ ان حقوق کی بنیاد اسلام بھی ہے، صلہ رحمی بھی اور قرب مکانی بھی۔

مراجع

۱۔ سورہ یٰسین: ۷۰ ۲۔ سورہ انفال: ۸
۳۔ سورہ یونس: ۳۲ ۴۔ سورہ بنی اسرائیل: ۳۶
۵۔ التعریفات، للجرجانی بحوالہ الموسوعہ الاسلامیہ العامہ اوقاف وزارت قاہرہ، ص ۵۵۳
۶۔ البحر الرقائق، ۱۴۸/۷
۷۔ تھذیب الفروق والقواعد السنیہ فی الاسرار الفقھی، ۱۰۴۱ بحوالہ الموسوعہ (مذکورہ بالا)، ص ۵۵۳
۸۔ مشکوۃ المصابیح، باب الظلم، مکتبہ امدادیہ ملتان، ص ۴۳۵
۹۔ سورۃ بقرہ، ۲۱:
۱۰۔ سنن ابی داؤ، باب من کان لیس له ولد ولاله اخوات، ۵۲/۲)
۱۱۔ مشکوۃ المصابیح، باب الظلم، ص ۴۳۵ ۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب باب السلام ص ۷۹۳
۱۴۔ مشکوۃ المصابیح، باب فی اخلاقه و شمائله ﷺ، ص ۸۱۹
۱۵۔ سنن ابی داؤد کتاب الطب، جلد ۲، ص ۱۷۶ ۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ امام غزالیؒ، احیاء العلوم الدین، اردو ترجمہ: مصباح السالکین از محمد صدیق ہزاروی) جلد ۲، ص ۴۴۷ تا ۴۹۰
۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، جلد اول، ص ۴۵۳،
۱۹۔ حاشیه لمعات بر مشکوۃ المصابیح، ص ۴۱۹
۲۰۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب البر والصله، ص ۴۱۹
۲۱۔ المستدرک للحاکم باب البر والصلة، جلد ۴، ص ۱۰
۲۲۔ کنز العمال، جلد ۱۶، حدیث ۴۵۴۳۶، ص ۴۶۱
۲۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص ۵۳۷، حدیث ۶۔۹
۲۴۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح با لزوجک علیک حق، جلد ۲، ص ۷۸۳
۲۵۔ مشکوۃ المصابیح، باب عشرة النساء، ص ۲۸۰ ۲۶۔ سورۃ بقرہ: ۲۲۸
۲۷۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارة، ص ۳۲۰
۲۸۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح باب لا تاذن المرأة فی بیت زوجها الا باذنِه، جلد ۲، ص ۷۸۲
۲۹۔ احیاء العلوم الدین، اردو ترجمہ محمد صدیق ہزاروی، جلد ۲، ص ۴۹۲
۳۰۔ کنز العمال، جلد ۹ ص ۵۸، حدیث ۲۴۹۳۵
۳۱۔ حلیة الاولیاء، بحوالہ احیاء العلوم (اردو)، جلد ۲، ص ۴۹۱

تہذیب وثقافت کا ارتقاء اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

☆پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے زیرِ اثر نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں تہذیبِ انسانی نے ارتقاء وترقی کا عظیم الشان سفر طے کیا اور اسے فلاح و بقاء کی راہ پر گامزن کیا۔ اس مقالہ میں یہ بات واضح کی جائے گی کہ نبی کریم ﷺ کا دیا ہوا نظامِ اخلاق و معاشرت، اس کے تصورِ علم اور مسلمانوں کی علمی و سائنسی خدمات نے تہذیبِ انسانی کے ارتقاء میں بہت بڑا کردار ادا کیا اور ماضی میں اس کردار کے شواہد پیش کیے جائیں گے۔

سیرتِ طیبہ کے زیرِ سایہ تہذیبِ انسانی کے سفر میں سب سے پہلے انسانی فکر اور اندازِ فکر کی اصلاح کی گئی۔ انسان کے افکار ونظریات ہی روشنی کا وہ پہلا مینارہ ہیں، جو اسے صحیح راہ پر چلاتے ہیں۔ اگر افکار ونظریات درست نہ ہوں، تو انسان آگے بڑھنے کی بجائے غلط راہ پر چل نکلتا ہے جو اسے اس کی منزلِ مقصود سے دور لے جانے کا سبب بنتا ہے اور بعض اوقات وہ ایسے بھنور میں پھنس جاتا ہے کہ انسان کی زندگی اور اس کی تمام صلاحیتیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔

اسلامی تہذیب کی آبیاری وارتقاء:

قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ، روشنی کے دو مینار ہیں۔ قرآن مجید نے اعلان کردیا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ۔(۱)

''بے شک قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راستوں سے زیادہ مضبوط اور سیدھا ہے''۔

قرآن نے اپنے آپ کو ''هدی للناس ''یعنی تمام انسانوں کے لئے ہدایت قرار دیا۔ قرآن کی ہدایت کا دائرہ رہتی دنیا تک پھیلا ہوا ہے کیونکہ اس کے بعد قیامت تک کوئی کتاب نازل نہیں ہونی قرآن ہی کو بصائر، موعظۃ، ذکرِ رحمت، بشارت اور نور قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۲۳ میں فرمایا:
''یہ اللہ کہ ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے قرآن کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، اس پر عمل نہ کرنے

☆۔ڈین آف فیکلٹی وچیئر مین شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور۔

والوں کو گمراہ کرتا ہے۔" فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ اللہ کی کتاب ہدایت ہے، جس میں خبریں ہیں تم سے پہلوں کے اور احوال و واقعات ہیں، ان کے بھی جو تم سے بعد والے ہیں اور (یہ کتاب الٰہی) فیصلہ ہے تمہارے درمیان ہر خصومت و معاملہ کے لیے، جو ایک قانونِ محکم ہے۔ یہ کتاب الٰہی کوئی لغو اور مذاق جیسی چیز نہیں ہے جو شخص اس کو قساوت قلبی اور نخوت و تکبر کی وجہ سے چھوڑے گا حق تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا اور جو شخص ہدایت، اس کے سوا کسی اور چیز میں تلاش کرے گا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہی اللہ کا محکم ذکر اور بیان ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ قرآن اللہ کی وہ ہدایت ہے کہ لوگوں کی خواہشات اس کو ٹیڑھا نہیں کر سکتیں، یا اس کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کی خواہشات و افکار بے راہ نہیں ہو سکتے۔ اور نہ لوگوں کی زبانیں اس کو ملتبس کر سکتی ہیں، کہ اس کے ذریعہ حق اور باطل میں کوئی امتیاز و فرق نہ کیا جا سکے یا یہ کہ زبانیں قرآن کریم کا تلفظ و تکلم کرنے میں ملتبس نہیں ہو سکتیں کہ یہ نہ معلوم ہو سکے کہ یہ زبان حق بول رہی ہے یا باطل کا تلفظ ادا کر رہی ہے بلکہ جو زبان قرآن کی مطابقت کے ساتھ ناطق ہے وہ ہی حق ہے، اور یہ قرآن ایسا کلام ہے کہ علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ بار بار پڑھنے سے پرانا و بوسیدہ ہو سکتا ہے (بلکہ ہر بار جب بھی تلاوت کی جائے اس کی حلاوت و لذت اسی طرح باقی رہے گی بلکہ جس قدر کثرت سے پڑھا جائے گا، ہر مرتبہ ایک نیا لطف اور مزہ اربابِ ذوق کو محسوس ہو گا اور نہ ہی اس کے عجائب (معارف و حقائق) کبھی ختم ہوں گے۔ یہ قرآن کریم، تو اللہ کا وہ کلام ہے کہ جنات صبر نہ کر سکے کہ جب انہوں نے کلام پاک سنا یہاں تک کہ بول اُٹھے بیشک سنا ہے ہم نے ایک عجیب وغریب کلام، (قرآن کریم) کہ جس کی فصاحت و بلاغت خوبیِ مضامین اور بلندیِ حقائق دنیا کو حیرت و تعجب میں ڈالنے والی ہے، رہنمائی کرتا ہے حق اور سیدھے راستہ کی، بس ہم تو اس کلام پر ایمان لے آئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن کریم کے ساتھ نطق کیا اس نے سچ بولا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی اس نے صراط مستقیم (سیدھے راستہ) کی طرف بلایا۔ اور فرمایا: "یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا" (۲) "اس کی وجہ سے اللہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے کہ انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور اس سے راہنمائی نہیں لی۔ اور بہت سوں کو (اس پر عمل کرنے کی وجہ سے) ہدایت دیتا ہے"۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دے دی کہ

"انّ اللّٰہ یرفع بھذا الکتب اقواما ویضع بہ آخرین" (۳) "اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآنِ مجید) پر عمل کرنے کے نتیجے میں کسی قوم کو رفعتیں اور ترقیاں عطا فرماتے ہیں اور دوسری قوم کو پستی

اور زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ، اس نے قرآن پر عمل ترک کر دیا۔ سوۃ الانعام میں فرمایا کہ یہ (دین اور قرآن) میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے اس لئے اسی پر چلو اور اس کے علاوہ راستوں پر مت چلو کہ اس کے علاوہ دوسری راہیں تمہیں جدا جدا کر دیں گی۔ گویا تہذیبِ انسانی کو کامیابی کی طرف لے جانے والی راہ صرف وہی ہے، جس کی نشاندہی نبی کریم ﷺ نے فرما دی ہے۔

ڈاکٹر حسین نصر نے اس سلسلے میں روشنی ڈالی ہے، وہ اپنی کتاب Science and Civilization in Islam میں لکھتے ہیں کہ:

"اسلامی تہذیب کی بنیاد وحی الٰہی تھی۔ وحی الٰہی پر مبنی اس تہذیب نے بہت سی تہذیبوں کے اس عنصر کو، جو اس کی بنیادی روح سے مماثلت رکھتا تھا، اپنے اندر جذب کر لیا۔ قرآن مجید جو مکمل طور پر وحی الٰہی ہے اور جو عربی زبان میں ہے، اس نے یک جہتی کا وہ نمونہ پیش کیا جس میں بے شمار غیر ملکی عناصر اسلام کی عالمگیر روح کے مطابق شامل ہو کر اس میں جذب ہو گئے۔" (۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے یونانی اور سریانی زبان سے کتب کا عربی ترجمہ کیا۔ ان تراجم میں بہت سا کارآمد مواد بھی تھا جسے اسلام نے چھانٹا اور اپنے "اندرونی آئین" اور اس "بنیاد" جو اسے قرآنی وحی سے حاصل ہوئی تھی، میں جذب کر لیا۔ اس طرح ان تین بنیادی باتوں شریعت، طریقت اور حقیقت کے اجتماع سے ان اسلامی مکاتب کا نشوونما ہوا جو بعد میں اسلامی تہذیب کا ایک مسلمہ جزو بن گئے"۔ (۵)

سید قطب شہید اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"قرآن نہ تو سائنٹیفک نظریات کی کتاب ہے اور نہ ہی وہ اس لیے آیا ہے کہ تجربی طریقے سے سائنس مرتب کرے۔ بلکہ وہ پوری زندگی کے لیے ایک نظام ہے یہ نظام عقل کی تربیت کرتا ہے تا کہ وہ اپنے حدود کے اندر آزادانہ سرگرم عمل ہو سکے۔ وہ افراد معاشرہ کو ایسا مزاج عطا کرتا ہے کہ وہ عقل کو آزادانہ عمل کا پورا موقع دے۔ قرآن ایسی جزئیات وتفصیلات سے بحث نہیں کرتا جو خالص سائنسی ہیں۔ یہ امور عقل کی تربیت اور اس کے لیے آزادی عمل کے اہتمام کے بعد، عقل ہی کے لیے چھوڑ دیے گئے ہیں۔" (۶)

پروفیسر فلپ کے ہٹی نے مسلمانوں کی علمی وسائنسی ترقی کے اسباب میں عربوں کی ذہانت و طباعی کے ساتھ کچھ مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کو شامل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عرب مسلمانوں نے اپنی معمولی سی سائنسی معلومات، فلسفہ اور ادب سے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا۔ مگر چونکہ وہ ریگستان سے اپنے ساتھ ذہنی تحقیق و تجسس کا شوق اور شدید احساس، نیز علم کا شوق اور اس سے حریصانہ حد تک رغبت وخواہش اور کچھ مخفی قوتیں اور صلاحیتیں لے کر آئے تھے اس لیے وہ بہت جلد قدیم اور مہذب اقوام کے وارث و جانشین بن گئے۔'' (۷)

پروفیسر ہٹی کے اس بیان کے بارے میں سید امیر علی لکھتے ہیں:

مگر سوال یہ ہے کہ ''صلاحیت اور اعلیٰ دماغی'' ان میں کہاں سے آ گئی؟ اور ان کی مخفی قوتوں کو کس نے بیدار کیا اور کس نے انہیں جلا بخشی؟ عربوں میں چھپی ہوئی مخفی صلاحیتوں کو جلا بخشنے والی قوتِ متحرکہ قرآن حکیم ہی تھا۔ جس نے اپنی بے شمار آیات کے ذریعے نہایت درجہ مؤثر اور طاقتور انداز سے ایک سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر کے اسے مطالعۂ فطرت اور اس کے رازوں کو بے نقاب کرنے پر آمادہ کیا اور ان میں علم و تحقیق کی ایسی سچی لگن پیدا کر دی جس کے باعث انہوں نے تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی خاطر علم وفن کے ہر ہر دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور ایک پیاسے کی طرح مختلف سرچشموں پر بے تابانہ ٹوٹ پڑے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے علوم وفنون کی جانب راغب ہونے کا سبب یہ تھا کہ قرآنِ عظیم نے فکری اور نظریاتی اعتبار سے اہلِ اسلام کی ذہن سازی اس انداز سے کر دی تھی کہ ان میں روشن دماغی اور وسعتِ نظری کی ایسی روح بھر دی کہ وہ پورے بین الاقوامی سرمایۂ علم پر قبضہ کر کے اس میں جدت واجتہاد کے نئے گل وگلزار پیدا کر سکیں۔ (۸)

مشہور مستشرق مارگولیتھ، راڈول کے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''دنیا کے عظیم مذہبی صحیفوں میں قرآن ایک اہم مقام رکھتا ہے، حالانکہ اس طرح کی تاریخ ساز تحریروں میں اس کی عمر سب سے کم ہے۔ مگر انسانوں پر حیرت انگیز اثر ڈالنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ اس نے ایک نئی انسانی فکر پیدا کی اور ایک نئے اخلاق کی بنیاد رکھی۔'' (۹)

ایک اور مستشرق (Hartwing Hirschfeld) لکھتا ہے:

''ہمیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن علوم کا سرچشمہ ہے۔ آسمان، زمین ،انسانی زندگی، تجارت وحرفت، جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے، ان پر متعدد کتابوں یا تفسیروں میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ان پر بحث ومباحثہ کا دروازہ کھولا، مسلمانوں

میں بالواسطہ مختلف علوم کی ترقی کا راستہ کھلا۔اس نے صرف عربوں ہی پر اثر نہیں ڈالا، بلکہ یہودی فلسفیوں کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ مذہبی اور مابعد الطبیعیاتی مسائل پر عربوں کی پیروی کریں۔ یونانی فلکیات اور طبی تحریروں سے واقفیت نے ان علوم کے مطالعہ کی طرف انہیں متوجہ کیا۔محمد ﷺ کے ذریعے دنیا کو جو وحی ملی اس میں اجسامِ سماویہ کی گردش کرنے کا ذکر ان کی عبادت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی نشانی اور انسان کی خدمت کے طور پر کیا گیا۔تمام مسلم اقوام نے فلکیات کا بڑی کامیابی کے ساتھ مطالعہ کیا۔صدیوں تک وہی اس کے حامل رہے اور آج بھی اکثر ستاروں کے عربی نام اور متعلقہ الفاظ مستعمل ہیں۔یورپ میں عہد وسطیٰ کے ماہرین فلکیات عربوں کے شاگرد تھے۔اسی طرح قرآن نے طبی علم کی تحصیل کی ہمت افزائی کی اور عمومی طور پر فطرت کے مطالعہ اور غور وفکر کی جانب توجہ مبذول کی۔"(۱۰)

لطفی جمعہ اپنی کتاب ''تاریخ فلاسفۃ الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

وہ کتاب جو''افصح العرب'' پر نازل ہوئی محض ایک مذہبی کتاب ہی نہیں بلکہ تقریباسو علوم کا منبع ہے۔مثلاً شریعت ،لغت، تاریخ ،ادب ، طبیعیات ،فلکیات اور فلسفہ وغیرہ۔ان میں سے اکثر علوم کا براہ راست ماخذ خود قرآن مجید ہے۔جنہیں علماء نے اس کی نصوص سے اخذ کیا ہے۔"(۱۱)

البیرونی نے جابجا اپنی کتب میں قرآن حکیم کے اقتباسات نقل کئے ہیں اور تسلیم کیا ہے کہ اس کی تمام تحقیقات کا بنیادی محرک قرآنِ مجید ہے۔اپنی تصنیف ''کتاب الہند'' کے دیباچے میں اس نے سورۃ النساء کی یہ آیت نقل کی ہے:

''کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ انفسکم ''(النساء ۴: ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ یہ تمھارے اپنے ہی خلاف ہو۔''(۱۲)

موضوع زیر بحث کے حوالے سے ''یاقوت الحموی'' کی بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔وہ ''معجم البلدان'' کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ:''حمد وثناء اللہ ہی کو زیبا ہے جس نے زمین کو فرش بنا کر میخوں سے استوار کیا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں، گھاٹیاں، صحرا، شہر سب کا خالق وہی ہے۔اسی کے حکم سے موجیں مارتے ہوئے دریا میدانوں میں آتے ہیں۔اس کے بعد اس نے سورۃ المومن کی آیت نمبر ۸۲ اور ایک مختصر خطبہ نما عبارت لکھنے کے بعد حمد ودرود اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے لئے دعا کے بعد لکھا ہے:''اس کتاب کے لکھنے میں قرآن پاک اور احادیث نے میری رہنمائی کی۔'' وہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۵ اور سورۃ الانعام کی

آیت نمبر ۱۱ کا ذکر کرتا ہے جن میں گذشتہ قوموں کے احول بیان کئے گئے ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اور قوموں کی تباہی کے واقعات سے عبرت پکڑیں۔اسی طرح اس نے کچھ احادیث بیان کی ہیں، جن میں ایسے ارشادات موجود ہیں کہ تم سابقہ قوموں کے احوال و آثار دیکھ کر نصیحت پکڑو۔'' (۱۳)

عقیدۂ توحید اور اسلامی تہذیب کا ارتقاء:

اسلامی تہذیب و ثقافت کے ارتقاء میں اسلامی عقائد نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔توحید کو ان عقائد میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ عقیدہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ تھا۔یہی عقیدہ انسان کا راہنما، ان کی محبت کا مرکز، ان کے خوف اور امیدوں کا محور اور ہر چیز کا مرجع ہے۔(۱۴) ''تم کہہ دو کہ اللہ ایک ہے، تو تم فلاح پاجاؤ گے''۔عقیدۂ توحید انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا مددگار، محافظ اور پشت پناہ ہے۔انسان کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کائنات میں اکیلا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کے ساتھ ہے وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ اللہ اس کا محافظ ہے، وہ محض کائنات کے مادّی اسباب کے سپرد نہیں بلکہ ایک ایسی قوت بھی ہے، جو ان اسباب سے ماوراء اس کی مددگار ہے۔جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی ہستی اس کی مددگار ہے، تو اس میں جرأت، مردانگی، استقامت اور استقلال پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۵ میں فرمایا : وَهُوَ مَعَكُم اَينَمَا كُنتُم ''وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو''۔سورۃ البقرۃ : کی آیت نمبر ۱۸۶ میں فرمایا:''وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنّی فَاِنّی قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَليستَجِيبوا لِی وَليُؤمِنُوا بِی لَعَلّهُم يرشُدُونَ'' (اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو ان سے کہہ دیں کہ مَیں ان کے قریب ہوں میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان ہی ان کی بھلائی کا باعث ہے)۔سورۃ قٓ کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا: ''نحن اقرب اليه من حبل الوريد'' ''ہم ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

گویا یہاں انسان اکیلا نہیں بلکہ اس کا خالق و مالک اس کے ساتھ ہے۔ یہی مفہوم قرآن کے دیگر مقامات پر اس انداز سے بیان ہوا کہ جو لوگ اللہ پر توکل اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان کا مددگار ہے تو اللہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے۔'' وَاللّٰهُ وَلِیُّ المُتَّقِينَ'' (الجاثیہ:۱۹) یعنی جو لوگ اللہ سے ہی ڈرتے ہیں اللہ ان کی تکالیف و مسائل میں ان کے لئے راستے نکال لیتے ہیں۔(الطلاق :۲) ''اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (البقرہ: ۲۵) ''یقیناً میرا مددگار اللہ ہی ہے جس نے یہ کتاب نازل

فرمائی وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔" (الاعراف:۱۹۶)

توحید کا عقیدہ انسان میں جواعتماد، جرأتِ اقدام اور شجاعت پیدا کرتا ہے، کے بارے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں: توحید کے پیدا کردہ اعتماد کا نتیجہ تھا کہ قرنِ اول کے مسلمان، جن کے دلوں میں توحید راسخ تھی، انہوں نے علم وفکر میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے، جو تہذیب وثقافت کے ارتقاء میں سنگِ میل ثابت ہوئے۔

اسلام کا عقیدۂ توحید انسان میں Optimism یعنی اُمید اور مثبت اندازِ فکر پیدا کرتا ہے اس کے مقابلے میں ناامیدی ومایوسی ہے۔ تاریخ انسانی میں انہی لوگوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جواحساسِ محرومی اور مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ قرآنِ مجید میں اس سلسلے میں ارشاد فرمایا: " وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ " (یوسف:۸۷) "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔"

سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۵۳ میں فرمایا: "میری جانب سے میرے بندوں سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ۔"

توحید کے زیرِ اثر تہذیب انسانی میں تعلیمات نبوی کا یہ بھی اہم کردار ہے کہ ان عقائد کے زیرِ اثر ایک ذمہ دارانہ طرزِ عمل تشکیل پاتا ہے۔ غیر ذمہ دار اور بے لگام افراد اعلیٰ اقدار کے فروغ میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے۔ تہذیب اور احساسِ ذمہ داری میں گہرا تعلق ہے۔

توحید، جہاں انسانی زندگی میں اعتماد وجرأتِ اقدام پیدا کرتی ہے وہاں وہ انسان میں احساسِ ذمہ داری، احساسِ مواخذہ اور احتساب کا خوف بھی پیدا کرتی ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۵ میں فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سے جہاں یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ مددگار اور پشت پناہ کے طور پر تمہارے ساتھ ہوتا ہے، وہاں اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے تمام اعمال کا نگران ہوتا ہے۔ سورۃ الزلزال میں فرمایا جو کوئی شخص رائی کے دانے کے برابر نیکی کا کام کرتا ہے، تو اللہ اس کو جانتا ہے اور اگر وہ رائی کے دانے کے برابر برائی کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ سورہ لقمان کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا اگر کوئی چیز (انسان کے اعمال میں سے) رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ ضرور سامنے لائے گا اور اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنی صفت "علیم بذات الصدور" بیان فرماتے ہیں (الحدید:۷) سورۃ مؤمن کی آیت نمبر

۱۹ میں فرمایا: وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں میں چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن ہمیں یہ تصور بھی دیتا ہے کہ جس ہستی نے اس کائنات کو پیدا کیا وہی ہستی اسے چلا بھی رہی ہے اور کائنات کی ہر باریک شے پر اس کی نگاہ بھی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ جسے ہم عام طور پر آیت الکرسی کے نام سے جانتے ہیں اس میں اللہ کی اسی صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تصورِ الٰہ نے ایسے انسانی طرزِ عمل کو جنم دیا جو اللہ سے ڈرنے والے اور ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے اس رویے سے تہذیبِ انسانی کو جلاء اور فروغ ملا۔ ذمہ دار رویے اور احساسِ مسئولیت کے حامل لوگ ہی وہ ماحول پیدا کر سکتے ہیں جو تہذیب کے ارتقاء کا باعث بنتا ہے۔ غیر ذمہ دار اور احساس مواخذہ سے بے نیاز انسان تو اس دنیا کو ظلم و جبر اور چھینا جھپٹی کا نمونہ بنا رہے ہیں۔ آج مغرب میں تخریبی سوچ کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کو روزانہ ہلاک کیا جا رہا ہے۔ اس شقاوت سے قلبی اور پتھر دلی کا ایک سبب ان کے مذہب نے انہیں سکھایا ہے کہ تم خواہ کچھ بھی برے سے برا عمل کر لو تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا کیونکہ تمہارے گناہوں کے کفارے کے طور پر ایک اور ہستی سولی چڑھ چکی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ "نحن ابنا ؤ الله و احباء ہ"۔ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اس لئے ہم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا"۔ اس عقیدے نے ان مذاہب کے ماننے والوں کو مواخذ کے احساس سے بے نیاز کر دیا اور آج دنیا جنگل کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔

خیر کا فروغ اور ارتقاءِ تہذیب:

یہ ایک حقیقت ہے کہ بقاء و دوام ہمیشہ خیر ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے ایسا نظام دیا ہے جس میں خیر کو دوام حاصل ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۲ میں فرمایا: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" "اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور خداخوفی کے کاموں میں تعاون کیا کرو" اس کے برعکس فرمایا: "وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" "اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

گویا اسلام چاہتا ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے میں خیر کے لئے آواز بلند کرے تو معاشرے کا ہر فرد اس کا معاون اور مددگار بن جائے۔ خیر کی آواز بلند کرنے والا اپنے آپ کو اکیلا محسوس نہ کرے۔ اور اگر اس کے برعکس شر پھیلانے والا اپنا کام دکھانا چاہتا ہے تو ہر طرف سے اس کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس کی آواز دب جائے۔ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے حکم کے تحت بھی ہر شخص کو انفرادی سطح پر اور پورے معاشرے کو اجتماعی طور پر پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اچھائی کو غالب کرنے اور برائی کے خاتمے کا ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں کتب حدیث میں مستقل ابواب قائم کئے

گئے ہیں اور شرعی طور پر خیر سے تعاون نہ کرنا اور شر کا استیصال نہ کرنا جرم ہے۔(۱۵)

تہذیب انسانی کے ارتقاء میں اسلام کی یہ تعلیم بھی بڑا اہم کردار ادا کرسکتی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے نفع رساں بن جائے۔ اس سلسلے میں سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۱۷ میں ارشادِ ربانی ہے:

"أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ."

"جو چیز بے فائدہ ہوتی ہے وہ ندی نالوں کے پانی کی طرح اوپر کی سطح پر تیرنے والے تنکے اور جھاگ کی مانند ہوتی ہے اور مونگے نیچے زمین میں بیٹھے ہوتے ہیں اور تنکے تیر رہے ہوتے ہیں۔ یہ تنکے بہہ کر ضائع ہوجاتے ہیں اور مونگے باقی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب سونے چاندی کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے تو کھوٹ اور ملاوٹ جھاگ بن کر سطح پر آجاتا ہے اور اصل سونا تہہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ گویا حق اور مفید شے باقی رہتی ہے اور بے مقصد شے بہہ کر ضائع ہوجاتی ہے۔"

اسلام کا تصور علم بھی یہی ہے کہ منفعت اور عملی زندگی کے لیے افادیت کا پہلو اس کا لازمی حصہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللهم انی اسألک علما نافعا" (۱۵) "اے اللہ مجھے علم نافع عطا فرما" آپ ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ "اللهم انفعني بما علمتني وعلمني بما ينفعني" (۱۶) "اے اللہ! جو کچھ تو نے مجھے علم دیا اسے میرے لیے مفید بنادے اور مجھے وہ علم دے جو میرے لیے نفع بخش ہو۔"

اسلام میں اسی علم کو پسندیدہ علم قرار دیا گیا ہے، جو عملی زندگی کے لیے مفید ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر شخص وہ ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔(۱۷) دوسری جانب فرمایا: دو بندوں پر حسد جائز ہے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔(۱۸)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خَيرُ النَّاسِ مَن يَّنفعُ النّاسَ" (۱۹) "لوگوں میں بہترین وہ شخص ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخش ہے"۔ یہ مضمون ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ خير الناس انفعهم للناس. "لوگوں میں بہترین وہ ہے جو ان میں زیادہ نفع رساں ہے۔" (۲۰) مسند احمد میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا۔ "من استطاع ان ينفع اخاه بشيء فليفعل" "تم میں سے

جو کسی بھائی کی مدد کی طاقت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ ایسا کرے۔" (۲۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الدین النصیحة" (۲۲) "دین خیر خواہی کا نام ہے" اسی مفہوم کو آپ ﷺ نے اس طرح بھی بیان فرمایا: "لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفسِه" (۲۳) "وہ شخص مومن نہیں جو دوسرے کے لئے بھی وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

ان تعلیمات کی روشنی میں ہم یہ اصول اخذ کر سکتے ہیں کہ "بقائے انفع" اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے کہ باقی وہی چیز رہتی ہے جو نفع رساں ہو۔ ان بنیادوں پر جس تہذیب کا ارتقاء ہوگا وہ محبت واخوت کی تہذیب ہوگی۔ وہ تعصّبات اور دشمنیوں کی تہذیب نہیں ہوگی۔ ایسے تہذیبی ارتقاء کا کیا فائدہ، جس میں انسان دوسرے انسان کو اپنا دشمن سمجھے۔ انسان دوسرے انسان سے بچنے کی تدابیر ہی سوچتا رہے۔ ہر انسان کو دوسروں کی وجہ سے ایک خوف اور عدم تحفظ اور ہمیشہ وار کر کے اس کے حقوق چھین لینے کا خدشہ لاحق رہے۔ بلکہ تہذیب وثقافت ایسے ماحول میں ترقی کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام انسان ایک عمارت کی اینٹوں اور ایک جسم کے اعضاء کی مانند ہوں کہ عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا باعث بنے۔ (۲۴) اور جسم کا ایک عضو اگر تکلیف میں مبتلا ہو تو پورا جسم اس تکلیف کو محسوس کرے۔ (۲۵)

تہذیب و ثقافت کے ارتقاء واستحکام میں معیشت کا بھی ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اسلام کی معاشی اقدار میں سود کی حرمت، معاشی عدل اور محنت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ ان اصولوں کی موجودگی میں نہ، تو افراطِ زر پیدا ہوتی ہے نہ ارتکازِ دولت۔ نہ معاشی استحصال ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرے میں ایسے طبقات پیدا ہوتے ہیں جو معاشی اعتبار سے دوسروں پر بوجھ بنتے ہوں۔ اس کے مقابلے میں انفاقِ فی سبیل اللہ، تعاون وایثار، خدمتِ خلق اور معاشی عدل کے اصول دے کر نبی کریم ﷺ نے معیشت کے لئے ایسے خطوط دیے، جن پر عمل کر کے انسانی زندگی میں کبھی ایسی صورت حال پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ معاشرے کے جمود کا باعث بنے۔

آج تہذیب انسانی کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ یہی ہے کہ انسان دوسرے انسان کا دشمن بن چکا ہے۔ معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحصال کا دَور دَورہ ہے۔ سرمایہ داروں نے سرمایہ اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے انسانوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ چند لوگ تو امیر ہو رہے ہیں لیکن کروڑوں انسانوں کی محنتیں چند لوگوں کی جیبوں میں جا رہی ہیں۔

اسلامی تہذیب کی روانی اور اعتدال وتوازن کا اصول:

اعتدال ومیانہ روی اور زندگی میں، توازن کا اصول بھی انسانی تہذیب میں روانی اور ارتقاء کا ذریعہ بنا۔ انسانی زندگی روحانیت اور مادیت کا مجموعہ ہے۔ ان دونوں میں تناسب ہی اسے معتدل اور

متوازن بناتا ہے۔ جن مذاہب اور نظاموں نے ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کو فراموش کیا وہاں زندگی عدم اعتدال کا شکار ہوگئی۔ روح کی تسکین کے لئے اہتمام نہ کیا، تو انسان مادہ پرست اور خودغرض ہوگیا۔ اگر مادی زندگی کی ضروریات سے آنکھیں بند کیں، تو انسان راہب اور سادھو ہوگیا اور دنیا کو چھوڑ بیٹھا۔ راہبانہ طرزِ زندگی اختیار کرلیا جائے، تو تمدنی زندگی کا خاتمہ ہوجائے۔ پھر راہبانہ زندگی اختیار کرلینے کی وجہ سے جنسی اعتبار سے غیر فطری طرز زندگی اپنالیا گیا اور جنسی بے راہ روی پیدا ہوگئی۔ اگر روح کی تسکین کے لئے کوئی بندوبست نہ کیا جائے، تو انسان خودغرض، مفاد پرست، دھوکے باز اور موقع پرست ہوجاتا ہے اور یوں زندگی بے اعتدالی کا شکار ہوجاتی ہے۔ جن مذاہب نے صرف روحانیت پر اکتفا کیا ان مذاہب کے ماننے والے جب تک اس مذہب پر کاربند رہے وہ زندگی کے بارے میں بڑی تنگ نظری اور پست فکری کا شکار ہوگئے۔ زندگی کی دوڑ میں شریک ہونے کے لیے انہیں مذہب کو چھوڑنا پڑا۔ مذہب ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔ ۱۷۸۹ء کا مغرب اس کی مثال ہے۔ سید جمال الدین سے پوچھا گیا کہ مغرب کی ترقی کا راز کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ان کی ترقی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو چھوڑ دیا۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا کیا سبب ہے، تو انہوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو چھوڑ دیا۔

عجیب بات ہے کہ ایک نے مذہب کو چھوڑا، تو وہ ترقی کر گیا دوسرے نے چھوڑا، تو وہ پسماندہ ہوگیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ان کا مذہب بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہ دے سکا (اس کی دلیل یہ ہے کہ یورپ میں مذہبی حکومتوں کے دوران لوگوں پر ظلم ہوئے اور ان کے مذہب نے سینکڑوں، ایسے لوگوں کی گردنیں اڑادیں، جو عقل اور سائنس کی بات کرتے تھے۔ ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس کی شکل میں لوگوں نے مذہب کو سیاست سے الگ کر کے سیکولرازم اور دھریت کی راہ اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں دیگر مغربی مفکرین کے علاوہ ولیم ڈریپر کی کتاب Conflict Between Science and Religion (معرکہ مذہب و سائنس ترجمہ مولانا ظفر علی خان) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہندومت، بدھ مت، جین مت اور کنفیوشس ازم کے ماننے والے اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اپنی تہذیب کو آگے نہیں لے جاسکے۔ مذہب کو چھوڑ کر ہی یہ لوگ آگے بڑھ رہے ہیں۔

اسلامی اخلاق اور تہذیب کا ارتقاء:

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے باہم جوڑ، نے انسانی تہذیب کے ارتقاء میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مثلاً توکل۔ صبر اور شکر کا ایک جوڑ (Combination) ہے۔ کہ تمام صلاحیتوں (ذہنی، جسمانی، علمی، فکری) اور وسائل (مالی، جسمانی، ذہنی) کو پورے طور پر کام میں لاکر اللہ کی مدد طلب کرنا اور اگر وہ

جدوجہد کامیاب ہو جائے تو غرور و تکبر کرنے ،دوسروں پر اپنی بالادستی جتانے کی بجائے، اللہ کا شکر بجالانا اور اگر ان وسائل و صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے بعد ناکامی ہو، تو اسے اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے کہ یہ چیز اللہ کے فیصلے کے مطابق میرے لئے مناسب نہ تھی، سر تسلیم خم کر دینا۔ کسی ناکامی پر صبر کرنا، ہمت نہ ہارنا اور اپنی ناکامی کو آئندہ کامیابی کا نقطہ آغاز بنانا انسانی جدوجہد میں تسلسل اور روانی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح غضب اور عفو و درگزر، غیرت وحمیت اور انتقام، عدل اور احسان حلم و بردباری اور غیرت وحمیت، اخلاقیات کے ایسے جوڑے ہیں، جن کے امتزاج سے ایسا طرزِ زندگی اور زندگی کے بارے میں ایسا رویہ تشکیل پاتا ہے، جس سے انسانی زندگی میں (Smoothness) اور سکون پیدا ہوتا ہے اور انسانی زندگی ارتقاء کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر ایک ایسی تہذیب نے جنم لیا، جس کے پیچھے یہ تصور کارفرما تھا کہ " الْـخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَأَحَبُّهُمْ إِلَى اللّٰهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ "(٢٦) یعنی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا تمام مخلوقات میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنے عیال سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں، برتر صرف وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ معاشی و معاشرتی احساس برتری نے ہمیشہ خون ریزی کو جنم دیا۔ پہلی عالمی جنگ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ ﷺ کی تعلیمات میں مساواتِ نسل انسانی کا سبق تہذیبِ انسانی کا ایک روشن باب ہے۔ اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت ''عالمگیر مساوات'' ہے۔ عدم مساوات کے رویّے نے انسانی برادری کو نفرتوں کا شکار کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے وہاں کی اس آبادی کو عزت و مساوات کا مقام دیا جو اس سے قبل پسماندہ (Ignored) طبقہ سمجھا جاتا تھا، تو اس طبقے نے اسلام کا استقبال کیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال محمد بن قاسمؒ کے ہندوستان پر حملے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کا قبول اسلام ہے۔

تہذیب انسانی کے ارتقاء میں اسلامی اخلاقی اقدار میں عدل اور احسان کے امتزاج نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ انسانی زندگی میں حقوق و فرائض کا نظام جاری ہے۔ایک شخص کے حقوق دوسرے کے فرائض ہوتے ہیں ہمیں حقوق و فرائض ادا کرنے کا حکم دے کر اسلام نے تعاون کا ایک مربوط نظام قائم کر دیا۔ لیکن محض فرائض ادا کرنے پر اکتفا کر لیا جائے تو انسانی زندگی خشک اور کھردری ہو جائے۔ ہر شخص، یہیں تک محدود ہو جائے کہ اس پر کیا چیز فرض ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک دوسرے کے محض فرائض ادا کر دینے سے ہی ایک اچھا معاشرہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے فرائض سے آگے بڑھ کر دوسروں سے احسان کا رویہ اختیار کرنے سے محبت و اخوت سے بھرپور معاشرہ جنم لیتا ہے اور اسلام اسی کا حکم دیتا ہے۔ احسان یہ ہے

کہ انسان اپنے فرائض سے آگے بڑھ کر اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کی مخلوق کی مشکلات و مصائب میں ان کے کام آئے۔ احسان کی راہ اختیار کرنے سے انسانوں میں بھائی چارہ اور محبت واخوت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگی۔ جو معاشرہ محض باہمی فرائض ادا کرنے تک محدود ہو جاتا ہے اس کے افراد کے درمیان محبت والفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر جو تہذیب پروان چڑھی اس کی بنیاد عدل اور احسان دونوں پر تھی۔ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۰ میں حکم دیا گیا کہ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (بے شک تمہیں اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ اور قرآن میں متعدد مرتبہ یہ اعلان کر کے، کہ "اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ احسان کرنے کی ترغیب دے کر یہ رویہ اپنانے کو کہا گیا ہے۔

اسی طرح اسلام صرف دوسروں کے ساتھ محض تعاون پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایثار کا حکم دیتا ہے۔ ایثار یہ ہے کہ دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہوئے ضرورت کی چیز اپنے لئے استعمال کرنے کی بجائے دوسرے بھائی کو دے دینا۔ ایثار کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

"ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" (الحشر:۹) "وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو انہیں خود اس کی کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ نفع رسانی کا یہ پہلو اسلامی تہذیب کے ارتقاء کا اہم محرک ہے۔

تہذیبِ اسلامی اور متحرک تصورِ زندگی:

تہذیبِ انسانی کے ارتقاء میں نبی کریم ﷺ کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ آپ نے انسان کو راہبانہ تصور زندگی سے نکال کر ایک فعال اور متحرک زندگی کا تصور دیا۔ افرادِ معاشرہ اگر متحرک ہوں، وہ ذہنی اور عملی طور پر فعال ہوں تو معاشرہ، قوم اور پوری انسانیت ترقی کی طرف گامزن رہے گی۔ ہمارے سامنے ایک طرف چند مذاہب کی تعلیمات ہیں، جن کے نتیجے میں ایک مذہبی شخص کو دنیا کی تمام جدوجہد چھوڑ کر ترکِ دنیا کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسلام میں ایسا نہیں بلکہ یہاں کوئی شخص جس قدر بڑا مذہبی ہوگا اسے اسی قدر فعال و متحرک اور روشن خیال ہونا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک متحرک زندگی کا تصور دیا مسلم شریف میں روایت ہے:

"عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِی كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّی فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ" . (۲۷)

''اللہ کو ایک مضبوط و فعال مؤمن ایک کمزور مؤمن کے مقابلے میں زیادہ عزیز ہے
ہر خیر کے کام کی خواہش کر جو تجھے فائدہ دے اور اللہ سے مدد طلب کر اور اس میں
جدوجہد کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کر اور اگر تجھے اس میں کچھ تکلیف پہنچ جائے تو یہ نہ
کہہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا بلکہ یہ کہہ اسی کو اللہ نے مقدر کر دیا ہے اور جو
چاہاوہ کیا ہے کیونکہ یہ اگر اور مگر شیطان کا کاروبار کھولتا ہے۔''

دنیوی زندگی کے معاملات میں غور وخوض کرو۔ جس چیز میں تمہیں فائدہ دکھائی دے اسے اختیار کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو۔ اگر اس مقصد کے حصول کے لئے تمہیں کوئی مشکل پیش آئے، تو اسے برداشت کرو۔ اگر کامیابی حاصل ہو، تو اللہ کا شکر بجالاؤ۔ اگر کامیابی نہ ہو، تو صبر کرو۔ جدوجہد اور اقدام کا جذبہ بیدار کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " اجتهـد وا فكل ميسر لما خلق له "(۲۸) کوشش کرو جو چیز اللہ نے کسی کے لیے پیدا کی ہے وہ اسے مہیا کر دیتا ہے۔ شرط صرف محنت اور تلاش ہے۔

رابرٹ بریفالٹ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات مثلاً سچ بولنا، حقیقت تک رسائی کے لئے جدوجہد کرنا، اگر حقیقت تک پہنچنے کے لئے مشقت کرنی پڑے تو اسے برداشت کرنا اور صبر وعزم ایسی اخلاقی اقدار ہیں، جنہوں نے سائنس کی ترقی میں بڑا کردار ادا کیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اسلام کی سکھائی ہوئی ایسی تعلیمات تھیں کہ جن کے تحت مسلمانوں کی اخلاقی اور شخصی تربیت ہوئی کہ ایک سائنس دان بارہ بارہ برس تک تجربہ گاہ میں بیٹھا تجربات میں اس وقت تک مصروف رہتا جب تک وہ حقیقت کو پا نہ لیتا اور اپنی تجربہ گاہ میں وہ جو کچھ حاصل کرتا وہی کچھ باہر لوگوں سے بیان کرتا۔ (۲۹)

وحدتِ انسانی اور تعلیماتِ نبوی:

انسانوں کی وحدت و مرکزیت انسانی تہذیب کے ارتقاء میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانیت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے کہ وہ ہدایت کے آجانے کے بعد بھی اختلافات کا شکار ہو گئے۔ قرآن مجید نے اس بات کی نشاندہی کر دی کہ "وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا" (آل عمران: ۱۰۴) ''تم تباہی کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔''

اس کے مقابلے میں قرآن نے اتحاد و وحدت کو اللہ کی نعمت قرار دیا (آلِ عمران: ۱۰۴) اور نبی کریم ﷺ نے تمام مومنوں کو ایک جسم اور ایک دیوار کی مانند قرار دیا۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ اور انسانی شعور وادراک کا ارتقاء:

اسلام نے تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں جو کردار ادا کیا ہے اور آئندہ اس سلسلے میں وہ، جو کردار ادا کرسکتا ہے وہ اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس نے انسانی شعور وادراک کو بیدار کیا۔ اگر انسان کا شعور وادراک بیدار ہوجائے تو پھر کوئی چیز اسے غلام، مقلدِ محض اور جمود کا شکار نہیں کرسکتی۔ اس سلسلے میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لیے مہمیز

اس حوالے سے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۹ میں قرآن مجید میں یوں فرمانِ خداوندی ہے:

" وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَـٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ "

" اور ہم نے بہت سے ایسے جن اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں، جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں، جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں، جن سے نہیں سنتے یہ لوگ (حواس سے مدد لے کر ہدایت نہ پانے کے حوالے سے) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۶ میں فرمایا:

"أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ "

" کیا انہوں نے زمین کی سیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان (گذشتہ قوموں کے واقعات کو) سن لیتے، (بلکہ) بات یہ ہے کہ آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۲۲ میں فرمایا:

" إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ. "

" تمام جانداروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں جو ذرا بھی

نہیں سمجھتے۔"

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۷۳ میں فرمایا:

"وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ."

"(رحمٰن کے پسندیدہ بندے وہ ہیں) جن پر جب ان کے رب کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر گر نہیں پڑتے۔"

بلکہ وہ ان آیات میں غور و فکر کر کے ان میں بیان شدہ حقائق کو تسلیم کرتے اور ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ۷۵۶ آیات ایسی ہیں جن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر غور و فکر اور مشاہدے کی یا تو ترغیب دی گئی یا اس کا حکم دیا گیا ہے۔ مشاہدہ کائنات قرآن کا بنیادی موضوع ہے۔ وہ کائنات کی اشیاء میں غور و خوض نہ کرنے والوں کو بنظر استحسان نہیں دیکھتا اور ان کے اس رویے کی مذمت کرتا ہے۔ (۳۰) وہ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو ظن کی پیروی کرتے ہیں (۳۱) قرآن بتلاتا ہے کہ ظن و گمان اور یقین برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳۲)

وہ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو "تقلیدِ محض" کا شکار ہوتے ہیں۔ (۳۳) علم (جو سائنس کی جانب پہلا قدم ہے) کے فروغ کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات سب دنیا پر آشکارا ہیں کہ اس دین کی پہلی وحی کے الفاظ ہی یہ ہیں کہ "پڑھیے"۔ (۳۴) وہ علم کے حامل لوگوں کی مختلف طریقوں سے فضیلت بیان کرتا ہے۔ (۳۵) وہ جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے درمیان واضح فرق کرتا ہے۔ هَلْ يَستَوِى الَّذِينَ يَعلَمُونَ وَالَّذِينَ لَايَعلَمُونَ۔ (۳۶) (کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں؟) وہ جاننے والوں کو بینا اور نہ جاننے والوں کو نابینا قرار دیتا ہے۔ (۳۷) اور علم عطا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی صفت اور رحم کا پرتَو قرار دیتا ہے۔ (۳۸) قرآن پاک (ن۔ظ۔ر) مادہ سے انظروا، ینظرون، تنظرون، الناظرین کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جس کا معنی ماہرین نے غور و فکر اور بنظر غائر دیکھنا کیا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ۱۳۰ مرتبہ آیا ہے اور ۱۶ سے ۲۰ مرتبہ انفس و آفاق کے سیاق و سباق میں آیا ہے۔ اس کا معنیٰ "تقليب البصر والبصيرة لادراک الشئ ورؤيته وقديراد به التامل والفحص وقديرد ابه المعرفه الحاصلة بعد الفحص." (۳۹)

اسی طرح (ع،ق،ل) مادہ سے بھی تعقلون اور یعقلون کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ۲۳ مرتبہ تعقلون اور ۲۰ سے زائد مرتبہ یعقلون کے الفاظ آئے ہیں۔ (۴۰) اس سلسلے میں قرآن تفکر، تذکیر اور تدبر کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال سورۃ النحل کی آیات ۱۱ تا ۱۳ میں ہوا ہے۔ گیارہ

نمبر میں تفکرون آیت نمبر۱۲ کے آخر میں یعقلون اور آیت نمبر۱۳ کے آخر میں یذکرون کے الفاظ آئے ہیں۔اس ترتیب کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی جانب نزول ہے۔یعنی اعلیٰ صفت یہ ہے کہ انسان کائنات میں غور کرے۔ یہ نہ ہو، تو کم از کم عقل سے تو کام لے اور کائنات کی اشیاء، اسے جس منزل کی جانب متوجہ کررہی ہیں ان کی یاددہانی سے فائدہ اٹھائے۔(۴۱)

اسی سورۃ النحل میں آگے چل کر آیات ۶۵ تا ۶۷ میں اس موضوع سے متعلق تین الفاظ یسمعون (آیت:۶۵) یتفکرون (آیت:۶۶) یعقلون (آیت:۶۷) آئے ہیں۔اس ترتیب کے بارے میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

''اس جگہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف رجحان ہے کہ انسان کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ معقول بات کو سنے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔''(۴۲)

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ:'' یؤتی الحکمة من یشاء ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔''(۴۳) اللہ تعالیٰ حکمت ودانائی جسے چاہتے ہیں عطاء فرماتے ہیں اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی۔

نبی کریم ﷺ نے حکمت ودانائی کی بات حاصل کرنے کی ترغیب یوں فرمائی:'' الکلمة الحکمة ضالة الحکیم''۔(۴۴) دانائی کی بات دانا آدمی کی گم شدہ چیز ہے۔

آپ ﷺ نے ہمیں یہ دعا تعلیم فرمائی:''اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه''(۴۵)۔''اللہ مجھے حق دکھادے اور اس کی پیروی کی توفیق دے۔''

" اللھم ارنا الدنیا کما أریتھا الصالحین "۔(۴۶)''اے اللہ مجھے دنیا اس انداز میں دکھایئے جس طرح کہ تونے نیک لوگوں کو دکھائی۔''

مذاہب عالم میں نبی کریم ﷺ کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ آپ نے عقل کے استعمال کی حوصلہ افزائی فرمائی۔آپ ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر عقل کے ارتقاء کا سفر بلندیوں کی طرف رواں دواں رہا اور انسانی تہذیب کبھی جمود کا شکار نہیں ہوئی۔

اسلام کے تصورِ علم کے بارے میں امام مالک کا ایک قول منقول ہے:

''ان العلم لیس بکثرة الرواۃ وانما العلم نور یجعله الله فی القلب .''(۴۷)

''علم رُواۃ (معلومات) کی کثرت کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل علم تو وہ نور ہے جو اللہ

تعالیٰ مؤمن کے دل میں پیدا فرماتا ہے۔"

عقل اور تفکر کے بارے میں احادیث بھی موجود ہیں جن سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کی، تمام مذاہب سے بڑھ کر حوصلہ افزائی، بلکہ تلقین کرتا ہے اور تہذیبی ارتقاء کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) " فکر ساعة خير من عبادة ستين سنة " (۴۸)

(ایک لمحہ کا غور و فکر کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے)۔

(۲) " لاعقل كالتدبير ولاورع كالكف ولاحسب كحسن الخلق. "

(تدبیر اصل عقل ہے، اور اصل تقویٰ رک جانا ہے، اور اونچا مقام اچھا اخلاق ہے)۔

(۳) "دين المرء عقله ومن لا عقل له لادين له"۔

(انسان کے دین کا کمال اس کی عقل پر منحصر ہے جس میں عقل نہیں اس کا دین نہیں۔

(۴) "تفكر ساعة خير من قيام ليلة"۔

(ایک لمحہ کا غور و فکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے)۔

(۵) " قوام المرء عقله ولا دين لمن لا عقله له"۔

(آدمی کا قوام اس کی عقل ہے، اور اس کا کوئی دین نہیں جس کو عقل نہیں ہے)۔

(۶) " كرم المرء دينه ومروته عقله وحسبه خلقه ".

(مؤمن کی عزت اس کا دین ہے، اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا اخلاق اس کا مقام ہے)۔

(۷) "إن الله تعالىٰ يبغض المومن الذى لازبر له ."

(اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناراض ہوتا ہے جس کو عقل نہیں ہے)۔

(۸) "أفلح من رزق لباب ." "جس کو عقل مل گئی وہ کامیاب ہو گیا"۔

(۹) "ما خلق الله فى الارض شيئا اقل من العقل وان العقل فى الارض اقل من الكبريت الاحمر. "

(اللہ نے زمین میں عقل سے کم کوئی چیز نہیں پیدا کی، اور عقل زمین میں سرخ ذرہ (کبریت احمد) سے بھی کم ہے)۔

(۱۰) "الناس يعملون بالخير وانما يعطون اجورهم على قدر عقولهم ".

(لوگ خیر کے کام کرتے ہیں اور ان کی نیکیوں کا اجر ان کی عقلوں کی مناسبت سے دیا جاتا ہے)۔

(۱۱) "ان الرجل ليكون من اهل الصلوة والصوم والزكوة والحج والعمرة حتى ذكر

سهام الخير كلها ومايجزى يوم القيامة الابقدر عقله"۔(۴۹)

(بے شک کوئی آدمی نماز، روزہ، زکوۃ، حج، عمرہ اور باقی خیر کے کام کرنے والا بھی ہوتا ہے، لیکن اس کو اجر قیامت کے دن اس کی عقل کے مطابق ملے گا)۔

کتبِ حدیث میں کتاب وسنت کی دی ہوئی حدود کے اندر، عقل کے استعمال کی فضیلت پر متعدد احادیث موجود ہیں۔ ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی تہذیب علم وعقل کا امتزاج ہے۔ یہی امتزاج اسے دائمی تہذیب کا مقام دلاتا ہے۔

اہلِ مغرب میں سے بہت سے لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تہذہب کے ارتقاء میں عربی تہذیب کا بڑا بنیادی حصہ ہے۔ ولیم ڈریپر، گستاولی بان، رابرٹ بریفالٹ، پروفیسر ہٹی، ایس پی سکاٹ اور اس جیسے بہت سے لوگ اس میں شامل ہیں۔

ایک مستشرق ایڈورڈ جرجی (Edward JurJi) اس سلسلہ میں لکھتا ہے:

"The Arabs were the part of the Islamic community which by its mere presence served as a power ful solvent of ascotic inflauence."(۵۰)

پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:

"عربوں نے (قدیم ثقافت کو) قرون وسطیٰ کے یورپ تک پہنچانے میں ایک درمیانی واسطے کا کردار ادا کیا۔ یہ ان کے فکری اثرات ہی کا نتیجہ تھا، جو مغربی دنیا کی بیداری کا باعث بنا اور بالاخر موجود نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ قرون وسطیٰ میں انسانی ترقیوں کے لئے کوئی قوم عربوں اور عربی بولنے والی قوموں سے بڑھ کر معاون ومددگار نہیں بن سکی۔" (۵۱)

مسلمان، ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے یا ان کے ہاتھوں سائنس کی بنیادیں رکھی گئیں، اس کا فیصلہ ہٹی کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے کہ:

"مسلم اسپین قرون وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقاء کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان.. عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب وتمدن کے مشعل بردار تھے۔ مزید برآں وہ قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا بھی واسطہ بنے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کرکے انہیں اس طرح منتقل کیا کہ مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہوسکی۔ (۵۲)

رابرٹ بریفالٹ (Robert Brefault) لکھتا ہے:

''راجر بیکن، اور نہ ہی بعد میں آنے والے اس کے ہم نام کو یہ نیک نامی دی جاسکتی ہے کہ انہوں نے تجربی تحقیق (Scientific Method) کا طریق متعارف کروایا۔ وہ تو مسلم سائنس کو عیسائی دنیا میں محض پہنچانے والا ہی تھا اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے تھکتا نہ تھا کہ اس کے معاصرین کے لئے علم صحیح کے حصول کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور عربی سائنس ہے۔'' (۵۳)۔

سید امیر علی نے بڑے جامع انداز سے ہمارے موضوع زیر بحث پر روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں:

''علوم کی نشوونما نے مسلمانوں کی فطری طباعی کو ایک نئی جہت بخشی۔ مفکرین کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا ہوگئی۔ انہیں حکماء کا خطاب دیا گیا۔ ان لوگوں کا طریق استدلال، آج کل کی سائنس کے طریق استدلال کے مماثل تھا اگر چہ تعصب اور جہالت نے انہیں کافر، ملحد اور زندیق کے اہانت آمیز لقب دے کر مطعون کیا لیکن تاریخی صداقت شعاری کو یہ تسلیم کرتے ہی بن آتی ہے، کہ ان لوگوں نے بھی اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا، نہ انہوں نے کبھی کوئی ایسا نظریہ پیش کیا جس کی سند انہیں بانی اسلام یا آپ کے ابتدائی جانشینوں کے اقوال میں نہ ملی۔'' (۵۴)۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۹

۲۔ البقرہ ۲: ۲۶

۳۔

۴۔ Hussain Nasr, Science and Civilization in Islam, p. 30

۵۔ IBID, p. 30

۶۔ سید قطب، قرآن اور سائنس (افادات) اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، لاہور، صفحہ ۸، ۹ اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی۔

۷۔ Hitti, P. K., History of the Arabs, London, 1977, p. 30.

۸۔ شہاب الدین ندوی، مولانا، قرآن سائنس اور مسلمان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، صفحہ ۴۲

۹۔ Margoliuth,G Introdution of English Translation of The Koran By J.M. Rodwell, London,1918. p vii.

۱۰۔ Hartwing Hirshclifeld,New Researches In To Compositioin and Exegesis of The Quran, 1902, p.9

۱۱۔ لطفی جمعہ،ڈاکٹر،تاریخ فلاسفۃ الاسلام،(مقدمہ) صفحہ ۱۸

۱۲۔ البیرونی،کتاب ماللھند،دیباچہ۔

۱۳۔ Hussain Nasr,Science and Civilization In Islam, pp.103-104

۱۴۔ (البقرہ۲:40,41,163,254)(النحل۱۶:48,49,50,51,52)(الحدید۵۷:1-6)(الحشر۵۹:22-24)

۱۵۔ ابن ماجہ،سنن ابن ماجہ(باب مایقال بعد التعلیم)،جلد اول،صفحہ ۲۹۸

۱۶۔ ایضاً،(کتاب الدعاء)،صفحہ ۱۲۶۰،حدیث نمبر ۳۸۳۳

۱۷۔ دارمی،ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰن،سنن دارمی،مطبع اعتدال،دمشق،جلد اول،صفحہ ۸۲

۱۸۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،جلد اول،صفحہ ۲۸ (کتاب العلم)

۱۹۔ علی المتقی،کنز العمال،حدیث نمبر ۴۴۱۵۴

۲۰۔ ایضاً،حدیث نمبر ۴۳۰۶۵

۲۱۔ مسند احمد،ج سوم،حدیث نمبر ۴۴۱۵۴،ص ۳۹۳

۲۲۔ بخاری، کتاب الایمان باب الدین النصحیة،نمبر ۴۲،ابوداؤد،کتاب الادب،باب فی النصیحة،نمبر ۴۹۴۴،

ترمذی، کتاب البر والصلة،باب ما جاء فی النصیحة،حدیث نمبر ۱۹۲۶

۲۳۔ بخاری،کتاب الایمان،باب من الایمان ان یحب لا خیه ما یحب لنفسه،ح نمبر ۷

۲۴۔ بخاری،کتاب الصلوۃ،باب تشبیک الاصابع فی المسجد،حدیث ۴۸۱،صفحہ ۴۰

۲۵۔ بخاری ، کتاب الادب،باب رحمۃ الناس والبھائم،ح نمبر ۶۰۱۱،صفحہ ۵۰۹

۲۶۔ أبویعلی أحمد بن علی بن المثنی الموصلی، :مسند أبی یعلی،ج 3ص 274

۲۷۔ صحیح مسلم :بَاب فِی الْأَمْرِ بِالْقُوَّةِ وَتَرْكِ الْعَجْزِ وَالِاسْتِعَانَةِ بِاللَّهِ وَتَفْوِيضِ الْمَقَادِيرِ لِلَّهِ،حدیث نمبر 4816

۲۸۔ صبحی محمصانی،فلسفۃ التشریع الاسلامی،بیروت،۱۹۶۱،صفحہ ۱۸۶

۲۹۔ Briffault, Robert, Making of huminity, Page 150

۳۰۔ (ضرب کلیم،(نظم اور آزادی)،کلیات اقبال،صفحہ ۹۰۴

۳۱۔ الاعراف۷: ۱۷۹

۳۲۔ الحجرات۵۹:۱۲(یونس۱۰:۳۶،۶۶)(الانعام۶: ۱۱۶،۱۴۸)(النجم۵۲: ۲۳)

۳۳۔ یونس۱۰:۳۶

۳۴۔ المائدہ۵:۱۰۴، لقمان۳۱: ۲۱، البقرۃ۲: ۱۷۰

۳۵۔ العلق۹۴: ۱

۳۶۔ طہٰ۲۰:۱۱۴، النور۲۴: ۵۵، آل عمران۳: ۱۸، البقرۃ۲: ۲۶۹، النمل۲۷: ۴۳

۳۷۔ الزمر۳۶: ۹

۳۸۔ هودا۱: ۲۴

۳۹۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، صفحہ ۳۶۸، ۳۶۹/ المنجد الابجدی، صفحہ ۱۰۷۴/ معجم متن اللغۃ، صفحہ ۴۸۹

۴۰۔ فواد عبدالباقی، معجم المفدس لالفاظ القرآن الکریم، صفحہ ۴۶۸

۴۱۔ امین احسن اصلاحی، مولانا، تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور، جلد سوم، صفحہ ۶۴۲

۴۲۔ ایضاً، جلد سوم، صفحہ ۶۷۴

۴۳۔ البقرۃ: ۶۲۹

۴۴۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ ۳۹۰، حدیث نمبر ۴۱۶۹

۴۵۔ بحوالہ ابو ہاجر محمد سعید، موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، بیروت، الجلد الثانی، صفحہ ۱۸۰

۴۶۔ ایضاً، الجلد الثانی، صفحہ ۱۸۰

۴۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد سوم، صفحہ ۵۵۳

۴۸۔ علی المتقی، علاء الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والا فعال

۴۹۔ خطیب تبریزی، ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، جلد دوم، صفحہ ۶۲۶

۵۰۔ JurJi, Edward, The Arabic Heritage, pp.225-226

۵۱۔ Hitti, P. K, History of The Arabs, p.4.

۵۲۔ IBID. p.557

۵۳۔ Briffault, Robert, The Making of Humanity, p.200

۵۴۔ Ameer Ali, Syed, The Sprit of Islam

حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جنگوں میں امن کے علمبردار

☆ راجا رشید محمود

کتبِ سیرت کے مطابق حضور رسولِ اکرم ﷺ اعلانِ نبوّت کے بعد جب تک مکہ مکرّمہ میں رہے، کفارِ قریش کی مخالفت ومخاصمت کا ہدف بنے رہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے (خاص طور پر غریب اور غلام) ان کے ظلم وستم کا شکار رہے لیکن ہجرت کے بعد انہوں نے قریش مکہ کے تجارتی قافلوں پر حملوں کا آغاز کر دیا، اور جنگ وجدل کی راہ اپنالی۔ دس سالہ مدنی زندگی میں ۸۰ (اَسّی) سے زائد غزوات وسرایا کے ذکر سے دشمنانِ اسلام کے منہ میں زبان دے دی گئی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ کہا گیا کہ مکہ مکرّمہ میں تو مسلمان دبے ہوئے تھے، جونہی وہ کفارِ قریش کے سایے سے نکلے اور مدینہ منورہ کو مستقر بنایا، تلوار تھام لی، تجارتی قافلوں کو لوٹنے کی کوششیں کیں اور جنگیں لڑیں۔

آج دنیا سمٹ رہی ہے، تحقیق وتدقیق کی راہیں روشن ہو رہی ہیں، دور دراز کے پوشیدہ اور گمنام گوشوں تک رسائی آسان ہو چلی ہے۔ آج کا طالب علم دلیل مانگتا ہے، آنکھیں بند کر کے مان لینے کا انداز اب اپنی حیثیت کھو رہا ہے۔ تدبر وتفکر کی اہمیت اُجاگر ہو رہی ہے اور اسلام اپنے ماننے والوں سے غور وفکر ہی کی توقع رکھتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ اگر مَیں تم لوگوں سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم مان لوگے، دَراصل اسلام کو کسی معجزے کے ذریعے (عقل کو عاجز کر کے) نہیں، غور وفکر کی وساطت سے دلوں میں اتارنے کی کوشش تھی۔ دینِ مبین کی دعوت کا آغاز ہی سوچ بچار کی اہمیت کو دلوں میں راسخ کرنے والا تھا۔

ہمیں قرآن پاک میں سوچ بچار کی دعوت دی گئی ہے۔(۱) کلام اللہ کے مندرجات پر غور وفکر نہ کرنے والوں کے لیے تعجب انگیز تادیب ملتی ہے۔(۲) مطلب یہ ہے کہ کسی کتنے ہی بڑے آدمی کا قول یا

☆۔ مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "نعت" لاہور

روایت سامنے آئے، اُسے قرآن واحادیث کی مجموعی تعلیم کو سامنے رکھ کر، حقائق کے تجزیے کے ذریعے قبول یا رَدّ کیا جانا چاہیے۔

حضور سرکارِ ہر عالم ﷺ کا منافقین کی کھلی نشان دہی نہ کرنا اور کسی ایک صحابی کو منافقین کے نام بتا کر، دوسروں کو نہ بتانے کی ہدایت کرنا بھی اسی لیے تھا کہ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء سے منسوب کسی بھی بات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے اور اسلام کی بنیادی تعلیم کے پیشِ نظر جانچنے کی اہمیت کم نہ ہوجائے۔ اس صورتِ حال میں غزوات وسرایا کی حیثیت کا بے لاگ تجزیہ حقیقت کی نقاب کشائی میں اہم کردار ادا کرے گا۔

غزوہ کیا ہے؟

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: "اَلْغزو" کے معنی دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے نکلنا ہیں۔ غَزَا ،یَغْزُوا ، غزْوًا ۔ وہ دشمن سے جنگ کے ارادے سے نکلا۔ ایسے شخص کو "اَلْغَازِی" کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: اَوْ کَانُوْا غُزًّی (٣) "یا وہ جہاد کررہے ہیں"۔(٤)

"المعجم الاعظم "میں ہے "اَلْغَزْوَۃُ۔ ایک لڑائی۔ ایک حملہ۔ غارت گری یا حملے کے لیے چڑھائی"۔(٥)

"المنجد" میں "الغزوہ" کا مطلب "ایک لڑائی، ایک حملہ" درج ہے۔(٦)

"ڈکشنری آف اسلام" میں ہے:

"*GHAZWAH*, a military force when it is led by an apostle (Rasul) or an Imam. A small force commanded by one of the Imam`s lieutenant is a Suriyah or brigade".(٧)

"مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا" میں "غزوات" کے تحت درج ہے:

"آپ (ﷺ) صحابہؓ کے چھوٹے چھوٹے مسلح دستے مختلف اطراف میں روانہ فرماتے رہتے تھے، ان مہمات کا نام مؤرخین نے "سرایا" رکھا۔ جن مہمات میں نبی کریم ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے، انہیں "غزوات" کہا گیا۔"(٨)

"فیروز سنز اُردو انسائیکلوپیڈیا" میں ہے:"

"غزوات، غزوہ کی جمع ہے۔ وہ جنگیں جو کفار اور مسلمانوں کے مابین لڑی گئیں اور ان میں آنحضرت ﷺ شریک ہوئے"۔(٩)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

''اسلامی تاریخ میں " سریہ " اس مہم کو کہا جاتا ہے کہ جس کی قیادت رسولِ پاک ﷺ نے اپنے کسی صحابیؓ کو سونپ دی ، اور " غزوہ " اس مہم کو جس میں آپ ﷺ بہ نفس نفیس سالارِ فوج کی حیثیت سے موجود ہوں''۔(۱۰)

کتاب " رسولِ اکرم ﷺ کا نظامِ جاسوسی " میں ہے:

''وہ اسلامی لشکر جس میں حضور ﷺ نے خود شرکت کی ، اسے " غزوہ " کا نام دیا گیا۔ اس کے برعکس جس لشکر میں آپ ﷺ شرکت نہ کرتے ، اسے " بعث " یا " سریہ " کہا گیا"۔(۱۱)

البتہ ڈاکٹر رؤفہ اقبال نے اپنی کتاب کے " تعارف " میں لکھا:

''زیرِ نظر مقالہ میں اس حقیقت کو پوری طرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر غزوہ اور سریہ کو جنگ کہنا غلط ہے ۔۔۔۔ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ نہ تو ہر غزوہ میں جنگ ہوئی اور نہ ہر سریہ اس مقصد کے لیے ہی بھیجا گیا"۔(۱۲)

ہمارے نزدیک ، جب " غزوہ " اور " سریّہ " کا معنیٰ جنگ کی خاطر سفر کرنا ہے تو پھر یہ کہنے کے بجائے کہ " ہر غزوہ اور سریہ کو جنگ کہنا غلط ہے " یہ کہنا چاہیے کہ ہر سفر کو غزوہ یا سریہ قرار دینا درست نہیں۔

غزوات کی تعداد:

مسلم شریف زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ حضورِ پاک ﷺ نے ۱۹ جہاد کیے، مَیں ۱۷ (سترہ) میں شامل تھا۔ جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ۱۹ (اُنیس) غزوات میں شرکت کی اور ان میں سے آٹھ لڑے۔ سلمہؓ کہتے ہیں ، مَیں حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ۷ (سات) غزوات میں شامل تھا۔(۱۳)

امام نوویؒ نے'' شرحِ مسلم شریف'' میں ابنِ سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ غزوے ۲۷ (ستائیس) ہوئے اور سریّے ۵۶ (چھپّن)۔ ۹ (نو) غزوات میں لڑائی ہوئی۔ بدر، احد، مریسیع ، خندق، قریظہ، خیبر، فتحِ مکہ، حنین اور طائف۔ بریدہؓ نے شاید فتحِ مکہ کو شامل نہیں کیا۔(۱۴)

سیّد قاسم محمود کے مرتبہ انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

''غزوات کی تعداد بالاتفاق ۲۷ (ستائیس) تھی''۔(۱۵)

پروفیسر محمد صدیق قریشی نے لکھا:

''آپ ﷺ کے ۲۸ (اُٹھائیس) غزوات میں سے صرف ۹ (نو) میں لڑائی

ہوئی، باقی ۱۹ (اُنیس) میں دشمن کسی مزاحمت کے بغیر بھاگ گیا۔" (۱۶)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق یہ تعداد ۲۷ ہی بتاتے ہی۔ (۱۷)

ڈاکٹر آصف قدوائی غزوات وسرایا کی مجموعی تعداد ۷۲ (بہتر) لکھتے ہیں (۱۸) زرعی یونیورسٹی کے سلطان علی ۹۰ (نوّے) کے قریب بتاتے ہیں (۱۹) اور غلام جیلانی برق ۸۸ (اٹھاسی) کے قائل ہیں۔ (۲۰)

پروفیسر محمد طاہر فاروقی نے اپنے تجزیے میں لکھا کہ:

"جو اسلامی دَستے دوسرے مقاصد سے بھیجے گئے تھے، جن میں لڑائی بھڑائی کا نام ونشان بھی نہیں ملتا، ان کو بھی مؤرخین نے غزوات کی ذیل میں بیان کیا ہے، جس سے غزوات کی تعداد بے سبب زیادہ نظر آنے لگی ہے۔۔۔ جو شخص بھی دیانت داری سے تاریخ کا مطالعہ کرے گا، وہ اس بات کو دل سے قبول کرے گا کہ جو دَستے تبلیغ اسلام ،تکمیل صلح ،بت شکنی ،رہزنوں کے تعاقب ، جاسوسی ،مخبری یا اس طرح کے دوسرے مقاصد کے لیے بھیجے گئے ،ان کا شمار جنگوں میں کرنا سخت ناانصافی ہے"۔ (۲۱)

انتہا یہ ہے کہ عمرے کے لیے کیے گئے سفر کو بھی، جو ایک معاہدۂ صلح پر منتج ہوا ،یار لوگوں نے "غزوۂ حدیبیہ" لکھ دیا ہے۔ (۲۲) اور ہجرتِ مدینہ کو "دیباچۂ جنگ" قرار دیا گیا۔ (۲۳) ابن سعد نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ ۲۷ (ستائیس) غزوات میں رسول اللہ ﷺ نے خود جہاد فرمایا، ۴۷ (سینتالیس) سرایا بھیجے اور ۹ (نو) غزوات میں اپنے ہاتھ سے قتال فرمایا۔ (۲۴)

تجارتی قافلے لوٹنے کی ناکام کوششیں:

واقدی، ابن سعد، طبری اور بعض روایاتِ حدیث کے زیر اثر سیرت النبی ﷺ کی کتابوں میں بہت سی مہموں کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ قریشی قافلوں کو لوٹنے کی غرض سے ترتیب دی گئی تھیں۔ ابواء، ذوالعشیرہ اور بدر کے "غزووں" کی غرض وغایت یہی بیان کی گئی۔ شبلی نعمانی نے غزوۂ بدر کے حوالے سے اس نقطۂ نظر کی خامیوں کی نشاندہی کی تو ان کے جواب میں کئی کتابیں سامنے آگئیں۔ (۲۵)

بعد میں مشہور دفاعی تجزیہ نگار بریگیڈئیر گلزار احمد نے دلائل وبراہین سے اس مفروضے کی تغلیط کی کہ کچھ غزوے اور کچھ سریے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کی کوشش میں وجود میں آئے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں دو تین باتیں ضرور پیش نظر رہنی چاہییں۔ پہلی یہ کہ تجارتی قافلوں کے پیچھے پڑنے والے مؤرخین یا ان کے مویدین کیا اس حقیقت کی کوئی توجیہ بیان کرسکتے ہیں کہ آخر اس مقصد میں کسی سطح پر بھی کوئی کامیابی کیوں نہ ہوئی!۔۔۔ جب بھی اسلامی لشکر پہنچتا ہے، تجارتی قافلہ جا چکا ہوتا

ہے۔ نیز، کیا ایک نوزائیدہ ریاست دو ماہ کے قلیل عرصے میں بار بار (تین بار) قافلوں کو لوٹنے کی ناکامی برداشت کرسکتی ہے؟ (جبکہ عملاً اور واقعتاً ان سرایا کے نتیجے میں مملکت مضبوط و مستحکم ہوتی نظر آتی ہے) اور پھر بعد میں بدر میں بھی اسی ناکامی کے لیے سفر اختیار کر لیتی ہے۔ پھر، کیا یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ ہے کہ تجارتی قافلے لوٹنے والے ہمیشہ کمانڈو ایکشن کرتے ہیں، گھات میں بیٹھتے ہیں، قافلے کے کمزور حصے پر دفعتاً حملہ آور ہوتے ہیں اور اپنے مقاصد میں کامیابی، جزوی کامیابی یا ناکامی، ہر صورت میں جلد از جلد غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے کسی مقصد کے لیے باقاعدہ کھلے عام تیاری نہیں کی جاتی اور تین سو سے زائد آدمیوں کو جمع کر کے (جن میں بچے بھی شامل ہوں) شہر سے ۸۰ سے زائد میل دُور جا کر پڑاؤ نہیں کیا جاتا۔

مزید برآں اس بات کا کیا جواز ہے کہ جس وقت تک مسلمان مدینہ منورہ سے بدر پہنچتے ہیں، تجارتی قافلے پر حملے یا متوقع حملے کی خبر مکہ مکرمہ میں پہنچ بھی جاتی ہے۔ وہاں سامانِ حرب بھی اکھٹا ہو جاتا ہے، ایک ہزار کا لشکر بھی (اُس دَور کے مکہ سے) تیار کر لیا جاتا ہے اور تین سو کلو میٹر کے قریب دُور، بدر کے مقام پر آ بھی جاتا ہے۔

تلوار بدست مسلمان؟

دس سال کے قلیل عرصے میں ۸۲ (بیاسی) سے ۹۰ (نوّے) تک مہماتِ جنگ (غزوات و سرایا) کے غلغلے سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ میں آتے ہی تلواریں سونت لیں اور دُور دراز تک اسلام کو پھیلا لیا۔ نیز ہم ناکام رَہزن ٹھہرے۔ جب بھی کوشش کی کہ کوئی تجارتی قافلہ ہتھے چڑھ جائے تو ہماری پلاننگ اتنی ناقص ہوتی تھی کہ قافلہ نکل جاتا تھا اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے تھے۔ مکہ کے چھوٹے سے قصبے سے وہ لوگ ایک ہزار کی تعداد میں سامانِ جنگ سے لیس ہو کر بدر تک پہنچ رہے تھے اور ہم اُن کی، بڑے پیمانے پر کی جانے والی ان تیاریوں سے بے خبر، ان کے تجارتی قافلوں کا خواب دیکھتے بدر تک آ پہنچے تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ منورہ کو خالی چھوڑ آئے تھے۔ بچوں تک کو ساتھ لے نکلے تھے۔ پھر، بے سروسامانی کے عالم میں نہ صرف کفار کے لشکرِ جرار کو شکست دی، بلکہ ان کے بڑے بڑے سردار ہمارے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے اور بہت سے لوگ ہمارے قیدی بنے۔۔۔ کیا ان سارے واقعات میں کوئی تطابق ہے؟۔۔۔ کیا ان مزعومات کا کوئی جواز ہے؟۔۔۔ کیا نتائج ان الزامات کی تائید کرتے ہیں جو مؤرخین نے قافلوں کو لوٹنے اور مار کٹائی کے حوالے سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں اور خود رسولِ پاک ﷺ پر نادانستگی یا معصومیت سے لگا دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غزوات و سرایا کے بارے میں حقیقت پسندانہ تفصیلی تجزیے شبلی نعمانی، بریگیڈئر

گلزار احمد اور میرے صاحبزادے اظہر محمود نے کیے۔(۲۶)

غزوات کا تجزیاتی مطالعہ:

ہم حضور رسول کریم ﷺ کے ہر سفر یا ہر مہم کو الگ الگ حصوں میں بیان کر کے یہ بتائیں گے کہ کہاں دشمن نے شہرِ کرم مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ لڑنی پڑی۔ کن غزووں کی حقیقت یہ ہے کہ کفار نے حملہ کیا اور مثلاً ڈھورڈنگر (جانور وغیرہ) لے چلے تو ان کے تعاقب میں جانا پڑا۔ کون سے غزوے ایسے ہیں جو معاہدات کی خلاف ورزی کرنے اور اس طرح مشکل وقت میں پیٹھ میں چُھرا گھونپنے کی کوشش کرنے والوں سے جنگ کی صورت میں ہوئے۔ یہ الگ بتایا جائے گا کہ اگر کوئی چیلنج کرے تو اس کی تحدّی کے جواب میں، میدان میں اترنے کو جارحیت کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ جب آپ کو معلوم ہو کہ فلاں قبیلہ یا فلاں علاقے کے لوگ آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرر ہے ہیں تو کیا ان کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے انہیں جالینا اور بھگا دینا، اور یوں لڑائی کیے بغیر فتنے کا، پھلنے پھولنے سے پہلے قلع قمع کر دینا ضروری نہیں ہوتا؟۔۔۔ علاقے میں امن قائم کرنے اور دفاع مضبوط کرنے کے لیے مختلف قبیلوں کے پاس جانا اور ان سے ایک دوسرے کی مدد کے معاہدے کرنا "غزوہ" کیسے بن گیا۔ اور حد یہ ہے کہ عمرے کی خاطر مکہ مکرمہ کا رخ کرنا اور وہاں سے یہ وعدہ کر کے لوٹنا کہ ہم عمرہ آئندہ برس کریں گے، "غزوہ" کس لغت کی رُو سے بن گیا؟۔۔۔ جب کہ ''غزوہ'' کا معنیٰ ہی ''جنگ کے ارادے سے سفر کرنا'' ہے۔ ہم اسی طرح مجملاً سرایا کی بھی مختلف حیثیتیں واضح کریں گے تا کہ اسلام کے تلوار کے زور سے پھیلنے کے پروپیگنڈے کی اصلیّت سامنے آجائے۔

مدافعانہ جنگیں:

اگر کوئی قوم یا ملک آپ پر حملہ آور ہو، اور آپ مدافعت میں لڑنے پر مجبور ہوں تو اس میں آپ کا کیا قصور بنتا ہے؟۔۔۔ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی حیات طیبہ میں تین اہم ترین جنگیں اسی صورت میں پیش آئیں۔ کافر مدینہ طیّبہ پر حملہ آور ہوئے، آپ ﷺ نے شہر سے کافی دُور جا کر یا شہر سے نکل کر ان کا مقابلہ کیا۔ اس صورت کو "غزوہ" (جنگ کے ارادے سے سفر اختیار کرنا) کہنا کتنا جواز رکھتا ہے؟ اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔

☆۔ جنگِ بدر:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، یہ بات قطعاً بے جواز ہے کہ کفارِ مکہ کے کسی تجارتی قافلے کو لوٹنے کے لیے مدینہ منورہ کے جوان، بوڑھے، بچے گھر سے اَسّی میل دُور، بدر تک جا پہنچے۔(۲۷) اور مکہ

والے اپنے قافلے کو بچانے کے لیے لاؤلشکر لے کر بہت دور، بدر کے مقام تک آ گئے۔ صحیح صورتِ حال یہی معلوم ہوتی ہے کہ کفارِ مکہ سامانِ حرب سے لیس ہو کر، خاصی تیاری کے ساتھ، مدینۃ النبیؐ پر چڑھائی کے لیے چلے، حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی تیاریوں کے مقابلے کے لیے اپنی سی کوشش کی اور تین سو کچھ حضرات کو لے کر مدینہ منورہ سے دُور، کفار کے راستے میں موزوں مقام تک پہنچ گئے ۔(۲۸)

بریگیڈیئر گلزار احمد لکھتے ہیں:

''اصل واقعات یوں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ مکی لشکر مکہ سے روانہ ہو چکا ہے تو آپ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کا اجلاس عام منعقد فرمایا۔۔۔ اس موقع پر حضور ﷺ کا پوری ملت کو جمع کرنے اوران کے سامنے دفاعِ ملک وملت کے مسئلے کو پیش کرنے سے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے"۔(۲۹)

جنگِ بدر پہلی اہم ترین لڑائی تھی جس کا نتیجہ نصرتِ خداوندی کے سبب مثبت نکلا اور کفارِ مکہ کا عظیم لشکر مٹھی بھر نہتے مؤمنوں سے عبرت ناک شکست کھا کر لوٹا۔

☆۔ جنگِ اُحد:

یہ بھی سراسر مُدافعانہ جنگ تھی جس میں مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کفار کا مقابلہ کیا گیا۔ کسی سفر کی کوئی صورت نہ تھی۔ جنگ جیتی جا چکی تو ٹیلے پر متعین تیراندازوں کی غلطی اور خالد بن ولید (جو اس وقت لشکر کفار میں تھے) کی جنگی حکمتِ عملی نے مسلمانوں کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اس صورتِ حال میں ۷۰ (ستر) سے زیادہ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ کفار نے کئی شہداء کا مُثلہ کیا۔ خود آقا حضور ﷺ تک زخمی ہو گئے۔(۳۰) جب صحابہ کرامؓ واپس مُڑے تو ایک بار پھر پانسا کفارِ مکہ کے خلاف ہو گیا۔ اسی لیے حضورِ اکرم ﷺ کے حکم سے ستر صحابہؓ نے ان کا تعاقب کیا لیکن کافر ''روحاء'' کے مقام سے پہلے کہیں رُکے ہی نہیں۔

☆۔ جنگِ احزاب:

کفار نے ادھر اُدھر سے سب قبیلے مملکتِ اسلامیہ کے خلاف جمع کر لیے، یہودیوں کی سازشیں ان کی پشت پناہ تھیں۔ وہ سب مل کر ہزار ہا (دس ہزار سے بیس چوبیس ہزار) کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھ دَوڑے۔ آقا و مولا حضور سیّد الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی شریک کار رہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ:

''صحابہ کرامؓ خندق کھودنے کے عمل میں یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجهاد ما بقینا ابدا

(ہم وہ ہیں جو محمد ﷺ کے ہاتھ پر زندگی بھر کے لیے بیعتِ جہاد کر چکے ہیں)۔(۳۱)

اس جنگ کے لیے جزیرۃ العرب میں مکہ کے پھیلے ہوئے حلیفوں کا اجتماع بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک بتایا گیا۔ ان میں قریش مکہ، بنو اوجہ، بنو مرہ، بنو فزارہ، بنو سُلَیم، بنو غطفان، خیبر کے یہودی قبائل، بنو سعد، بنو کنانہ، بنو تہامہ، سب جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ (۳۲) ان کے مقابلے کے لیے شہر سے باہر نکل آنا، کیا تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کی کوشش ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی دعا قبول فرماتے ہوئے کافروں کو بھگا دیا، کھلم کھلا لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی)۔

حملہ آوروں کا تعاقب:

☆۔ بدرِ اولیٰ:

کافروں نے طے کر لیا تھا کہ مکہ سے چلے جانے کے باوجود مسلمانوں کو آرام سے نہیں رہنے دیں گے، اس لیے وہ چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے تھے۔ کُرز بن جابر بن حسیل فہری نے کچھ آدمیوں کے ساتھ، مدینہ منورہ سے تین میل دُور، وادیٔ عقیق میں موجود چراگاہ پر حملہ کر دیا، نگران حضرت ذرؓ کو شہید کر دیا، درخت کاٹے اور جلائے اور جانور ہانک کر لے گئے۔ یہ کافروں کی طرف سے پہلی شرارت تھی۔ آقا حضور ﷺ نے ۷۰ (ستّر) صحابہؓ کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ وہ جانوروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسے "غزوۂ سفوان" یا "بدرِ اولیٰ" کہتے ہیں۔ اس میں زیادتی کافروں کی تھی۔ مسلمانوں نے صرف ان کا پیچھا کر کے اپنے جانور چھڑائے۔ کوئی لڑائی نہیں ہوئی لیکن یہ غزوہ بھی ہے اور شاید تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کا ذریعہ بھی گردانا گیا۔

☆۔ سُوَیق:

بدر کے معرکے میں کافروں کی جو بھد ہوئی، اس کا بدلہ لینے کے لیے ابوسفیان نے دو سو اونٹ سواروں کے ساتھ مدینے کے نزدیک ایک مقام "عریض" پر شب خون کی صورت میں حملہ کر دیا۔ ان کا تعاقب کیا گیا تو وہ اپنے کھانے کے لیے جو ستّو ساتھ لیے پھرتے تھے، وہ پھینک کر، جان بچا کر بھاگ گئے۔ "سویق" دراصل باجرے کی ایک قسم ہے جسے چاولوں کی طرح اُبال کر کھایا جاتا ہے۔ پنجابی میں اسے "سواق" کہتے ہیں۔

یہ "معرکہ" جو دراصل معرکہ کسی طرح نہیں تھا، پھر بھی "غزوہ" کہلایا۔ حالانکہ اس میں صرف حملہ آور ڈاکوؤں کا پیچھا کیا گیا تھا، مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔ اب ہماری کتابیں اسے بھی "غزوہ" قرار دیتی ہیں اور یہ واقعہ بھی تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کا طعنہ بن گیا۔ العیاذ باللّٰہ!

☆۔ حمراء الاسد:

معرکۂ اُحد کے بعد حضور سرورِ کونین ﷺ کے حکم سے ۷۰ (ستّر) صحابہؓ نے کفار کا پیچھا کیا،

مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔ صحابہؓ رات کو واپس آ گئے۔ دوسرے دن حضورِ پُر نور ﷺ خود صحابہ کرامؓ کے ساتھ ''حمراء الاسد'' تک گئے لیکن ابوسفیان آپ ﷺ کی آمد کی خبر پا کر اپنے لشکر کو تیزی سے مکہ مکرمہ لے گیا۔ حضورِ پاک ﷺ چار پانچ دن بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

☆۔ غابہ/ ذی قرد:

''ذی قرد'' نامی چشمے پر حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ کی اُونٹنیاں تھیں۔ کافروں نے عبدالرحمٰن بن عُیَیْنَہ فزاری کی سرکردگی میں اس چراگاہ پر حملہ کیا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ان کا پیچھا کیا اور مدد کے لیے بھی اہل مدینہ کو پکارا۔ ڈاکو بھاگے، اُونٹنیاں بھی چھوڑ گئے اور بھاگتے ہوئے ان کی چادریں بھی گرتی گئیں۔ حضور رسول کریم ﷺ بھی پہنچ گئے لیکن کافر بھگوڑے ہو چکے تھے۔ سلمہؓ نے پیچھا کرنے کی اجازت طلب کی مگر آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ (۳۳) حملہ آوروں، ڈاکوؤں کو کچھ نہیں کہا گیا۔ صرف اپنے جانور چھڑائے گئے۔ کفار کا تعاقب تک نہیں کیا گیا۔ مگر اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے کا الزام بہر حال موجود ہے۔

قاتلوں کا تعاقب:

☆۔ معرکہ بنولحیان:

''رجیع'' کے مقام پر تبلیغ کے لیے گئے ہوئے دس صحابہؓ کو دھوکے سے گھیر کر شہید کر دیا گیا۔ حضرت عاصم بن ثابتؓ اور دوسرے نو صحابہؓ پر کیے گئے ظلم کا بدلہ لینے آپ ﷺ خود نکلے۔ بنولحیان کے قاتلوں کو اطلاع ملی تو وہ بھاگ کر پہاڑوں پر جا چھپے۔ حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ نے ادھر ادھر دستے بھیجے مگر وہ ہاتھ نہ آئے اور آپ ﷺ واپس لوٹ آئے۔ مبلّغین کو، کسی وجہ کے بغیر شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے دو سو صحابہؓ کے ساتھ قاتلوں کا پیچھا کیا، وہ ہاتھ نہ آئے۔ سرکارِ ابد قرار ﷺ نے ان کے گھر والوں سے، قبیلے والوں سے، دیگر کفار سے بدلہ نہیں لیا، کسی کو کچھ نہیں کہا، مگر اسلام بہر حال تلوار کے زور پر پھیلا اور اس کوشش کو بھی غزووں کی تعداد میں اضافے کے لیے استعمال کیا گیا۔

معاہدہ شکنی پر سزا:

یہودیوں کے خمیر میں شامل ہے کہ وہ سازش کریں، بلکہ سازشیں کرتے رہیں۔ سرکارِ والا تبار ﷺ نے یثرب کو مدینہ منورہ بناتے ہی، یعنی یہاں تشریف لاتے ہی، یہاں کے رہنے والے تینوں یہودی قبیلوں (بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع) سے معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کی رُو سے یہودیوں کو پوری

مذہبی آزادی حاصل تھی۔ طے ہوا کہ مسلمان ان کے خلاف کسی کی بھی مدد نہیں کریں گے اور جنگ ہوئی تو یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے، وغیرہ۔

☆۔ بنو قینقاع کی معاہدہ شکنی:

بدر کے واقعے کے بعد بنوقینقاع نے معاہدہ توڑنے کا اعلان کردیا اور کئی اور ایسی حرکتیں کیں کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ ان کے گھروں کا محاصرہ کیا اور پھر انہیں مدینہ چھوڑنے کا حکم جاری فرمایا۔

☆۔ بنونضیر کی سازشیں:

بنوقینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل سے دشمنانِ اسلام کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے لیکن واقعۂ رجیع میں دس مبلّغ صحابہ کو اور بیئرِ معونہ میں ۷۰ (ستّر) قاریوں کو شہید کرنے سے اسلام دشمنوں کے شکستہ حوصلوں کو سہارا ملا اور یہودیوں کو جرأت ہوئی تو وہ (نعوذ باللہ) پیغمبرِ اسلام ﷺ کو قتل کرنے کی سازشوں میں مشغول ہوگئے۔ سازش پکڑی گئی تو انہیں نوٹس دیا گیا کہ وہ دس دن کے اندر مدینے سے نکل جائیں۔ آخرِ کار انہیں تمام ساز وسامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے کر شہر بدر کردیا گیا۔

☆۔ بنو قریظہ کی حرکتیں:

بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد بنوقریظہ نے پھر معاہدہ کیا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے، لیکن جنگِ خندق کے موقع پر پھر معاہدے کی کھلی خلاف ورزی کی۔ ۲۵ (پچیس) دن اس معاہدہ شکن قبیلے کا محاصرہ کیا گیا۔ آخر سعد بن معاذ کی ثالثی میں فیصلہ ہوا کہ اس قبیلے کے تمام مرد قتل کردے جائیں۔ اس فیصلے پر عمل کیا گیا۔ مسلم شریف میں یہودیوں کی معاہدہ شکنی کا ذکر موجود ہے۔ (۳۴)

☆۔ فتحِ مکّہ:

حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق کسی ایک فریق کے حلیف قبیلے کے ساتھ دوسرا فریق جنگ نہیں کرسکتا تھا۔ دو سال اس پر عمل ہوا لیکن ۸ ہجری میں مسلمانوں کے ساتھی قبیلے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی لڑائی ہوئی۔ اس میں کفارِ مکہ کی آشیر باد بھی تھی اور انہوں نے کھل کر بنوبکر کی مدد بھی کی۔ بنوخزاعہ کے کچھ آدمی حضور سرورِ کونین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حقیقتِ حال بتائی۔ آپ ﷺ نے اہلِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ بنوخزاعہ کا "خوں بہا" دو اور بنوبکر کی مدد سے ہاتھ اٹھالو۔ کفارِ مکہ نے اس کے بجائے معاہدۂ حدیبیہ منسوخ کرنے کا اعلان کردیا۔ اس پر مسلمان تیار ہوئے اور مکہ پر حملہ کردیا۔ "سنن ابی داوٗد" کی چار حدیثوں میں فتحِ مکہ کا ذکر ملتا ہے۔ (۳۵)

اس خون کشی کے نتیجے میں جھڑپیں تو ہوئیں ، کھلی جنگ نہیں ہوئی اور فتح مکہ کے بعد حضور رحمت للعالمین ﷺ نے جس طرح "لا تثریب علیکم الیوم "(۳۶) کا اعلانِ عفوِ عام فرمایا اور جس عجز و انکسار کی کیفیت میں مکہ میں داخل ہوئے ،وہ اشاعتِ اسلام کے طریقوں پر کلوخ اندازی کرنے والوں کے منہ پر تھپڑ کی طرح ہے۔

چیلنج کے جواب میں:

☆۔ بدرِ موعد:

''اُحد'' سے واپسی پر ابوسفیان نے للکار کر کہا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر یدھ پڑے گا۔ فوراً بعد اسے احساس ہوگیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس نے نُعیم بن مسعود اشجعی کو بیس اونٹ دینے کا وعدہ کر کے مدینہ طیبہ بھیجا کہ مسلمانوں کو بدر آنے سے روکے۔ لیکن حضور پاک ﷺ نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور پندرہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ بدر پہنچے۔ ابوسفیان ''مـر الظهـران'' کے علاقے ''مجنہ'' پہنچ کر واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ نے آٹھ دن انتظار کیا اور واپس مدینے تشریف لے گئے۔

تحدّی کے جواب میں کی گئی یہ فوج کشی جو کسی لڑائی تک نہیں پہنچی ، " بھی غزوہ " کہلاتی ہے اور اسلام دشمنوں کی الزام تراشی میں روک نہیں بنتی۔

جب دشمن کو حملہ کی تیاری مکمل کرنے سے پہلے جالیا گیا:

کافروں کے لیے ریاستِ مدینہ کو تسلیم کرنا مشکل تھا، اس لیے وہ مرکز ریاست، مدینہ منورہ پر حملے کے لیے تیار ہوتے رہتے تھے۔ ریاستِ اسلام کے سربراہ رسولِ پاک ﷺ کو جب مصدقہ اطلاع ملتی کہ فلاں قبیلہ پَر پُرزے نکال رہا ہے، آپ ﷺ اس کی سرکوبی کے لیے مہم ترتیب دے دیتے۔ خود تشریف لے جاتے یا کسی صحابی کو امیر بنا کر بھیجتے ، اس طرح کی کاوشوں کا ایک مجمل ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

☆۔ "غزوہ" بنی سلیم/ قُرقُرۃ الکُدر

خبر ملی کہ بنو سُلیم اور بنو غطفان ،ارحصیہ کے نزدیک قرقرۃ الکدر میں جمع ہو رہے ہیں تا کہ مدینہ پر چڑھائی کی جائے۔ یہ جگہ مدینہ کریمہ سے کوئی ۸۰ (اَسّی) میل دُور تھی۔ حضور اکرم ﷺ دو سو صحابہؓ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے نکلے۔ لیکن وہ بہادر، مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر بھاگ گئے۔ تین دن بعد آپ ﷺ واپس آ گئے۔ ایک "غزوہ" یہ ہے۔

☆۔ "غزوہ" ذی امر/ غطفان/ انمار

نجد میں غطفان کے علاقے میں "ذی امر" ایک چشمہ تھا۔ اطلاع ملی کی بنو محارب اور بنو ثعلبہ مدینے میں لوٹ مار کے لیے وہاں جمع ہو رہے ہیں۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ ساڑھے چار سو صحابہؓ کے ساتھ وہاں گئے۔ انہیں بھی خبر مل گئی تھی، اس لیے وہ بھاگ گئے۔ بس، ان کا ایک شخص ملا۔ اسے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آیا۔ ایک مہینے کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ "تلوار" کے ذریعے اسلام پھیلانے والا ایک "غزوہ" یہ بھی ہے۔

☆۔ "غزوہ" بحران/ بنو سلیم

پچاس ساٹھ میل دُور، فرع کے نزدیک بحران کے مقام پر بنو سلیم اسلام کی مخالفت میں جمع ہو رہے تھے کہ انہیں بھی بھگانے کا اہتمام فرمایا گیا۔ تین سو صحابہؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ لیکن کافروں نے جان بچانا فرض سمجھا اور ہاتھ نہ آئے۔

☆۔ "غزوہ" نجد:

بنی نضیر سے فارغ ہونے کے بعد بنو غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے بارے میں اطلاع ملی کی بدوؤں کو مسلمانوں سے لڑائی کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی پیغمبر انسانیت ﷺ کی آمد کی خبر پا کر شرارتی افراد ادھر ادھر ہو گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

☆۔ "غزوہ" بنو مصطلق/ مُرَیسیع

معلوم ہوا کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملے کا منصوبہ بنایا ہے۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے بریدہ بن حصیب اسلمیؓ کو تصدیق کے لیے بھیجا۔ وہ خبر لائے کہ اطلاع درست ہے۔ یہاں بھی صحابہ کرامؓ کے ہمراہ حضور ﷺ کے آنے کی خبر پا کر سب لوگ بھاگ گئے۔ البتہ مریسیع کے رہنے والوں نے مقابلہ کیا جس میں دس کافر مارے گئے اور ایک مسلمان شہید ہوا۔ سردار حارث کی بیٹی "بَرّہ" بھی قیدیوں میں تھی، جو مسلمان ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے ان کا نام "جویریہ" رکھا (رضی اللہ عنہا) اُنہیں اُم المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ (۳۷)

☆۔ غزوہ خیبر:

خیبر کے یہودی، غطفان کے قبیلوں بنو فرارہ، کنانہ اور ہووہ بن قیس کے ساتھ مل کر اسلام کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ شرارت

سے باز آجائیں اور صلح کا معاہدہ کرلیں۔ لیکن وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے زیر اثر تھے، سیدھی راہ پر نہیں آئے۔ حضور ﷺ چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لے کر خیبر گئے۔ خیبر میں بیس ہزار فوج جمع تھی۔ خیبر کے آٹھ قلعوں میں سب سے پہلے قلعہ ''ناعم'' پر حملہ اور قبضہ کیا گیا۔ دوسرے دن قلعہ ''صعب'' بھی فتح ہوگیا۔ تین دن بعد قلعہ ''زبیر'' جو پہاڑی کی چوٹی پر تھا، وہ بھی فتح ہوا۔ قلعہ ''نزار'' پر منجنیق سے گولے برسائے گئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ آخر کار یہودیوں کو عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ احادیث میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قلعہ فتح ہونے کی روایات ملتی ہیں۔ (۳۸) دوسری طرف کے تین قلعے بھی فتح ہوگئے۔

☆۔ غزوۂ حُنَین :

مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی، حنین ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف کے قبیلے آباد تھے۔ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری نے مدینۃ النبی ﷺ پر حملے کی تیاری کی۔ خبر کی تصدیق کے بعد حضور پاک ﷺ بارہ ہزار مجاہدوں کے ساتھ حنین پہنچے۔ کافر پہلے سے تیار تھے۔ اس لیے پہلے ہلے میں مجاہدوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ آپ ﷺ اُحد کی طرح میدان میں ڈٹے رہے۔ (۳۹) مجاہدوں نے مڑ کر حملہ کیا۔ کافروں کو شکست ہوئی اور ہزاروں قید ہوئے۔

☆۔ ''غزوۂ'' طائف:

حنین میں کافروں کی فوج شکست کھا کر طائف میں پناہ گزین ہوئی اور وہاں جنگ کی تیاری شروع کردی۔ حضور پاک ﷺ نے کئی دن محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن بعد میں محاصرہ چھوڑ کر ''جعرانہ'' تشریف لے گئے۔

☆۔ ''غزوۂ'' تبوک:

روغن زیتون کے ''شام'' کے بیوپاریوں نے بتایا کہ رُومیوں کا ایک بڑا لشکر ''بلقاء'' کے مقام تک پہنچ چکا ہے اور اس میں عرب قبیلے بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ہرقل نے بھی چالیس ہزار فوجی بھیجے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے تیاری شروع کردی۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر درست نہ تھی۔ چنانچہ یہاں جنگ نہیں ہوئی لیکن دشمن بہرحال مرعوب ہوگئے۔ (۴۰)

☆۔ غزوۂ وادی القریٰ:

خیبر کی فتح کے بعد حضور رسول اکرم ﷺ وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے تیروں سے خیر مقدم کیا۔ دوسرے دن دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر یہودیوں کو شکست ہوئی۔ اسلامی لشکر نے وہاں چار دن قیام کیا۔

☆۔ "غزوۂ "ذات الرقاع:

قبیلہ "انمار" یا "بنو غطفان" کی دو شاخوں کے اکٹھ کی خبر سن کر آقا حضور ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ نجد کے علاقے کا رخ کیا۔ یہاں لڑائی نہیں ہوئی، البتہ سر اٹھانے کی کوشش کرنے والے ڈر گئے اور آئندہ کسی ریشہ دوانی یا سازش کا خطرہ نہ رہا۔

حضور رسولِ اَنام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفارتی اسفار:

☆۔ ابواء، بواط، ذوالعشیرہ، بنوغفار:

یہ چاروں حضور سرورِ کونین ﷺ کے سفارتی اور معاہداتی سفر تھے لیکن مؤرخین نے انہیں بھی غزوات میں شمار کیا اور اس طرح غزووں کی تعداد میں "معتد بہ "اضافہ کر لیا۔ واقدی (۴۱) ابن سعد (۴۲) اور طبری (۴۳) ان سب اسفار کا مقصد تجارتی قافلوں کو لوٹنا بتاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ "بنوضمرہ" سے معاہدے کی خاطر جو پہلا سفارتی سفر آقا حضور ﷺ نے فرمایا، اسے "غزوہ ابواء" کا نام دیا گیا۔ ابن اسحٰق اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ سفر بنوضمرہ کو سزا دینے اور مکی قافلہ لوٹنے کی غرض سے کیا گیا۔ قافلہ تو نہ ملنا تھا، نہ ملا، لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ بنوضمرہ کو سزا کس جرم میں دینا تھی اور پھر کیوں نہ دی گئی۔ آمنا سامنا تک نہ ہوا، صرف معاہدہ ہوا۔

"المواهب اللدنيه" اور "سیرتِ حلبیہ" کے حوالے سے نور بخش توکلی نے معاہدے کا متن نقل کیا ہے:

> "یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تحریر ہے بنوضمرہ کے لیے، بدیں مضمون کہ ان کے مال اور جانیں محفوظ رہیں گی اور جو شخص ان کا قصد کرے گا، تو اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی، جب تک سمندر پشم کو تر کرتا رہے گا (یعنی ہمیشہ)، بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دین کی مخالفت میں لڑیں۔ پیغمبر ﷺ جب ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو وہ آئیں گے۔ ان کے ساتھ اس اَمر میں اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) کا عہد ہے"۔ (۴۴)

"کوہِ بواط" کے لوگوں کی خاطر جو سفارتی اور معاہداتی سفر سرکارِ دو عالم ﷺ نے کیا، اسے بھی "غزوۂ بواط" کا نام دیا گیا۔ بنومدلج کے ساتھ معاہدے کے لیے کیے گئے سفر کو "غزوۂ ذوالعشیرہ" کہا

گیا ہے اور بنو غفار اور بنو اسلم کے ساتھ معاہدے کے لیے کیا گیا سفر "غزوۂ بنو غفار" کہلایا۔

سرایا:

غزوات کی طرح سرایا کے حوالے سے بھی یہی رویّہ رَوا رکھا گیا۔ سریہ حمزہؓ، سریہ سیف البحر، سریہ رابغ، سریہ خرار، سریہ ابان بن سعیدؓ جنگی مہمیں نہیں تھیں، محض گشت کرنے والے دستوں کا مارچ تھا۔ بئرِ معونہ اور سریہ رجیع میں تو بالترتیب ۷۰ (ستّر) اور ۱۰ (دس) صحابہؓ کو تبلیغ کی خاطر بھیجا گیا تھا، انہیں کفار نے شہید کر دیا۔ یہ کیسے جنگی مہمیں بنیں؟

سریہ عبداللہ بن رواحہؓ صلح کا پیغام لے کر جانے والوں کو شہید کرنے کی کوشش کا شاخسانہ تھا۔

''حسمٰی'' کی مہم ڈاکوؤں پر حملے کی صورت تھی۔

''عُرَینہ'' کی مہم مرتد ڈاکوؤں کے تعاقب کی شکل تھی۔

''سریّہ جموم'' حملے کا مزا چکھانے کی خاطر ہوا۔

شوال ۸ ہجری میں بنو خُزیمہ اور بنو سلیم کو اسلام کی دعوت دینے کے مقصد سے ایک مہم حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں بھیجی گئی تو ایک غلط فہمی کی بنا پر لڑائی ہوئی اور کچھ کافر مارے گئے۔ حضور پاک ﷺ اس پر حضرت خالدؓ سے کچھ عرصہ ناراض رہے۔

حضرت علیؓ کو تبلیغ کے لیے یمن بھیجا تو وہاں کے کافروں نے اسلامی لشکر پر تیر برسانے شروع کر دیے، اس پر لڑائی چھڑ گئی۔

''سریّہ نخلہ'' خبر رسانی کے لیے بھیجے گئے صحابہؓ تھے۔

''سریّہ وادی القریٰ'' زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ تھا جس پر قبیلہ فزارہ کے ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا، قافلہ لوٹ لیا اور سامان چھین لیا۔ حضرت زیدؓ زخمی حالت میں مدینہ پہنچے۔

''سریّہ عیینہ'' اور مہم بنو تمیم جزیہ نہ دینے والوں کے خلاف مہمیں تھیں۔

قرطاء کی مہم، سریہ غمر اور ''طرف'' کی مہمیں مظلوموں کا بدلہ لینے کے لیے تشکیل دی گئیں۔

مہم الفلس اور عزیٰ، سواع اور منات کی تباہی کے لیے جو مہمیں بھیجی گئیں، ان کا مقصد بت پرستی کا قلع قمع تھا۔

ابی رافع، یہودی اسلام کا بدترین دشمن تھا، اسے قتل کرنے کے لیے ابن عتیکؓ کو بھیجا گیا۔

عصماء، ابوعفک اور کعب بن اشرف کے قتل کی مہمات کا مقصد توہین رسول پاک ﷺ کرنے والوں کا قتل تھا۔ اسلام میں حرمتِ محبوبِ ربّ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حفاظت کا صرف ایک

ہی طریقہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، صفحۂ ہستی کو اس کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا جائے۔

وہ سرایا جن میں دشمن کو حملے کی تیاری مکمل نہ کرنے دی گئی، یہ ہیں: "مہم قطن، مہم عرنہ، سریہ ذوالقصہ (محمد بن سلمہؓ) سریہ ذوالقصہ (ابوعبیدہؓ)، مہم فدک، مہم تربہ، مہم بنی کلاب، میفعہ کی مہم، الجناب کی مہم، کدید کی مہم، سریہ شجاع بن ابی وہبؓ، مہم ذات السلاسل، سریہ غابہ، خضرہ کی مہم، سریہ خبط، سریہ قطبہ بن عامرؓ، سریہ علقمہ بن مجززؓ، سریہ اسامہ بن زیدؓ۔

حالات کے اس تجزیے سے ثابت ہوتا ہے کہ "غزوہ" اور "سریہ" معنی کے لحاظ سے جنگی مہمیں ہیں، لیکن عملی طور پر ایسا نہیں۔ ہم نے غزوات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے لیکن سرایا کا بیان مجمل ہے۔ بہر حال، اس سے حقیقت حال ضرور واضح ہو جاتی ہے اور اسلام دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کی اصلیت سامنے آجاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اسی طرح ہمارے مؤرخین کی بے احتیاطیاں بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں یا آپ ﷺ کے کسی نامزد صحابیؓ کی سرکردگی میں تشکیل پانے والی مہموں کو سیرت کی کتابوں میں، ان کی اصلی صورت کے مطابق کوئی نام دیا جانا چاہیے۔ نپٹ غزوہ یا سریہ کہ کر غلط فہمیوں کو جنم دینے والا راستہ اب ترک کر دینا چاہیے۔

حواشی

۱۔ سورۃ الاعراف ۷:۱۸۴/سورۃ الروم ۳۰:۸

۲۔ سورۃالنساء ۴:۸۲/سورۂمحمد ۴۷:۲۴ (یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے)

۳۔ سورۂآل عمران ۳:۱۵۶۔

۴۔ راغب اصفہانی، امام۔مفردات القرآن، ترجمہ وحواشی از محمد عبدہٗ فیروز پوری، اہل حدیث اکادمی لاہور، جنوری ۱۹۷۱ء۔ص ۷۵۳

۵۔ حسن الاعظمی، محمد۔المعجم الاعظم، الجزأ الثالث، یعنی عربی اُردو لغات۔جلد سوم، فرنٹیئر پبلشنگ کمپنی لاہور۔س ن۔ص ۲۰۱۴

۶۔ المنجد (عربی اُردو)، مترجمین سعد حسن خان یوسفی ودیگر۔دارالاشاعت کراچی۔جولائی ۱۹۷۵ء، ص ۷۰۸

۷۔ **Hughes, Thomas Patrick, Dictionary of Islam, Premier Book House, Lahore,1986, P 139.**

۸۔ قاسم محمود، سیّد (مدیر) اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، س ن، ص ۱۱۱۸۔
۹۔ سبطِ حسن، سیّد، ودیگر، اُردو انسائیکلو پیڈیا۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۴ء۔ ص ۱۴۷
۱۰۔ نقوش، لاہور، رسول نمبر، جلد ۵ (مقالہ: عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت۔ از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی)
۱۱۔ صدیق قریشی پروفیسر، محمد۔ رسولِ اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت اوّل ۱۹۹۰ء، ص ۴۶۔
۱۲۔ رؤفہ اقبال، ڈاکٹر۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور، اشاعت اوّل نومبر ۱۹۸۴ء، ص ۹۔
۱۳۔ **كتاب الجهاد و السير ،باب عدد غزوات النبی ﷺ۔**
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ ص ۱۱۱۸۔
۱۶۔ رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی۔ ص ۵۲۔
۱۷۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۳۸۲ (مضمون "مہماتِ رسول ﷺ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق)
۱۸۔ آصف قدوائی، ڈاکٹر۔ مقالاتِ سیرت، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔ ۱۹۵۹ء۔ ص ۱۸۰
۱۹۔ الدعوۃ (مجلّہ) اگست ۲۰۰۰ء۔ ص ۲۱ ("عہد نبوی کے غزوات وسرایا کا ایک سبق آموز خاکہ)
۲۰۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۳۸۱۔
۲۱۔ ایضاً۔ ص ۳۱۹ (مضمون "غزوات نبوی ﷺ" از محمد طاہر فاروقی)
۲۲۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی، ص ۱۵۶۔ الدعوۃ۔ اگست ۲۰۰۰ء، سلطان علی، ص ۲۳۔
۲۳۔ عبدالباری، رسول کریم ﷺ کی جنگی اسکیم۔ الفیصل ناشران، لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۳۔
۲۴۔ محمد بن سعد۔ طبقات (حصہ اوّل۔ اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اُردو ترجمہ از عبداللہ العمادی۔ نفیس اکیڈمی، کراچی۔ طبع ششم، ستمبر ۱۹۸۷ء۔ ص ۳۰۶۔
۲۵۔ مثلاً اصح السیر از عبدالرؤف دانا پوری/ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ از محمد ادریس کاندھلوی/ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ از سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی/ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم از نور بخش توکلی۔
۲۶۔ اظہر محمود۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم دی جنگی زندگی۔ اختر کتاب گھر لاہور، ۱۹۹۹ء (اس کتاب پر مصنف کو قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد، ۲۰۰۰ء میں صدارتی ایوارڈ دیا گیا)
۲۷۔ بریگیڈئر گلزار احمد، بدر کو مدینہ منورہ سے قریباً ۹۲ میل اور مکہ مکرمہ سے قریباً ۱۲۰ میل بتاتے ہیں (غزواتِ رسول اللہ ﷺ۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ اشاعت اوّل مئی ۱۹۸۲ء۔ ص ۲۱۸)
۲۸۔ **مسلم. محمد بن حجاج، الجامع الصحیح للمسلم ، كتاب الجهاد و السِّیَر ،باب غزوة بدر.**

۲۹۔ غزواتِ رسول اللہ ﷺ ۔ص ۲۳۹،۲۴۰۔

۳۰۔ بخاری ،کتاب الجهاد والسِّیَر، باب المجن ومن یتترس بترس صاحبه و باب لبس البیضة ۔

۳۱۔ ایضاً . کتاب الجهاد والسیر ،باب حض الخندق

۳۲۔ نقوش،رسول ﷺ نمبر۔جلد۴،ص ۳۵۵،۳۵۶ (مضمون "غزوات خاتم الرسل ﷺ)

۳۳۔ مسلم ،کتاب الجهاد والسیر ،باب غزوة ذی قرد وغیرها.

۳۴۔ ایضاً .باب احلاء الیهود من الحجاز .باب جواز قتال من نقض العهد . وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل الحکم.

۳۵۔ سنن ابی داؤد .کتاب الفرائض. باب ما جآء فی خبر مکة .

۳۶۔ سورۂ یوسف ۔۱۲:۹۲۔

۳۷۔ مسلم، کتاب الجهاد والسیر کی پہلی حدیث /مشکوٰة المصابیح . کتاب آداب السفر . باب القتال فی الجهاد .

۳۸۔ بخاری . کتاب الجهاد والسیر .باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوة ،باب ماقبل فی لواء النبی ﷺ ،باب التکبر عندالحرب /مسلم، باب غزوۂ خیبر.

۳۹۔ ایضاً . کتاب الجهاد والسیر .باب بغلة النبی ﷺ / مسلم ،کتاب الجهاد والسیر . باب غزوۂ حنین .

۴۰۔ عنایت اللہ وارثی ،محمد،غزوات مقدس۔مکتبہ تعمیر انسانیت،لاہور۔بارسوم،س ن ۔ص ۲۱۷

۴۱۔ واقدی،مغازی الرسول ﷺ ۔اُردو ترجمہ از بشارت علی خان۔ ادبیات،لاہور ۱۹۸۸ء،ص ۳

۴۲۔ طبقات ۔جلد اوّل ۔ص ۳۰۸ تا ۳۱۰

۴۳۔ تاریخ الامم والملوک/ تاریخ طبری ،جلد اوّل ،سیرت النبی ﷺ ،اُردو ترجمہ از سیّد محمد ابراہیم ندوی۔نفیس اکیڈمی،کراچی،طبع ششم ،جون ۱۹۸۷ء،ص ۱۴۹،۱۵۰

۴۴۔ توکلی،نور بخش،غزوات النبی ﷺ ۔پاکستان سنی رائٹرز گلڈ لاہور،۱۹۸۱ء،ص ۱۵

نامِ محمد ﷺ ۔۔۔کمالاتِ نبوی کا آئینہ دار

☆ حافظ محمد سعد اللہ

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب خاتم النبین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو جہاں خَلق اور خُلق کے اعتبار سے بے حساب فضائل و کمالات اور محاسن و محامد سے نوازا ہے اور ہر جہت، ہر زاویے اور پہلو سے اوّلین و آخرین، بلکہ پوری کائنات سے منفرد و ممتاز، یکتا، بے نظیر، بے مثل، کامل، مکمل، اکمل اور جامع بنایا ہے، وہاں نام کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ کو انبیاء کرام علیہم السلام سمیت دنیا کے تمام انسانوں کا سردار بنایا ہے۔ جتنی جامعیت، وسعت اور فصاحت و بلاغت اسم ''محمد'' میں پائی جاتی ہے، جن و انس حتیٰ کہ ملائکہ میں سے بھی کسی کے نام میں نہیں پائی جاتی۔ جس طرح فقط یہ نام مبارک ہی معجزانہ انداز میں اپنے باکمال مسمی کے تمام خَلقی و خُلقی، ظاہری و باطنی، حسی و معنوی اور وہبی و کسبی کمالات کا احاطہ کرتا ہے اس طرح کوئی دوسرا نام بالعموم اپنے مسمی میں پائے جانے والے کمالات کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات تو اس میں اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تک تمام پیغمبر اپنے اپنے زمانے میں موجود تمام ابنائے جنس سے، بلاشبہ ظاہری و جسمانی حسن اور باطنی و روحانی کمالات کے اعتبار سے فوقیت رکھتے تھے، کیونکہ وہ اللہ کے منتخب رسول تھے۔ **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس ان اللہ سمیع بصیرہ** (۱) اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے بیشک اللہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس کے باوجود جب ہم ان کے نامہائے مبارکہ کے لفظی معانی پر غور کرتے ہیں تو یہ معانی ان کی ذواتِ مقدسہ میں موجود فضائل و کمالاتِ نبوت پر دلالت نہیں کرتے۔ مثلاً سب سے پہلے انسان اور پہلے پیغمبر کا نام سیدنا "آدم" ہے۔ اور '' آدم'' کا لفظی معنیٰ '' گندم گوں'' ہے۔ اس طرح "نوح" کے لفظ کا معنی '' آرام''۔ اسحاق کا معنیٰ ''ضاحک''، یعقوب کا معنیٰ پیچھے آنے والا، موسیٰ کا معنی پانی سے نکلا ہوا، یحییٰ کا معنی عمر دراز اور عیسیٰ (علیہم السلام اجمعین) کا معنی ہے سرخ رنگ۔ ان تمام اسماء مبارکہ میں سے کوئی بھی اسم اپنے مسمیٰ کی نبوی عظمت و رفعت اور بلندیٔ مرتبت کی طرف اشارہ تک نہیں کرتا جبکہ '' نامِ محمد ﷺ ''

☆۔ ایڈیٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

اپنے مسمی کے تمام اوصاف وکمالات کی طرف اشارہ ہی نہیں کرتا بلکہ پوری دلالت بھی کرتا ہے۔

نامور مفسر علامہ آلوسی بغدادی نام ''محمد'' کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقدجمع هذا الاسم الكريم من الاسرار مالا يحصى (۲)

یہ باعزت نام لاتعداد اسرار ورموز کا جامع ہے۔

مشہور اُردو مفسر مفتی احمد یار خان نعیمی نے نام محمد ﷺ کے اندر پنہاں بے شمار اسرار ومعانی میں سے پندرہ عدد کی نشاندہی کی ہے اور بڑے ایمان افروز نکات بیان کیے ہیں۔(۳)

ذیل کی سطور میں اسی اجمال کی قدرے تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے تمام ناموں کو دو قسموں ، ''ذاتی نام'' اور'' صفاتی نام'' میں تقسیم کیا جاسکتاہے۔ جہاں تک صفاتی ناموں کا تعلق ہے، تو آنجناب ﷺ کی صفات وکمالات میں تعدد وکثرت کے باعث یہ اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اتنی کثرت دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے ناموں میں نہیں پائی جاتی اور یہ ناموں کی کثرت بھی مسمی کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ مشہور حنفی فقیہ و محدث ملا علی قاری نے حضور ﷺ کے اسماء گرامی کی بحث میں لکھا ہے۔

"ثم من القواعد المقررة ان كثرة الاسماء تدل على عظمته المسمى "(۴)

(پھر مسلمہ قواعد میں سے یہ قاعدہ بھی ہے کہ ناموں کی کثرت مسمی کی عظمت وبزرگی پر دلالت کرتی ہے)

بہرکیف آپ ﷺ کے صفاتی نام عام طور پر تو ۹۹ (ننانوے) مشہور ہیں مگر محدث نووی اور بعض دیگر محدثین نے قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی کے حوالے سے اسماء الٰہی کی طرح ان کی تعداد بھی ایک ہزار تک بتائی ہے۔(۵)

حضور اکرم ﷺ کا ذاتی نام "محمد "اور "احمد " ہے۔ نام نامی "محمد " کا ذکر قرآن مجید میں چار مقام پر(۶)اور "احمد " کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے حوالے سے ایک جگہ ہے(۷) پھر ان دو ناموں میں بھی نام "محمد " زیادہ مشہور ہے۔(۸)اس سلسلے میں ملا علی قاری نے حضور ﷺ کے اسماء گرامی پر مشتمل امام جلال الدین سیوطی کے ایک مستقل رسالہ **"البهجةُ السويةفی الاسماء النبوية "** کی بھی نشاندھی کی ہے(۹) آئندہ سطور میں آپ کے نام گرامی "محمد " کے معنوی اعجاز وحقیقت اور جامعیت وکمالات کے حوالے سے چند معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

چنانچہ نامِ "محمد " کے حوالے سے سب سے پہلی حیرت انگیز بلکہ معجز نما بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر حضور اکرم ﷺ کی ولادت تک ہزاروں سالوں پر مشتمل انسانی تاریخ میں جس طرح قرآن مجید کی صراحت کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا

گیا(۱۰) ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل تک کسی بچے کا نام "محمد" نہیں رکھا گیا اور ابن قتیبہ کے مطابق یہ بھی حضور ﷺ کی نبوت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ کیونکہ کسی اور کا نام بھی "محمد" رکھا گیا ہوتا، تو اس سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت میں شبہ پڑ سکتا تھا۔(۱۱)

البتہ آپ ﷺ کی ولادت طیبہ سے تھوڑا عرصہ پہلے عرب میں چند آدمیوں کا نام "محمد" ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والدین نے کاہنوں اور یہود و نصاریٰ کے علماء سے سن رکھا تھا کہ عنقریب آخر الزماں پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام "محمد" ہوگا۔ مگر خالی نام رکھنے سے تو کوئی آدمی واقعی اصلی ازلی اور ابدی "محمد" نہیں بن سکتا۔ (الله اعلم حيث يجعل رسالته)

این سعادت بزور بازو نیست تانه بخشد خدائے بخشنده

دوسرے، مشیت ایزدی نے ایسا انتظام کیا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس مشیت ایزدی کے پیچھے یہی حکمت نظر آتی ہے کہ، نام کے اشتباہ سے حضور ﷺ کی آخری، دائمی و ابدی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا اشتباہ پیش نہ آئے۔(۱۲)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ درج بالا استثنائی واقعہ چھوڑ کر جب پورے عرب میں نسلاً بعد نسل کسی کا نام "محمد" نہیں تھا اور نہ آپ ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی بزرگ اس نام سے موسوم تھے تو آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب اور والدہ ماجدہ کے ذہن میں یہ منفرد، نیا اور انوکھا نام رکھنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا؟ تو جزوی تفصیلات میں جائے بغیر اس کا جواب محدثین و سیرت نگاروں نے ایک تو، یہ دیا ہے کہ یہ مبارک نام خالق کائنات کی طرف سے حضرت عبد المطلب اور سیدہ آمنہ کو مختلف ذریعوں سے الہام کیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ عمدہ خصال و صفات کے پیکر تھے۔(۱۳) دوسرے یہ نام نیک فال کے طور پر رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی کے ساتویں دن عرب کے عام دستور کے مطابق جب حضور ﷺ کے دادا جان حضرت عبد المطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا، تو کھانا کھانے کے بعد مدعوئین نے پوچھا، اے عبد المطلب، تم نے جس پوتے کے لیے ہماری ضیافت کی ہے، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ آپ نے بتایا کہ "محمد" انہوں نے پھر سوال کیا کہ اپنے خاندانی ناموں سے ہٹ کر آپ نے یہ نام کیوں تجویز کیا؟ تو آپ نے کہا: "رجاءَ ان يحمد"(۱۴) میری خواہش ہے کہ خالق کائنات آسمان میں اور مخلوق خدا، زمین میں اس کی تعریف کرے۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت عبد المطلب کی طرف سے اپنے پوتے کا نام "محمد" رکھنے کا باعث، ان کا خواب بھی بتایا ہے کہ انہوں نے آپ کی ولادت سے قبل یہ عجیب خواب دیکھا کہ ان کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی جس کی اطراف آسمان و زمین اور مشرق و مغرب کو چھو رہی تھیں۔ پھر اس زنجیر نے درخت کی شکل اختیار کر لی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زاید

ہے۔ مشرق و مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں، قریش مکہ میں سے بھی بعض اس کی شاخوں سے چمٹے ہوئے ہیں جبکہ بعض اسے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

معبرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے نیز اہلِ آسمان اور اہلِ زمین، سب اس کی تعریف کریں گے۔(۱۵)

اب جہاں تک نام "محمد ﷺ" کے معنوی اعجاز اور معنوی حقیقت کا تعلق ہے، تو اس لفظ کا مادۂ اشتقاق "حمد" ہے اور حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ، کمالاتِ جمیلہ اور فضائل و محاسن کو محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اسم پاک محمد ﷺ، مصدر تحمید (باب تفعیل) سے مشتق ہے اور اس باب کی خصوصیت مبالغہ اور تکرار ہے۔ لفظ "محمد" اسی مصدر سے اسم مفعول ہے اور اس سے مقصود، وہ ذات بابرکات ہے۔ جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات اور اصلی محامد کو عقیدت و محبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔(۱۶)

غالباً نام "محمد" کی اسی معنوی حقیقت اور جامعیت کے پیش نظر آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب نے کہا تھا اور یہ حضرت حسانؓ سے بھی منقول ہے کہ:

وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود و هذا محمد (۱۷)

لہٰذا لفظ "محمد" کے اس مادۂ اشتقاق اور اس کی معنوی حقیقت کے پیش نظر، یہ کہا جاسکتا ہے کہ نام مبارک کا عام اور سادہ سا ترجمہ "(وہ ذات جس کی تعریف کی گئی ہو" کافی نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اَن گنت فضائل و کمالات کے سامنے یہ ترجمہ ہیچ ہے۔ خالی تعریف تو بہت سارے لوگوں کی، کی جاتی ہے۔ اسی لیے علماء لغت نے نام مبارک کی لفظی و لغوی تعریف "**الکثیر الخصال الحمیده** "(۱۸) اور "**الذی کثرت خصاله المحموة**(۱۹)" کے الفاظ میں بیان کی ہے ان دونوں تعریفوں کا معنی ہے۔

"وہ ذات جس میں ستودہ صفات، قابل تعریف، خصال و عادات کثرت سے پائی جاتی ہوں، جبکہ صاحب قاموس نے لفظ "محمد" کو تحمید سے مشتق قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"**التحميد حمد الله مرة بعد مرة و منه محمد كانه حمد مرة بعد مرة**".(۱۹)

"تحمید (حمد سے بابِ تفعیل کا مصدر) کا معنی ہے یکے بعد دیگرے اور بار بار اللہ کی تعریف کرنا اور اسی مادہ سے "محمد ﷺ" کا لفظ ماخوذ ہے تو گویا اس کا معنی ہوا وہ ذات جس کی یکے بعد دیگرے بار بار ہمیشہ تعریف کی گئی ہو۔"

اور صاحبِ مفردات نے "محمد" کا معنی لکھا ہے۔

''الذی اجتمعت فیه الخصال المحمودة.''(۲۱)

''وہ ذات جس میں تمام لائق تعریف خصال وعادات، جمع کردی گئی ہوں۔''

معروف سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوری، حضور ﷺ کے اسم گرامی ''محمد ﷺ'' کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: "محمد، حمد سے مبالغہ کے لیے ہے یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں، ملائکہ مقربین، میں بھی محمود ہیں، زمرۂ انبیاء ومرسلین میں بھی محمود اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضور کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان ''سجا'' یا ''وشیم'' کے مداح ہیں، جن کا لزوم وثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بدرجۂ اتم ہے۔(۲۲)

معروف ادیب، سیرت نگار اور مفسر عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے:

"محمد "عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے، جو بابِ تفعیل کا مفعول ہے۔اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا، وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہری طاقت نے اس کو وجود میں آنے پر مجبور کیا۔جیسے ''صـــرف'' (اس نے پھیر دیا)۔یعنی طاقت سے بے اختیار کر کے پھیر دیا۔اس طرح ''محمد'' کے معنی ہیں وہ ذات جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔اس معنی سے اسی قوتِ جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔عبداللہ بن سلام (اپنے زمانے کے معروف یہودی عالم) کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے: ''ھــذا لیــس بــوجه کذاب'' (یہ مبارک وروشن چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔) یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔لیکن اب بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعیِ جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جب کبھی اصلی صورت ان کے سامنے پیش کی گئی، تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کیے ہوئے ہے۔کوئی جز اس سے چھوٹا ہوا نہیں۔چنانچہ عربوں کے استعمال میں آتا ہے "قتـلـه قتیلا "یعنی اس نے اسے اچھی طرح قتل کیا (کہ مقتول کے ہر عضو پر اس کی زد پڑی) اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد ﷺ "یعنی جس کا جز جز قابلِ تعریف ہے۔اصلاحِ نفس، تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کردیا۔(۲۳)

نام نامی "محمد ﷺ " کے لفظی ولغوی معنی کی گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات، جس کی ہمیشہ بار بار اور ہر جہت وزاویہ سے تعریف کی گئی ہو

۔جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔تعریف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ چنانچہ خالقِ کائنات سے لے کر مخلوق تک، انبیاء کرام سے لے کر جن و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح، سب نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے، اور آج بھی دنیا کے کوئی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی زبانیں دن میں نہ جانے کتنی بار آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کے لیے متحرک رہتی ہیں ۔حتیٰ کہ کفار اور غیر مسلموں میں بھی ایک انصاف پسند طبقہ ایسا ہے جو اگر چہ آپ ﷺ کو رسول تسلیم نہیں کرتا مگر آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ، امانت دیانت، عدل و انصاف صداقت و راستبازی اور انسانی ہمدردی و خیر خواہی جیسی خوبیوں کا معترف ہے۔

اسم "محمد ﷺ" کی درج بالا معنوی حقیقت بھلا عرب کے اہل زبان سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو "محمد ﷺ" کہہ کر آپ کی مذمت بیان نہیں کرسکتا۔اگر کرے گا تو اپنے منہ سے جھوٹا ہوگا کہ ایک تو آپ ﷺ کو محمد ﷺ (سراپا تعریف) کہتا ہے دوسرے آپ ﷺ کی مذمت بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اہل مکہ نے اسی تضاد اور مشکل سے بچنے کے لیے آپ کا نام "محمد ﷺ" کی بجائے مذمم (مذمت کیا گیا) تجویز کرر کھا تھا اور اسی نام سے آپ کی ذات والا شان کو سب و شتم کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے تھے (۲۴) گویا ان کا یہ طرزِ عمل اور سب و شتم کا انداز بھی خود "محمد" کی معنوی حقیقت پر دلالت کرنے والا تھا، اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا تھا۔

"الا تعجبون كيف يصرف الله عنى شتم قريش، ولعنتهم يشتمون مذمما ويلعنون مذمما وانا محمد. (۲۵)

"یہ بات باعث تعجب و حیرت نہیں کہ کس طرح اللہ نے قریش مکہ کے سب و شتم اور ان کی لعنت کو میری ذات سے پھیر دیا ہے۔وہ "مذمم" نامی شخص کو گالیاں دیتے اور اس پر لعنت کرتے ہیں ۔جبکہ میں تو بحمد اللہ محمد (سراپا تعریف) ہوں۔"

جبکہ ابن سعد نے یہی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے!

"يا عباد الله انظروا كيف يصرف الله عنى شتمهم ولعنهم يعنى قريش قالوا كيف يارسول الله؟قال يشتمون مذمما ويلعنون مذمما وانا محمد. (۲۶)

"اے بندگانِ خدا! دیکھو! اللہ کریم نے کیسے قریش مکہ کی گالیوں اور لعنت ملامت کو میری ذات سے پھیر دیا ہے۔لوگوں نے پوچھا وہ کیسے یا رسول اللہ؟ فرمایا وہ مذمم نامی آدمی کو گالیاں دیتے اور اسے برا بھلا کہتے ہیں جبکہ میں بحمد للہ محمد (سراپا تعریف) ہوں۔"

جہاں تک اسم پاک "محمد" کی پاکیزگی، اس نام کو پکارنے کے آداب اور تعظیم وتکریم کا تعلق ہے تو یہ ایک مستقل اور الگ موضوع ہے۔ تاہم اس حوالے سے اتنی وضاحت کافی ہے کہ عشق ومحبت اور ادب وتقوی کے لحاظ سے سوفیصد سے بھی زیادہ سچ کہا گیا ہے کہ:

ہزار بار بشویم دهن ز مشك و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نیز نام "محمد" کی معنوی حقیقت کے بارے میں گذشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات میں انسانی اور پیغمبرانہ حیثیت سے کسی قسم کے نقص وعیب کا تصور کرنا آپ ﷺ کی شان محمدیت کے منافی ہے۔ یقیناً اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت حسان نے کہا تھا:

خلقت مبرأ من کل عیب کأنک قد خلقت کما تشاء

اسی حقیقت کو فاضل بریلوی رحمہ اللہ علیہ نے یوں خوبصورت شعری جامہ پہناتے ہوئے بیان کیا تھا:

وہ کمالِ حسنِ حضور ﷺ ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الحج ۲۲:۷۵
۲۔ تفسیر روح المعانی، مکتبہ الامدادیہ ملتان، س ن، ج ۴، ۵، ۷ ص ۷۳، (تحت سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۴۴)
۳۔ تفسیر نعیمی، مکتبہ اسلامیہ گجرات پاکستان، س، ن، ج ۴، ص ۲۴۰ تا ۲۴۳
۴۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب اسماء النبی ﷺ، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ج ۱۱، ص ۷۰
۵۔ (ا) نووی، یحییٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم، جامع الصحیح، باب فی اسماء النبی ﷺ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ج ۲، ص ۲۶۱
(ب)۔ ابن قیم الجوزیہ، زادالماعادفی سیرۃ خیر العباد، موسستہ الرساتہ، بیروت، ۱۹۸۵ء ج ۱، ص ۸۸۔
(ج)۔ حلبی، علی بن برہان، سیرت حلبیہ، مصطفیٰ حلبی، مصر، ۱۹۶۴ء، ج ۱، ص ۱۲۸
(د)۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، باب اسماء النبی ﷺ، ج ۱۱، ص ۷۰
۶۔ سورۂ آل عمران: ۱۴۴، سورۂ الاحزاب، ۴۰، سورۂ محمد: ۲ سورۂ الفتح: ۲۹۔
۷۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ج ۶، ص ۵۵۵۔
۸۔ مرقاۃ المصابیح، باب اسماء النبی ﷺ، ج ۱۱، ص ۷۰۔
۹۔ ایضاً۔ ۱۰۔ سورۂ مریم. ۱۹: ۷

۱۱۔ فتح الباری کتاب المناقب باب ماجاء فی رسول اللہ ﷺ، ج ۶،ص ۵۵۶۔۵۵۷۔

۱۲۔ (ا) نووی، شرح صحیح مسلم، باب فی اسماء ﷺ، ج ۲،ص ۲۶۱۔

(ب) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ لاہور، ج ا،ص ۱۴۹۔

(ج) حلبی، سیرت حلبیہ، ج ا،ص ۱۲۸۔

۱۳۔ (ا) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ)، ج ا،ص ۱۴۸۔

(ب) حلبی، سیرت حلبیہ، ج ا،ص ۱۲۸۔

(ج) سیوطی، جلال الدین، الخصائص الکبری، دار الکتب الحدیثیہ مصر، ج ا،ص ۱۲۴۔

(د) آلوسی، بغدادی، روح المعانی، مکتبہ آلاورایہ ملتان، س ن، ۳/۱۴ ۷۔

سہیلی، روض الانف، ج ا،ص ۱۵۔

مولانا ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفی، الطاف اینڈ کراچی، س ن، ج ا،ص ۷۵۔

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ج ۱۹،ص ۱۴۔

۱۵۔ ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو)، ج ا،ص ۱۴۹۔

۱۶۔ لوئیس معلوف، المنجد، تحت مادہ حمد۔

۱۷۔ لسان العرب اور محیط المحیط، تحت مادہ حمد۔

۱۸۔ القاموس المحیط، ج ا، طبع مصر (تحت مادہ حمد) ص ۲۹۹۔

۱۹۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (تحت مادہ حمد)۔

۲۰۔ ایضاً۔ ۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ قاضی، سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، جلد سوم، باب خصائص النبی، خصوصیت نمبر ا، (وما محمد الا رسول)۔

۲۳۔ دریابادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لاہور ۔۱۹۵۲، (تحت آیت "محمد الا رسول" سورۂ آل عمران ۱۴۴) ص ۱۷۶۔

۲۴۔ حافظ ابن حجر، فتح الباری شرح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ج ۶،ص ۵۵۸۔

۲۵۔ (ا) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ، ج ا،ص ۵۰۱، طبع کراچی۔

(ب) مشکوٰۃ المصابیح، باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ۔

۲۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۰، ج ا،ص ۱۰۶۔

ادیانِ سماویہ میں عصمتِ انبیاء علیہم السلام

☆مفتی سیّد غلام مصطفیٰ بخاری عقیل

کائناتِ میں طبقاتِ انسانی میں انبیاء کرام علیہم السلام ایک ایسا طبقہ جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ضرورت اور ہر صلاحیت سے نوازا ہوا ہے۔ **اللہ اعلم حیث یجعل رسالته** (۱) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس مقام پر رکھے۔'' اور منصب رسالت پر فائز شخص ایک خاص قلبی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے منصبِ نبوت ورسالت سے سرفراز کرتا ہے چنانچہ اس ارشاد خداوندی '' **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیون من بعده** ،، (۲) ''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم السلام پر وحی کی، کے بارے علماء وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت قلبی (اخلاص نیت) ویسی ہی تھی جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تھی اور جس کی وجہ سے وہ تاج نبوت کے حقدار قرار پائے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے حبیب! چونکہ آپ کی قلبی واردات ان سابقہ انبیاء علیہم السلام جیسی ہی تھی سو ہم نے آپ کو بھی وہی تاجِ عزت وکرامت پہنا دیا۔

ان صلاحیتوں میں سے ایک بڑی صلاحیت یہ ہوتی ہے کہ انبیاء کو روایتی طریقوں پر علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں علم وفضل سے مزین پیدا کرتا ہے۔ جیسے حضرت عیسی علیہ السلام نے چند دن کی عمر میں اعلان فرمایا تھا: ''**انی عبداللہ اتا نی الکتاب وجعلنی نبیاً** "(۳) ''میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کر دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' یونہی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ حق ہے۔ ''**واتیناه الحکم صبیاً**'' (۴) ''ہم نے اسے بچپن میں ہی علم ونبوت عطا کر دی تھی۔'' یونہی حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواب بیان کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ''**وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث**"(۵) ''خدا تمہیں بھی منصب نبوت عطا کرے گا اور تمہارا خاص شعبہ خوابوں کی حیرت انگیز تعبیرات ہوں گی۔'' نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تو ایک بڑا مشاہدہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو اُمّی معاشرے میں حالتِ یتیمی میں پروان چڑھا، خود

☆۔ شیخ الحدیث جامعہ مدینۃ العلم، رانا ٹاؤن فیروز والہ/ زونل خطیب اوقاف پنجاب

اسے تعلیم وتربیت سے آراستگی کا کوئی موقع میسر نہ آیا اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد بھی خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے ارشاد فرمایا کہ ''ولا تخطه بيمينك اذا تاب المبطلون'' (۶) ''آپ اپنے ہاتھ سے لکھ ہی نہ سکتے کہ ان باطل پرستوں کو شبہ ہوا ہے (کہ آپ خود کچھ لکھ کر لا رہے ہیں)'' اس کے باوجود آپ سے، جو منصب نبوت کے دعوے کے بعد جو علم وفضل کا کام کروایا ہے وہ آج بھی دنیا کو حیرت میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ جو خالصتاً اسی طرح کی عطاء الٰہی تھی جیسی عطا اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر کی اور خاص کر حضرت خضر علیہ السلام پر جن کے بظاہر افعال کی جو توجیہ خود انہوں نے بیان کی، اسے سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور خود موسیٰ علیہ السلام بھی حیران رہ گئے تھے۔

دوسری صلاحیت بلکہ اگر سچ کہا جائے تو حیرت انگیز صلاحیت انبیاء کرام علیہم السلام میں یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام خصوصیات (اقوال وافعال رشتہ داریوں اور تعلقات) کے اعتبار سے مکمل طور پر انسان ہوتے اور ان پر غمی، خوشی، بیماری، تندرستی وغیرہ انسانی عوارض بھی طاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ پاک انبیاء بنی آدم کے مخالفین کا انہیں رسول نہ تسلیم کرنے کی وجہ کے طور پر یہ قول ذکر کرتا ہے کہ ''ما لهذا الرسول ياكل الطعام ويمشى فى الاسواق'' (۷) ''یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی گھومتا پھرتا ہے۔

اس کے باوجود ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بشری کمزوری ان میں اتنی طاقتور ہو جائے جو انہیں ایسے افعال پر مجبور کردے۔ جو نسل انسانی میں کسی نہ کسی جگہ گناہ (اللہ تعالیٰ کے دائرہ امر ونہی سے دانستہ نکلا ہوا فعل) کہلاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی انہیں کوئی ایسا عمل بظاہر عملاً کردہ بھی نظر آئے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے ان افعال کے بارے ایک ایسا امتیاز قائم کر دیتا ہے، جس سے ان کا دامن ایسا بے غبار ہو جاتا ہے کہ:

۱۔ اُن کے ان افعال کی صحیح نوعیت کے بارے میں تمام انسانوں کے لیے رائے زنی کا کوئی موقع نہیں رہتا کیونکہ انہیں معافی دے دی جاتی ہے (عفت وپاکدامنی کی سند)۔

۲۔ ان کی قلبی کیفیت بوقت ارتکاب بیان کردی جاتی ہے اور یہ علیم بذات الصدور، رب کی طرف سے ہوتا ہے جس کے بعد اس پر کچھ کہنا درست نہیں رہتا اور یوں بھی عین تقاضاءِ رحمت ہوتا ہے کہ ان کی جانب سے کسی ناگوار صورت میں معافی کا معاملہ آخرت پر اٹھا نہیں رکھا جاتا، بلکہ فوراً ہی اس کی معافی کا اعلان کر دیا جاتا ہے، اور اگر کسی مصلحت کے تحت تاخیر ہو، تو بھی دنیا میں ہی معاملہ نپٹا دیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں ان کی شرمندگی کا کوئی موقع باقی نہ رہے اور ''يوم لا يخزى الله النبى والذين امنوا'' پورا اظہار ہو۔ (۸)

اس بات کی وضاحت کے لیے مثالوں سے ہو جائے گی۔

امر ثانی کی وضاحت کے لیے سیدنا آدم علیہ السلام کے ممنوعہ دانہ کھا لینے کے عمل بارے یہ ارشادِ ربانی کافی دلیل ہے۔

''ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما'' (۹) کہ ہم نے بے شک آدم علیہ السلام سے اس سے درخت کی عدم قربت کا وعدہ لیا تھا مگر وہ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہیں پایا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ بعد از ممانعت شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کا عمل بظاہر دانستہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے سند عطا فرمائی کہ آدم علیہ السلام کا یہ فعل دانستہ نہیں تھا۔ یہ سند دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی قلبی کیفیت کا بیان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسی سورۃ کی آیت ''فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ'' (۱۰) ''کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کا حکم نہیں مانا تو وہ جائے سکونت سے بھٹک گیا'' کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ فرمانِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے اس فعل سے جو تاثر ابھرا وہ معصیت کا تھا ورنہ ان کی دلی کیفیت وہ تھی جو آیت نمبر ۱۱۶ میں بیان ہو چکی ہے اور یہ قرینِ قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب آیات اسی وجہ سے یوں رکھی کہ پہلے بیانِ نیت ہوا پھر ان کے عمل کا ظاہری تاثر بیان کیا گیا۔

رہا امر اوّل تو اس کی وضاحت یوں ہو گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو مکا مارا جو پیغمبری طاقت کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو گیا۔ تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا تاثر یہ تھا ''ھذا من عمل الشیطن انہ عدو فصل مبین'' (۱۱) ''یہ تو شیطانی تصرف تھا جو کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔''

اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اس قسم کے افعال ارادی بھی ہوں تو بھی وہ ان کی سنگینی اور اس کے شخصیت، اور مشن اور ربّ کے سامنے اپنے مرتبے میں تنزلی کے عواقب سے پورے آگاہ ہوتے ہیں اور ایک لحہ ضائع کیے بغیر اپنے ربّ کی بارگاہ میں اپنی معذرت پیش کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا: ''ربّ انی ظلمت نفسی فاغفرلی'' (۱۲) میرے رب میں نے خود پر ظلم کر لیا ہے۔ پس تو مجھے معاف فرما تو اللہ تعالیٰ جو اپنے ہونے والے نبی کی خشیت اور صفاءِ قلب کی کیفیت سے آگاہ تھا، اس نے فوراً اعلان معافی فرما دیا۔ فرمایا: ''فغفر لہ انہ ھو الغفور الرحیم'' (۱۳) کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس واقعے کی تفصیل سے روشن ہو گیا کہ اگر ایک نبی جو تا حال منصبِ نبوت پر بظاہر فائز بھی نہیں ہوا اس کی گناہ کی راہ سے نفرت اور اس راہ پر نادانستہ چل جانے پر اضطراب کی یہ کیفیت ہے، تو منصب نبوت ملنے کے بعد ان کے اجتناب اور کچھ، ہو جانے پر ان کے رجوع الی اللہ کا پیمانہ کیا ہو گا۔

عیاں راچہ بیان، والا معاملہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے اس قسم کے معاملات کو عام سے معاملے کی جگہ رکھ کر اس کی ذمہ داری سے انہیں بری کر دیتا ہے۔

یونہی غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نبی پاک ﷺ رومی سپر پاور کو للکار نے ایک ماہ تک لشکر کی آمد کا انتظار اور آس پاس کی بستیوں میں فوجی قوت کے کچھ مظاہرے کرنے کے بعد تمام عربوں خاص کر منافقین کی توقعات کے برعکس بسلامتی جان و لشکر واپس تشریف لے آئے، تو اب منافقین کے پاس معذرتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ آتے گئے معذرتیں کرتے گئے اور نبی پاک ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا اور جانے کی اجازت دے دی۔ کون سچ بول رہا تھا کون جھوٹ، اس کی آپ ﷺ نے تحقیقات نہیں فرمائی۔ جو بظاہر منشاءِ خداوندی کے خلاف بات تھی اور تنبیہ بھی ہوئی، مگر کیا شانِ رسالت ہے کہ آیت یوں اُتری:

"عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین" (۱۴)

"اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں اس وقت جانے کی اجازت کیوں دی جب تک کہ آپ پر ان کے سچوں یا جھوٹوں کی یقینی کیفیت عیاں نہ ہو جاتی"

اس اندازِ تخاطب کو عربوں کے عرف میں کس نظر سے دیکھا جاتا ہے، حضرت صدر الافاضل "خزائن العرفان" میں رقم طراز ہیں:

"عفا اللہ عنک" سے ابتداءِ کلام وافتتاح خطاب، مخاطب کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کے لیے ہے اور زبان عرب میں یہ عرف شائع ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے موقع پر ایسے کلمات استعمال کیے جاتے ہیں"۔ (۱۵)

اب دیکھنے کو تو یہ طرزِ عمل اچھا تاثر پیدا نہیں کرتا، جس کی وجہ سے زبان کے لیے تبصرہ کھلنے کے امکان کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے معافی کا لفظ استعمال کیا پھر بات آگے بڑھائی تا کہ کوئی یہ خیال بھی نہ کرے کہ رسول سے بھی خلاف منشاء الٰہی کوئی عمل ہو سکتا ہے، اور اگر ہو بھی تو بھی اس کے بارے کسی کو زبانِ طعن دراز کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ رسول اللہ کے اور ربّ کے درمیان کا معاملہ ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے:

میان عاشق و معشوق رمزے است
کراماً کاتبین راھم خبر نیست

یہ سب صرف دامن ابنیاء کو بے غبار اور اُن کو اپنی کارکردگی میں معصوم ہونے کا یقین دلانے کا عمل تھا۔ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عصمت انبیاء اللہ تعالیٰ کو کس قدر محبوب ہے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا اصطلاحی مفہوم :

ضروری ہے کہ انبیاء کی معصومیت کا جو مفہوم علماء اسلام کے ہاں معتبر ہے، اس سے آگاہی حاصل کی جائے تاکہ سابقہ اور آمدہ تحریر کا باہمی ربط بھی ہو جائے اور حوالے سے بہت سی اس مشمولہ باتوں کی پوری طرح سمجھ بھی آجائے۔

''انبیاء میں عصمت'' کا کیا معنی ہے اس کے بارے علماء اسلام کی مختلف آراء ہیں۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ انبیاء میں عصمت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہ کرے۔

حکماء کہتے ہیں ''عصمت'' ایک قوت راسخہ کا نام ہے جو بعد از رسوخ معاصی سے مانع اور عبادت پر برانگیختہ کرے، اور رسوخ معاصی کی برائی اور عبادت کی بھلائی کا علم ہونے کی بناء پر ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی ان دو آیات سے یہ بات واضح ہو جائے گی جن دونوں کا تعلق سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

پہلا ارشاد یہ ہے: ''وانک لک لاجراً غیر ممنون ''(۱۵)''اور بے شک آپ کے لیے بے حساب اجر ہے۔''

اور دوسرا ارشاد ہے: ''ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین ''(۱۷) اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑتا تو ہم اس کو (نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ علماء اسلام نے محفوظ ترین رائے، عام علماء کی قرار دی ہے۔

سابقہ کتب کی جو تفصیلات کے ذریعے علماء اسلام کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ کتب خاص کہ تین بڑے انبیاء پر نازل ہونے والی کتب کا دامن عصمت انبیاء کے تصور سے خالی ہے کیونکہ ان ''اُمہات الکتب'' کے جن تراجم تک ہماری رسائی ہے ان میں کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں۔ جن سے اس بات کو تقویت ملتی ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ چونکہ ان کتب میں انسانی ہاتھوں نے اپنی خواہشات کے مطابق کانٹ چھانٹ کی ہوئی ہے، اس لئے ان کی موجودہ صورت کو تعلیماتِ ربانی تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن جس حالت میں ان کتب کو ان انبیاء علیہم السلام یا ان کے براہ راست اصحاب نے پایا، اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ ہم انہیں موجودہ حالت ہی میں زیر بحث لاکر نتیجہ اخذ کریں گے۔ آیئے چند مثالیں بائبل کی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جانب سے ممنوعہ پھل کھانے کے بعد باغِ عدن سے نکالے جانے کا جو اثر زمین پر ہوا اس کا ذکر درس نمبر ۷ اباب نمبر ۳ میں یوں ہوا۔

''زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔''(۱۷)

لیکن کیا زمین پر لعنت برقرار رہی یا نہیں اس کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے بائبل خاموش ہے کہ ان کا کیا بنا۔ کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کی توبہ قبول کی یا نہیں۔ اگر ہم بزبانِ بائبل، حضرت آدم علیہ السلام کا یہ تشخص قبول کر لیں تو پھر آدم علیہ السلام اور ابلیس کا جو عنداللہ واضح فرقِ مراتب ہے، وہ کہاں جائے گا؟ اور اگر آدم علیہ السلام کا انجام بھی ابلیس والا ہی ہونا تھا تو پھر پہلے یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کتابوں میں انبیاء علیہم السلام کی معصومیت کہاں ہے۔

آیت نمبر ۲ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے یوں ہے جو باب پیدائش ۲۱/۹، ۲۲) میں مذکور ہے کہ:

"نوح مئے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر خود کو ننگا کیا اور حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا۔" (۱۸)

آیتِ مذکورہ بالا کی روشنی میں اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس شریعت میں شراب نوشی حرام وغیرہ نہ تھی پھر بھی ایک نبی علیہ السلام کا یہ تاثر کہ وہ کثرت شراب نوشی سے اپنے حواس اس قدر کھو بیٹھے کہ اسے اپنی ستر پوشی کا بھی خیال نہ رہے، یہ انتہاء درجے کی معیارِ شخصیت کی گراوٹ ہے اور اس پر، تو جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ نبی علیہ السلام کوئی ایسا صغیرہ گناہ بھی نہیں کر سکتا جو اسے لوگوں کی نظر میں حقیر بنادے بلکہ اللہ تعالیٰ تو ان کی بلند شخصیات کا عالی معیار برقرار رکھنے کے لیے خلاف اولیٰ باتوں پر بھی انہیں متنبہ کرتا رہتا ہے۔

بائبل کے باب ۱۹ پیدائش کی آیت ۳۱، ۳۲ میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کے اپنے عظیم والد کے ساتھ جنسی اختلاط اور اس کے نتیجے میں اُن کی بار آوری کا شرمناک قصہ مذکور ہے اور آڑ یہ لی گئی ہے کہ ان خواتین کا خیال یہ تھا کہ بعد از نزولِ عذاب اس علاقے میں نسل انسانی کو آگے بڑھانے کے لیے کوئی مرد موجود نہیں رہا جس کا ہر حالت میں آگے بڑھنا ضروری ہے، حالانکہ اسی باب میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس علاقے کا "ضغو" نامی ایک شہر سلامت رہا تھا جہاں مردوں کی بڑی تعداد موجود تھی اور یہ مرد قوم لوط کے مردوں کی طرح عورتوں سے بے رغبتی کے مرض میں مبتلا بھی نہ تھے اور اسی وجہ سے وہ محفوظ بھی رہے تھے۔ (۱۹)

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام کے اس واقعے میں دانستہ ملوث ہونے کا ذکر نہیں لیکن ساری زندگی لوگوں کو راہ حق دکھانے اور عفت و پاکدامنی کا سبق دینے والے نبی کے گھر کا معیار تربیت یہ ہو، جو بیان کیا گیا ہے، تو اندازہ کیجئے کہ اس نبی کی اپنی شخصیت کیا ہوگی اور اس کا معیار تقدس کیسا ہوگا، جو خود اپنے گھر خصوصاً اولاد کو بھی تقدس نہ سکھا سکا۔

ان حالات میں سابقہ کتب میں عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے تعلیمات کی تلاش کارے

دارد، البتہ اگر ہم قرآن کی روشنی میں سابقہ کتب کے انسانی ہاتھوں سے تعمیر کردہ ظلمت کدے میں سفر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ کتب اس حوالے سے تہی دست نہ تھیں بلکہ بنا دی گئی تھیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے کئی مقامات اس کے برعکس بیان کئے یا ان مقامات پر خاموشی اختیار کی ہے جو سابقہ کتب میں مذکور ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات پیش ضرور آئے مگر ان میں کوئی ایسا پہلو نہیں تھا جو ان انبیاء علیہم السلام کی عفت و عصمت کو داغدار کرنے والا ہو۔

سابقہ کتب میں مذکور اس قسم کے واقعات ہی کا شاید اثر ہے کہ موجودہ دور کے عیسائی اور یہودی یا سابقہ ادوار میں کچھ لوگ توہین رسالت مآب کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہے ہیں اور اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے مختصر دلائل اور ضرورت عصمت:

آسمانی ادیان انبیاء علیہم السلام کے گناہوں سے معصوم ہونے پر متفق ہیں، تو اس کی بہت سی وجوہات اور معقول ضرورت ہے، جن میں سے چند وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی اتباع فرض ہے جبکہ اگر ان سے گناہ سرزد ہوں تو ان کی اتباع حرام ہوگی ورنہ گناہوں میں بھی اتباع فرض ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معصوم قرار دیا گیا کہ ان سے گناہ کا صدور ناممکن ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) ہونے کے لیے ارشادِ ربانی ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"۔ (۱۹)

"کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اتباع کی جائے۔"

اور ارشاد ہے: "فاتبعونی یحببکم اللہ" (۲۰) تم میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔

۲۔ گنہگار کی گواہی بلا تحقیق قابلِ قبول نہیں ہوتی:

"یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا"۔ (۲۱)

"اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی گنہگار کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔"

جبکہ نبی علیہ السلام کی گواہی بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے اور ایمان تو نام ہی نبی علیہ السلام کی اس خبر کی تصدیق کا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ بعد میں معجزات بھی پیش کرتا ہے۔

۳۔ فاسق نبوت کا اہل نہیں ہوتا:

"لا ینال عہدی الظلمین" (۲۲) "میرا یہ عہد امامت ظالموں کو حاصل نہ ہوگا۔"

۴۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

واذکر عبدنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الایدی والابصار انا اخلصنھم. (۲۳)

''ہمارے بندوں ابراہیم اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر کریں، جو بڑی قوت اور بصیرت والے تھے ہم نے انہیں مخلص کر لیا تھا۔''

مخلصین پر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قابو نہیں دیا، جبکہ گناہ شیطان کے تصرف کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ارشاد حق ہے کہ جب شیطان کو دھتکار دیا گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم اٹھا کر کہا کہ:

''فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین ''(۲۴)

''مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔''

اس حوالے سے انبیاء علیہم السلام چونکہ مخلصین ہیں، لہٰذا شیطان کو ان پر قابو نہیں، تو ان سے گناہ کا تحقق کیونکر ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندے کہا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ذکر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دھتکارتے ہوئے فیصلہ فرما دیا تھا کہ جن کو میں اپنا بندہ کہوں گا ان پر تیرا قابو نہیں ہوگا۔ ارشاد ہے:

''ان عبادی لیس لک علیھم سلطان. '' (۲۵)

''بیشک میرے بندوں پر تیرے لئے کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔''

اور یہی غلبہ گناہ کا موجب ہوتا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا: **''ھذا من عمل الشیطان''** سے واضح ہے تو جب شیطان کو ان پر تصرف ہی حاصل نہیں، تو پھر ان سے دانستہ گناہ کا تحقق کیسے ہوگا۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا عدم صدور اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر ان سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے کہ گناہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے اور اللہ کا نافرمان مستحق نار ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابداً ''(۲۶)

''جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا پس اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ٹکے رہیں گے۔

آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی بھی جہنم رسید ہونے کا سبب ہے اور یہ امر تو "اظھر من الشمس" ہے جو معیار طہارت اللہ تعالیٰ میں ہے، وہ رسولوں میں تو ممکن نہیں اب اگر گناہوں (معصیتِ خداوندی) میں لتھڑے ہوئے لوگ اللہ کو نہ بھائیں اور وہ انہیں جہنم میں پھینک دے یہ تو ممکن ہے اور وجہ سمجھ بھی آتی ہے مگر کیا وجہ ہے کہ رسول علیہ السلام عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے مگر اس کی نافرمانی بھی جہنم رسیدگی کا باعث بنتی ہے اور یہ فیصلہ خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ہے، تو کوئی، تو وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں اور رسولوں علیہم السلام کی انسانیت میں یہ امتیاز قائم کیا اور وہ وجہ، سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ، انبیاء علیہم السلام بظاہر انسان نظر آنے کے باوجود طہارت اور پاکیزگی کا انسانوں میں وہ معیار قائم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی کو بھی جہنم رسیدگی کا باعث بتایا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور عالمین میں شامل ہیں اور قرآن کی رو سے انبیاء علیہم السلام تمام عالمین سے افضل ہیں:

''ان اللہ اصطفی آدم ونوحاً وال ابراھیم وال عمران علی العالمین''(۲۷)

''اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی اولاد اور عمران کی اولاد کو تمام جہانوں میں سے چن لیا۔''

تو واضح ہے کہ جب فرشتے گناہ نہیں کرتے تو نبی جو ان سے افضل ہیں ان سے کیسے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں، کہ یہاں فضیلت کا معیار تقویٰ ہی تو ہے۔ بنا بر ایں راقم السطور اس باب میں امام رازیؒ کے نظریے کا قائل ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانۂ نبوت میں کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔(۲۸)

اب ہم انبیاء علیہم السلام کے عصمت کے خدائی انتظام پر مختصر گفتگو کریں گے پہلے سابقہ انبیاء کے حوالے سے پھر سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے مگر یہ پہلو خاص طور پر قارئین کے پیش نظر رہے کہ ان تمام شخصیات کے متعلق واقعات کا تعلق قبل از اعلانِ نبوت ہے اور اس وقت کا یہ اہتمام عصمت خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے تو بعد از نبوت ان کی حفاظت اور بچاؤ کا کیا اہتمام نہیں کیا جاتا ہوگا۔

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے اپنے ساتھ غلط ارادے کا الزام لگایا اور یوسف علیہ السلام نے بعد میں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی صف میں شامل ہونا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے دامنِ یوسف علیہ السلام کو بے داغ ثابت کرنے کے لیے دو طرح کا اہتمام فرمایا ایک تو شیر خوار بچے کو بلوا

کر اور ایک فطری اور عینی ثبوت مہیا کروا کر انسانوں کو اس واقعہ پر اظہار خیال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور دوسرا حضرت یوسف علیہ السلام کو زنانِ مصر کی ہنگامہ آرائی کے بعد جیل بھجوانے کا انتظام کر کے رہائی کا انتظام اس طرح کروایا کہ خود زلیخا پکار اٹھی کہ:

" الان حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصدقین" (۲۹)

''کہ اب حق واضح ہو ہی جانا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ میں نے ہی یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی تھی مگر وہ تو بالیقین سچا ہے۔''

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل قبطی پر قبل ازیں بات ہو چکی ہے اور اس پر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کو فی الفور معاف کر دیا۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چند دن کی عمر میں نبوت کتاب اور لائحہ عمل ملنے کی تفصیلی گفتگو کروا کر مستقبل میں برپا ہونے والی آپ کی عظیم الشان نبوت پر احترام شخصیت کے حوالے سے پڑنے والے گرد و غبار کو جس طرح صاف کروایا اس کے بعد کسی میں اس پر گفتگو کی جرأت نہ ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ماں کی کارگزاری کے بغیر کیونکر ممکن ہوئی۔ طوالتِ مضمون آیات اور ان پر تبصرہ تحریر کرنے سے مانع ہے۔

سیّد الانبیاء علیہ السلام کے لیے عصمت کا الٰہی نظام:

حالیہ سالوں میں یورپ اور امریکہ کے گندہ ذہن عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کارروائی پر مسلمانوں کا شدید ردعمل دیکھ کر وہ حیرانی سے پوچھتے ہیں کہ آخر یہ مسلمان اس قدر کیوں مشتعل ہو جاتے ہیں حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان ہی تو ہیں مسلمانوں نے انہیں خواہ مخواہ خدا کی جگہ دے رکھی ہے۔ مگر ان کا یہ موقف قرآن کے مطالعہ سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ہے جبکہ مسلمان قرآن کے مطالعہ کے بعد علی وجہ البصیرۃ، اللہ کے اس عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی جان، مال اور اولاد سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اور یہی معیار ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے کہ:

"النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم" (۳۰)

''نبی مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہیں۔''

وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان ہیں مگر ایسے انسان ہیں، جن کی مثل چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ مثلاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو من اولہ الی آخرہ قرآن کی

رو سے اگر پڑھا جائے تو آپ کا یہ امتیاز دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے واضح طور پر قائم نظر آئے گا کہ آپ کی زندگی میں قبل از نبوت و بعد از نبوت ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملے گا جسے گناہ کی طرف میلان کا رویہ کہا جا سکے۔ کچھ مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بظاہر سخت الفاظ میں مخاطب کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی از قبیلِ اثم، نہ تھے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا معاملہ یا اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کی مجلس سے برخاستگی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش کہ میرے مخاطب سب کے سب مسلمان ہو جائیں یا اصحابِ بدر رضی اللہ عنہ کی رہائی یا غزوہ تبوک کے بعد منافقین کی عدم تحقیقات کہ ان میں سے کوئی معاملہ بھی ایسا نہ تھا جو صغیرہ گناہ بھی قرار دیا جائے چہ جائیکہ کبیرہ گناہ سرزد ہوا اور شاید نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد نبی ہیں جن کی قبل از نبوت زندگی کو قرآن نے آپ کی صداقت کی دلیل بنایا ہے۔، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

" قد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون. "(۳۱)

مَیں دعویٰ نبوت سے قبل تم میں ایک عمر رہا ہوں، تمہاری مت ماری گئی ہے۔ دوسرا امتیاز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر انبیاء علیہم السلام سے یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی گستاخی کی، زیادتی یا کوئی غیر مناسب معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے لوگوں کی طرف سے ظہور پذیر ہوا۔ تو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے برعکس اس معاملے کو اللہ تعالیٰ نے خود صاف کیا تا کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ چند مثالیں:

پہاڑی کے وعظ کے بعد جب ابولہب نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس زعم باطل میں کہ یہ میرا بھتیجا ہی تو ہے، یہ الفاظ کہے "تبت یداک یا محمد ا لهذا جمعتنا " تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب خود ارشاد فرمایا۔ "تبت یدا ابی لهب و تب "(۳۲) "ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ٹوٹ گئے۔"

جب عاص بن وائل نے نبی پاک کو نسل بریدہ قرار دیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: " انا اعطیناک الکوثر "(۳۳) (کہ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا) جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تو ہمیشہ ہوتا رہے گا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی نسل منقطع ہو جائے گی وہ یوں کہ اس کی نسلیں اس کا مشن نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کی امین ہوں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

قولی گستاخی کی ایک اور مثال ولید بن مغیرہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا تھا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کی دس برائیاں گنوائیں جن میں ایک یہ ہے۔ "عتل بعد ذلک زنیم "(۳۴) "بدمزاج اور بداصل (اپنے باپ کا نہیں ہے۔)"

تصور کیجئے کہ ستار العیوب خدا نے اس کے عیوب کس طرح کھول کر بیان کر دیئے محض اس لئے کہ اس کے رسولِ اعظم ﷺ کے مشن کی اہمیت اور اعتبار کم نہ ہو جائے۔

فعلی گستاخی کی مثال ابوجہل کی ترغیب پر عقبہ بن ابی معیط کا اونٹ کی اوجھ حالت سجدہ میں نبی پاک ﷺ کی پشت پر لادنا ہے۔اللہ نے اس بدقماش کو یوں دھمکایا:

"الم یعلم بان اللہ یری کلا لئن لم ینتہ لنسفعاً بالناصیہ"(۳۵)

"یہ جانتا نہیں کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے ہاں ہاں اگر یہ باز نہ آیا تو ہم بالیقین اسے پیشانی کے بل گھسیٹیں گے"۔

غور فرمائیے کہ جو نقائص سابقہ آیات میں گنوائے گئے مثلاً ہاتھ ٹوٹ جانا، نسل بریدہ ہو جانا، دماغی حالت کا متغیر ہو جانا انسانوں میں عام پائے جاتے ہیں، مگر چونکہ یہ نقص جو شخصیت کا اچھا تاثر پیدا نہیں کرتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ میں ان کی موجودگی کو بھی گوارا نہیں فرمایا، تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ رسول معظم ﷺ میں گناہ کے انعقاد کو اللہ تعالیٰ کیونکر گوارا کرتا۔ یہ مثالیں، تو وہ تھیں، جو لوگوں کی جانب سے پیدا کئے جانے والے نقائص کا دفعیہ تھا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء علیہم السلام میں خصوصاً نبی پاک ﷺ میں ایسی حسی سرگرمیوں سے بچانے کا نادیدہ انتظام کر رکھا تھا کہ آپ ﷺ اولاً کسی ایسی سرگرمی کا ارادہ ہی نہیں کرتے تھے اور اگر کبھی ایسا ارادہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی جان کی حفاظت کی طرح نادیدہ قوتوں کے ذریعہ محفوظ رکھا، جس کا اندازہ آپ کی قبل از نبوت زندگی کے ان دو واقعات سے بخوبی ہو جائے گا۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھ بکریاں چرانے والے لڑکے سے کہا کہ تم میری بکریاں سنبھال لو تاکہ میں مکہ جا کر دیگر نوجوانوں کی طرح قصے کہانیاں کہوں اور سنوں وہ اس پر آمادہ ہو گیا اور آپ ﷺ مکہ تشریف لے آئے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلے ہی گھر میں، میں گیا، تو وہاں مزامیر کے ساتھ گانا بجانا ہو رہا تھا میں یہ تماشا دیکھنے بیٹھ گیا کہ اچانک مجھ پر شدید نیند طاری ہو گئی۔ جب میں بیدار ہوا، تو وہ تمام تماشا ختم ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ پھر اسی نیت سے آیا مگر پھر نیند آ گئی ان دو موقعوں کے علاوہ کبھی میں نے اس قسم کی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا اور یہ کہ اس وقت میری عمر ابھی دس برس بھی نہ ہوئی تھی۔(۳۶)

دوسرا واقعہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کی عصمت کا خارجی انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی تخلیقی صلاحیتوں میں کچھ ایسا کمال بھر دیا تھا کہ، اگر

کسی موقع پر لوگوں کو کوئی راستہ ملنا ناممکن ہو جاتا تو آپ ﷺ وہاں سے راستہ نکال لیتے تھے جیسے کہ تنصیب حجر اسود کا واقعہ ہے یونہی کھانے پینے میں لوگ اس بات پر بالکل توجہ نہیں دیتے کہ اس لذیذ کھانے کا کوئی منفی پہلو بھی ہو سکتا ہے مگر آپ ﷺ کی فطرتِ سلیمہ اس پر آگاہ ہوتی تھی چنانچہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے مذکورہ بالا واقعات میں دوسرا واقعہ اسی بات پر دال ہے وہ لکھتے ہیں کہ زمانۂ قبل از نبوت زید بن عمرو بن نفیل نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور کھانا لایا گیا تو اس میں گوشت بھی شامل تھا آپ ﷺ نے گوشت کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "**انی لا أکل مما تذبحون علی انصابکم ولا اکل الا ما ذکر اسم اللہ علیہ**" (۳۷)۔ کہ جو جانور تم اپنے بتوں کے تھانوں پر ذبح کرتے ہو میں اس کا گوشت نہیں کھایا کرتا میں صرف اس جانور کے گوشت میں سے کھایا کرتا ہوں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

تو اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے ناپسندیدہ امور سے بچاؤ کا ایک غیر مرئی نظام انبیاء علیہم السلام کی ذوات میں زیر کار ہوتا ہے جو انہیں علم اور عمل کسی حوالے سے غیر مناسب راہ کی جانب جانے سے مانع ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ ہیں۔ ارشاد فرمایا: **وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ** ۔کہ وہ بھی زلیخا کے ارادہ بد کے ساتھ موافقت کر لیتے اگر اپنے ربّ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ صاحبِ تفسیر خازن نے اس کلام ربانی میں تقدیم و تاخیر تسلیم کی ہے جیسے کہ کلمہ لولا کا اصول ہے کہ یہ کلمہ آتا ہے عدم ثانی بوجہ اول کے جیسے کہ: "**لولا علی لھلک عمر**" بنابراین آیت کریمہ کی عبارت یوں ہے: "**لولا ان رای برھان ربہ لھم بھا**۔" (۳۸) کہ اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ پاتے، تو آپ بھی اس خاتون کا ارادہ کر لیتے یہ برہان کیا تھی اس میں اگرچہ بہت کچھ کہا گیا ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد برائی کے ارادے کے خلاف مزاحمت ہے۔ اس فطری نظام کا مقصود برائی کی ترغیبی قوت سے زیادہ قوت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ موضوع کی بے پناہ وسعت کسی قابل ذکر کاوش سے مانع رہی۔

حواشی

۱۔ سورہ مریم:۱۹:۳۰

۲۔ ایضاً:۱۹:۱۲۔

۳۔ سورہ یوسف:۱۲:۶۔

۴۔ سورہ مریم:۱۹:۱۲۔

۵۔ سورہ یوسف: ۱۲:۶

۶۔ سورۂ عنکبوت:۲۹:۴۸۔

۷۔ سورۂ فرقان:۲۵:۱۸۔ ۸۔ سورۃ التحریم :۶۶:۲۹۔
۹۔ سورہ طٰہٰ:۲۰:۱۱۵۔ ۱۰۔ ایضاً:۲۰:۱۲۱۔
۱۱۔ سورہ قصص :۲۸۔۱۵۔ ۱۲۔ ایضاً، ۲۸:۱۶۔
۱۳۔ ایضاً، ۲۸:۱۱۔ ۱۴۔ سورۃالانفال، ۸:۴۳۔
۱۵۔ مرادآبادی، نعیم الدین، صدرالافاضل، خزائن العرفان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ص ۳۱۱
۱۶۔ سورۃالقلم:۶۸:۳۔ ۱۷۔ سورۃ الحاقہ:۶۹:۴۴۔۴۵۔
۱۸۔ سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعلمین، ج ۲،ص ۲۱۸۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۲۱۔ ۲۰۔ ایضاً، ج ۲،ص ۲۲۴۔
۲۱۔ سورۂ نساء، ۴:۶۴۔ ۲۲۔ سورۂ آل عمران، ۳:۳۱۔
۲۳۔ سورۃ الحجرات، ۴۹:۶۔ ۲۴۔ سورۃ البقرۃ، ۲:۱۲۴۔
۲۵۔ سورۂ ص، ۳۸:۴۶،۴۵۔ ۲۶۔ سورۂ ص، ۳۸:۸۴،۸۳۔
۲۷۔ سورۃ الحجر، ۱۵:۱۶۔ ۲۸۔سورۃ الجن، ۷۲:۲۳۔
۲۹۔ سورہ آل عمران، ۳:۳۳۔
۳۰۔ رازی، محمد بن عمر، فخر الدین، تفسیر کبیر، دارالفکر، بیروت، لبنان، ج ا،ص ۳۰۲۔
سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، ج ا،ص ۳۴۶،۳۵۴۔
۳۱۔ سورۂ یوسف:۱۲ ۳۲۔ سورۃ الاحزاب، ۳۳:۲۱۔
۳۳۔ سورۂ یونس، ۱۰:۱۱۔ ۳۴۔ سورۃ للھب، ۱۱۱:۱۔
۳۵۔ سورۃ الکوثر، ۱۰۸:۱۔ ۳۶۔ سورۃ القلم، ۶۸:۱۲۔
۳۷۔ سورۃ العلق، ۹۶:۱۵۔
۳۸۔ رحمۃ اللعالمین، ج ا،ص ۲۴۸۔ ۳۹۔ ایضاً، ص ۲۴۹
۴۰۔ نعیمی، احمد یار خان، جاء الحق، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور، ص ۴۳۹۔

حضور اکرم ﷺ کی شانِ رحمۃ للعالمینی

☆ محمد بدر الزماں قادری رضوی

کلام الٰہی کا بنیادی مقصد ابلاغ ہدایت ہے مگر اس ابلاغ کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اندازِ تبلیغ لفظاً و معناً ایسا دلکش و دلپذیر ہو کہ بات و مدعا سامع کے دل میں اُتر جائے اور وہ اس کی تاثیر اپنی رُوح میں محسوس کرے اور سامع کی طبع سلیم کو آمادگی کی طرف راغب کردے۔ اس میں باطنی معنویت اور ظاہری جمالیت کا ایسا دلکش امتزاج ہو کہ دل و دماغ اور روح بیک وقت متاثر ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات اس کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کی ذات کو نہ صرف علم و عمل اور اخلاق و کردار کی بے مثال رفعتوں سے نوازا بلکہ آپ ﷺ کو شخصی وجاہت اور قول و فعل کے اعتبار سے جملہ انسانیت پر غیر معمولی برتری بخشی تاکہ جمیع طبائع ہر جہت سے آپ ﷺ کی عظمتِ رفیعہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین ۔(۱)

"اے رسولِ معظم (ﷺ)! ہم آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔"

اللہ ربّ العزت نے نبی محتشم ﷺ کی ذات کو سراپا رحمت قرار دیا ہے۔

لغت میں "رحمة" کے معنی ہیں: "**رقة القلب وانعطاف یقتضی المغفرة والاحسان**" یعنی "دل کی وہ نرمی اور جھکاؤ جو مغفرت اور احسان کا تقاضا کرے۔" (۲)

اگر سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ کامل کا ہر لمحہ مبنی بر احسان ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا اپنوں، بیگانوں سے برتاؤ ہمیشہ احسان پر مبنی رہا۔ لفظ "رحمت" کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> لفظ "رحمت" ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی ﷺ ہی کے لیے ہوا۔ حضور ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
>
> "وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ (۳) "میری رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے۔"

☆۔ پرنسپل جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء اوقاف، دربار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور

پس جب نبی کریم ﷺ کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا تو ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت بھی عالمین کے لیے ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجودِ مزکّی ٹھہرے گا: جس نے اہل عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، ارفاع و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقاء، صفاء و بہا کے لیے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزشِ طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو۔

جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو
جس نے الٰہی جلوہ انسان کو دکھایا ہو

جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو۔ جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو۔" (۴)

حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ وہ ذات ہے جو غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن و جنگ، امید و ترنگ، گدائی و بادشاہی، مستی و پارسائی اور رنج و راحت کے ہر درجہ اور ہر مقام پر انسان کی رہنمائی و رہبری کرتی ہے۔ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، اور آپ ﷺ کی نبوت بھی تمام جہانوں کے لیے ہے۔ ان مختلف الانواع عالمین کے بارے میں ڈاکٹر محمد عمر خان "نورِ اُمّ النور نور رحمۃ للعالمین" میں تحریر کرتے ہیں:

"چاہے کوئی چیز، کوئی اور دنیا، زمین، آسمان، کائنات، سورج، چاند اور ستارے وغیرہم جن کے بارے میں نہ ہم نے سنا ہو، نہ پڑھا ہو، نہ سوچا ہو، نہ تصور کیا ہو، چاہے وہ ہمیں نظر آئے نہ آئے، چاہے سمجھ آئے، نہ آئے، ہم اس کا یقین نہ کریں۔ وہ سب کچھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام کائناتوں میں جہانوں میں پیدا فرمایا ہے، تخلیق کیا ہے، وہ ہمارے ربّ کا، ربّ العالمین کا "عالمین" ہے اور ربّ العالمین کے "عالمین" ہی رحمت اللعالمین پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے "عالمین" ہیں۔ (۵)

"رحمت للعالمین" کی مستحق ایسی ذات ہے جس کے پیشِ نظر صرف جمیع اہلِ ایمان ہی نہیں بلکہ انسانیت کی فلاح و بقاء ہو اور وہ بھٹکی انسانیت کی یکساں طور پر منزلِ مراد تک راہنمائی کرے۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (م ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

"کوئی جن ہو یا انس، مومن ہو یا کافر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے، ایمان والے کے لیے بھی اور اس کے لیے

بھی جو ایمان نہ لایا ہو۔ مومن کے لیے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا ہو اس کے لیے آپ ﷺ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور ''خسف'' (زمین میں دھنسانے کا عذاب) ومسخ (شکل بدل دینے کا عذاب) اور استیصال (کسی قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا) کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔''(۶)

تاریخ انسانی کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فاتحین جب کسی ملک پر حملہ آور ہوئے تو وہاں اُنہوں نے خاک وخون کی اس قدر ہولی کھیلتے کہ دریاؤں کے رنگ انسانی خون سے سرخی مائل ہو جاتے۔ پہلی جنگِ عظیم ہو یا دوسری، یا دنیا میں دہشت گردی کے خاتمے کا ڈھونگ رچایا جائے، لاکھوں انسان ان نام نہاد جنگوں میں کام آئے اور اب تک آرہے ہیں۔اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مدنی دَور میں لڑی جانے والی آٹھ بڑی جنگوں میں دشمنوں کے صرف ۱۵۰ لوگ قتل ہوئے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ میدانِ جنگ میں ایک فاتح کے ''سر پر غرور'' نظر آتا ہے، مگر پیغمبر ﷺ ایسے حالات میں بھی اپنی جبینِ نیاز کو بارگاہِ الٰہی میں خم کرتے نظر آتے ہیں۔ دنیاوی جاہ وحشمت کا خواہاں میدانِ جنگ میں اُترتا ہے تو ''زبانِ خودستا'' نظر آتا ہے مگر داعیِ حق میدانِ جہاد میں اُترتا ہے تو زبانِ شکر سنج ہوتا ہے۔ عام فاتح جنگ میں آتشکدۂ غضب ہوتا ہے مگر داعی الی اللہ سرچشمۂ رحم وکرم ہوتا ہے۔ اگر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو دونوں صورتوں کا انجام بھی نہ صرف مختلف بلکہ عبرت خیز ہوتا ہے۔ کشور کشائی کے خواہاں کے متکبر ومغرور سر روند ڈالے جاتے ہیں جبکہ داعی الی الحق کا دریائے رحمت ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے اور ان کے اس دریائے کرم کو دنیا کے تند وتیز طوفان بھی نہیں روک سکتے۔ اسی کی نشاندہی اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمائی ہے:

'' وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝ (۷)

''اور ہمارا حکم ہمارے بندوں کے حق میں پہلے سے ہو چکا ہے۔ جو رسول ہیں بیشک انہی کو مدد دی جائے گی، بیشک ہمارا لشکر غالب آئے گا۔''

اگرچہ قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی عہد نبوی ﷺ میں لڑی جانے والی جنگوں میں ہونے والے جانی نقصان کے اعداد وشمار اکٹھے کیے ہیں مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر حضور ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی کا ایسا حسین نقشہ کھینچا ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اپنی کتاب ''عہدِ نبوی کے میدان ہائے جنگ'' کی تمہید میں لکھتے ہیں:

''عہد نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی، تگنی اور بعض اوقات دس گنا طاقت سے مقابلہ ہوا اور قریب قریب ہمیشہ فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے چند محلوں پر مشتمل شہری مملکت سے جو آغاز ہوا، وہ روزانہ دوسو چوہتر سے بھی زیادہ مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب حضور نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ ﷺ کے زیرِ اقتدار آچکا تھا۔ اس میں تقریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح سے، جس میں یقیناً مکینوں کی آبادی تھی، دشمن کے صرف ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے اور مسلمان فوج کا مشکل سے ان دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخِ عالم میں بلاخوف وتردید بے نظیر ہے۔'' (۸)

یہی شانِ رحمت للعالمینی کا بیّن ثبوت ہے کہ معاشرے کے اندر ایسا انقلاب برپا کیا کہ راہزن، رہبر بن گئے۔ خوگر قتل، پیکرِ رحمت بن گئے۔ خود پرست، خدا پرست بن گئے۔، پیکرِ جاہلیت درسِ عرفان و معرفت دیتے نظر آنے لگے۔ تاریخ گواہ ہے کہ فرانس کے انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھ کیا بیتی !!۔۔۔عیسائیت کے تحفظ کی آڑ میں یورپ کو پھانسی گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔۔۔ روس کے انقلاب کے دوران کسانوں اور مزدوروں نے جو قیمت چکائی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ۔ 196000 مزدوروں اور 8,90,000 کسانوں کو تنور کا ایندھن بنا دیا گیا۔

سٹالن نے تیس ہزار سرکاری ملازمین مروا ڈالے ۔ سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کی خونچکاں داستانوں سے کون بے خبر ہے؟۔۔۔ جہاں گندم کے ایک دانے کی قیمت ایک انسانی جان تھی ۔ ہٹلر، جو جرمن کی آنکھوں کا تارا اور باعثِ افتخار تھا، اس کے سبب جنگ عظیم دوم میں 70 لاکھ افراد جل کر خاکستر ہوئے اور اتنے ہی لوگ معذور ہوئے۔ چین کا کمیونسٹ کا انقلاب کس مؤرخ کو بھولا ہوگا کہ جب لانگ مارچ، لاشوں کے ڈھیروں سے گزر کر ''تیا نگ من سکوائر'' تک جا پہنچا۔

ایک نظر پلٹ کر انقلابِ محمدی پر بھی ڈالیے جو دارِ ارقم سے شروع ہوا اور فتح مکہ پر اختتام پذیر ہوا۔ اس انقلاب کے دوران اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا صحت کی غرض سے کسی بڑے ہسپتال میں آپریشن کے دوران بہتا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے پیغام دیا کہ لوگو! مَیں بشریت کا لہو بہانے نہیں آیا بلکہ انسانیت کی آبرو بچانے آیا ہوں۔ گہرائی اور گیرائی سے انقلابِ محمد ﷺ کو دیکھیں تو ان کے پیچھے کوئی بڑی سپاہ نظر نہیں آئے گی بلکہ فقط دو چیزیں نظر آئیں گی ایک کتابِ الٰہی اور دوسری نگاہِ کارفرما۔۔۔!!

وہ قومِ عرب جو شجاعت کے نام پر سنگدلی کا جھومر ماتھے پر سجائے باوقار کہلاتی، قادر الکلامی کی آڑ

میں دوسروں کی عزت کا جنازہ ہجویہ اشعار کی صورت میں نکالتی، دستر خوانوں کی کشادگی اور وسعت کو راہزنی اور ڈاکہ زنی کے مال سے جلا بخشتی، بہتر حکومت کے نام پر طوائف الملو کی کو شعار بناتی۔۔۔ انقلابِ رحمت للعالمین سے دیگر اقوام بھی تہذیب وتمدن، وضع داری، رکھ رکھاؤ، فن سپاہ گری، جہانگیری و جہانبانی کے اصولوں کی سمجھ کے لیے اسی قوم عرب کے سامنے دریوزہ گری کرتی نظر آتی ہیں۔

زمانے کو ابھی کئی کروٹیں بدلنی ہیں۔ صدیوں کا سفر ابھی طے کرنا باقی ہے۔ غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل کا طے ہونا باقی ہے۔ شعورِ انسانی کو ابھی بھی مصفی اور مزکی ہونا ہے، پھر کہیں جا کر سمجھ آئے گی کہ:

لوح بھی تو قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب (علامہ محمد اقبالؒ)

عہد نبوی میں لڑی جانے والی جنگوں نے احترام انسانیت اور رحمت کا وہ عمدہ مرقع پیش کیا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ فتح مکہ، رحمتِ عالم ﷺ کی شانِ رحمت کا بیّن ثبوت ہے۔ جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ''لا تثریب علیکم الیوم'' فرما کر سب کو معاف کر دیا اور اس حرم پاک کی تطہیر فرمائی جس کے طواف سے آپ کو روک دیا گیا، بت گراتے جاتے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے جاتے:

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا . (۹)

اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد ''رسولِ رحمت'' میں رقمطراز ہیں:

''تاریخِ عالم کے اوراق کھنگال ڈالیے، اس کمال حسن سلوک کی کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔ یہ عفو عام ان لوگوں کے لیے تھا جو اکیس سال تک حضور اکرم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے خلاف اذیتوں، دکھوں اور مصیبتوں کے وہ تمام طوفان برابر برپا کرتے رہے تھے، جو ان کے بس میں تھے۔ ان کی تلواریں، برچھیاں اور تیر مسلسل آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر برستے رہے تھے۔'' (۱۰)

نبی کریم ﷺ کا یہی اسوۂ حسنہ قیامت تک ہر انسان کے لیے، دنیا و آخرت میں فوز و فلاح کی ابدی دستاویز ہے۔ یہی وہ حسن خلق اور رحمت و رافت تھی جس کا اللہ ربّ العزت نے ذکر فرمایا:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لا نفضوا من حولك (۱۱)

''بلا شبہ آپ ﷺ نے اغیار کے قلب و روح اور فکر و نظر کو محض اپنے اخلاق

کریمہ سے بدل ڈالا۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے اس پُر آشوب دَور میں اپنی اولاد سے جائز بات منوانا بھی ایک دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس میں شکست کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہ کمالِ حسن خلق حضور ﷺ تھا کہ بد ترین دشمن بھی کھنچے چلے آتے ۔ علامہ غلام رسول سعیدی "تبیان القرآن" میں مذکورہ بالا آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"مکلّف ہو یا غیر مکلّف انسان ہو، جن ہو یا فرشتہ ہو، حیوان ہو یا شجر و حجر ہو، آپ ﷺ سب کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہیں اور آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ جس جس چیز کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت ہے، اس اس چیز کے لیے آپ ﷺ رحمت ہیں۔"(۱۲)

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ اطہر اس بات کا مظہر ہے کہ جب، جس نے جو بھی مانگا، آپ ﷺ نے اس کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ پاس نہ بھی ہوتا تو قرض لے کر اس کی حاجت افزائی فرما دیتے، مگر سائل کو مایوس لوٹانا پسند نہ فرماتے ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی نبی کریم ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں "نہ" نہیں فرمایا۔(۱۳)

جود وسخا حضور اکرم ﷺ کے اوصاف میں سے ہے ۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری" مقدمہ سیرت الرسول ﷺ' میں تحریر کرتے ہیں:

"حضور اکرم ﷺ اس ابر باراں کی طرح تھے جو اپنے پرائے کی تمیز کیے بغیر برستا ہے۔"(۱۴)

انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ جب کسی پر مالی نوازش وعنایت کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو نعمت کا تعین، مقدار، پس انداز کے اعداد وشمار کو ضرور پیشِ نظر رکھتا ہے، تا کہ اس احسان و بھلائی کے بعد کہیں افلاس اس کے آستانے پر اپنے ڈیرے نہ جما لے۔ مگر حضور اکرم ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی، جود وسخا اور فیاضی اپنی مثال آپ ہے۔ امام مسلم، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کرتے ہیں:

" أن رجلاً ما سأل رسول الله ﷺ على الاسلام شيئًا الا أعطاه قال فجاءه رجل فأعطاه غنماً بين جبلين فرجع الى قومه فقال يا قوم أسلموا فان محمداً ليعطى عطاء لا يخشى الفاقة . " (۱۵)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو بھی شخص حضور نبی اکرم ﷺ سے اسلام کے نام پر جو بھی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو عطا فرما دیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دو پہاڑوں کے مابین ریوڑ مانگا تو آپ ﷺ نے اسے

مرحمت فرما دیا، وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا: اے میری قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ محتاجی کا اندیشہ نہیں رہتا۔“

احسان و بھلائی کے تین مدارج ہیں: سخا، جود اور ایثار۔ کچھ مال خرچ دینا اور کچھ باقی بچا لینا، سخا کے زمرے میں آتا ہے۔ کثیر مقدار میں خرچ کر دینا اور قلیل پس انداز کرنا جود کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ ضرر برداشت کرتے ہوئے مال کفایت کے ساتھ دوسروں کو ترجیح دینا یقیناً ”صاحبِ ایثار“ ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔ امام الانبیاء علیہ السلام اسی بلند مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”الید العلیاء خیر من الید السفلٰی۔“ ”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔“(۱۶)

جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا کہ رحمت سے مراد دل کی وہ نرمی ہے جو ہمہ وقت ”احسان“ کا تقاضا کرتی ہے۔ صورتِ حال خواہ موجودہ معاملات کی ہو یا پیش آمدہ معاملات کی۔ آپ ﷺ کی نگاہِ ناز ہمہ وقت ہر معاملے پر نہایت عمیق ہوتی۔ ایسا موہوم تصور بھی پختہ نہ ہونے دیتے جس سے آپ ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی پر معاندین کو انگشت نمائی کا موقع ملے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس ضمن میں ”ضیاء النبی“ میں رقم طراز ہیں:

> ”رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی کارستانیاں کسی سے مخفی نہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے راستے میں قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کرتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ جنگوں میں جب لشکر اسلام مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کے لیے لشکر اسلام کے ہمراہ روانہ ہوتے لیکن چند فرلانگ لشکر اسلام کے ساتھ چل کر بلا وجہ واپس لوٹ آتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بقیہ لشکر اسلام میں بے دلی پیدا ہو جائے اور وہ جم کر کفار کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس کی حجت بازیاں، اس کی دل آزاریاں، اس کی بہتان تراشیاں، اس کے خطرناک منصوبے اور لشکر اسلام کو خطرناک دھوکہ دینے کی وارداتیں، ان کے ذکر سے سیرت و تاریخ کی ساری کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشورہ دیا کہ ان منافقین کو ان کے سردار کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار کر واصل جہنم کر دیا جائے۔ فرمایا: اگر میں ایسا کروں گا تو لوگ کہیں گے :اِنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ۔ ”(محمد (ﷺ) نے اپنے صحابہ کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے) میں دشمنوں کو ایسا پراپیگنڈا کرنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا۔“(۱۷)

رشتے ناطے بالعموم پاؤں کی زنجیر ہوتے ہیں، ان کے مابین عدل وتوازن ایک کٹھن اور دشوار گذار مرحلہ ہے۔ دکھ، مصائب وآلام میں ہم اپنے رشتوں، عقیدتمندوں اور ارادتمندوں کو آزماتے ہیں، ان سے ایثار وقربانی کی توقع رکھتے ہیں، مگر جب آسودگی، راحت، عزت، وقار، منصب اور اعزاز واکرام کا وقت آتا ہے تو انہیں فراموش کر کے جملہ عنایات من پسند اور من چاہے رشتوں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ ہر محبوب رشتہ، ماتھے پر عدل وانصاف کا جھومر سجائے مساوات کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے، ایسے مرحلے پر اگر جانثاروں کی قربانیاں اور ایثار پیشِ نظر رہیں تو انسان کا کردار ابدالآباد تک زندہ وجاوید ہو جاتا ہے اور تاریخ کا وہ باب رقم ہوتا ہے جس کی نظیر جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر یہ وصف ہمیں صرف محسن انسانیت، جانِ عالم ﷺ کی ذات کا خاصہ نظر آتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے قبل قریش کے جن مظالم کو اللہ ورسول اللہ کے دین کے لیے برداشت کیا، اس کی روح فرسا داستانیں آج بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قربانیوں اور دکھوں کو فراموش نہیں کیا۔ رحمت و رافت کا جو منظر آنکھوں نے دیکھا، وہ ناقابل فراموش ہے۔ جب بیت اللہ میں داخل ہوتے ہوئے دائیں اور بائیں جانب ہاتھ تھامے حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو ابدی اعزاز بخشا۔ قاضی عبدالدائم دائم نے اپنی تصنیف لطیف ''سید الوریٰ'' میں اس کی نہایت خوبصورت منظر کشی کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''حضرت اسامہؓ، حضرت زیدؓ کے بیٹے تھے اور حضرت زیدؓ کو اگرچہ جانِ دوعالم ﷺ نے آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا، تاہم وہ آپ ﷺ کے پاس بطور غلام ہی آئے تھے، اس لیے القاب پر فخر کرنے والے عرب معاشرے میں حضرت اسامہؓ کی حقیقت ایک غلام زادے سے زیادہ نہ تھی۔ اسی طرح حضرت بلالؓ بھی اگرچہ آزاد ہو چکے تھے مگر اہل عرب آزاد شدہ غلاموں کو بھی کمتر اور حقیر جانتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک طرف تو خطبے میں یہ اعلان فرما دیا کہ جاہلیت کا غرور اور القاب کی بنیاد پر برتری کے دعوے اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دے دیئے ہیں۔ دوسری طرف مساوات کا عملی مظاہرہ یوں فرمایا کہ جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کی معیت میں داخل ہوئے۔ حالانکہ وہاں حضرت ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سبھی موجود تھے مگر آپ ﷺ نے اپنی معیت کا اعزاز صرف ایک غلام اور غلام زادے ہی کو بخشا، تاکہ اہل مکہ مساواتِ محمدی ﷺ کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر نماز ظہر کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو اور وہی شہر جس کی گلیوں میں مشرکین کے بچے

حضرت بلالؓ کو گلے میں رسیاں ڈال کر گھسیٹتے تھے، جہاں ان کا آقا انہیں گرم ریت
پر لٹا کر خاردار شاخوں سے پیٹتا تھا، آج اسی شہر کے مقدس ترین مقام کعبہ مکرمہ کے
اوپر حضرت بلالؓ بصد اعزاز اور جاہ و جلال سے کھڑے تھے اور ان کی پر شکوہ آواز
سے مکے کے درودیوار اور کوچہ و بازار گونج رہے تھے۔" (۱۸)

یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ عرب معاشرہ ایسا معاشرہ تھا جہاں غلامی ان کی کنیز حرم تھی۔ غلاموں کو اذیت دینا، رسوا کرنا، جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرنا معاشرے میں اعزاز و اکرام کا سبب اور اطمینان قلب کا باعث تھا۔ جو جس قدر ان پر ظلم روا رکھتا، اتنا ہی معتبر و معزز جانا جاتا تھا، پھر اس معاشرے میں مساوات اور رحمت کے داعی اعظم نے زرّیں قوانین نافذ کر کے بیک جنبش لب غلاموں کو آقاؤں کا ہمسر اور انسانی شرف سے بہرہ ور کر دیا۔ نہ صرف اسے قیل و قال تک محدود رکھا، بلکہ اس کی عملی تصویر بھی فتح مکہ کے موقع پر دکھا دی اور بقول مولانا روم علیہ الرحمہ کے کہ ابو جہل کو آپ ﷺ سے یہ بھی گلہ تھا کہ:

در نگـاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یك خواں نشست

"ان کی نگاہ میں چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں۔ وہ غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر
بیٹھ جاتے ہیں۔"

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت نے نبی کی رحمت کا ذکر یوں فرمایا:

ویضع عنهم اصرهم والا غلٰل التی کانت علیهم . (۱۹)

"جو ان سے ان کے (مشکل احکام کے) بوجھ اتارے گا اور ان کے گلے میں
پڑے ہوئے (سختیوں کے) طوق اتار پھینک دے گا۔"

کچھ بوجھ اور آزمائشیں من جانب اللہ ہوتی ہیں جبکہ کچھ خود ساختہ (Self Created) ہوتی ہیں۔ امت مسلمہ کا موازنہ اگر بنی اسرائیل سے کیا جائے تو اُن پر نازل ہونے والے شرعی احکامات، قدرے سخت تھے۔ اگر بعد از گناہ توبہ کا قصد کرتے تو اس کا واحد حل باہمی قتل تھا۔ پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تیمم کی سہولت میسر نہ تھی۔ جہاد کی صورت میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اُن پر حرام تھا۔ قربانی کے جانور کا گوشت ممنوع تھا۔ قتل ناحق کی صورت میں قصاص لازم تھا۔ دیت کی سہولت حاصل نہ تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ روزے کا دورانیہ رات اور دن پر محیط تھا۔ غرضیکہ اکثر احکامات سختی اور مشکل بجا آوری پر منہج تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش تھی کہ یہ احکام نرم کر دیئے جائیں اور آخرت کی بھلائی کے طور پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے کہ ایک نیکی کا اجر سات سو گنا یا دس گنا ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی نبی کریم ﷺ کے دامن میں ڈال دی اور

آج اُمت مصطفیٰ ﷺ مستفیض ہو رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ:

''یارسول اللہ! مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا۔(۲۰)

بشری تقاضے اور جبلتیں انسان پر غالب آجاتے ہیں۔ اس غلبہ کے اثرات بہر طور مرتب ہوتے ہیں مگر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کر کے امت کے لیے اپنی ناراضگی کو بھی رحمت میں بدلوالیا۔ حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔(۲۱)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا، اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک اعرابی ملا، اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی، جس سے نبی کریم ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی کریم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے، پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔(۲۲) آپ ﷺ کی ذات تمام عالمین کیلئے رحمت ہے اور یقیناً ان میں جو مخلوق شامل ہے اس میں جمادات، حیوانات، نباتات غرضیکہ ہر شئے کے لیے آپ ﷺ کی ذات والا صفات رحمت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لیس شئ بین السماء والارض الایعلم انی رسول الله الاعاصی الجن والانس.(۲۳)

''کافر جنّ وانس کے سوا آسماں وزمین کے درمیان ہر چیز جانتی ہے کہ مَیں اللہ کا رسول ہوں۔''

یہی وجہ تھی کہ حیوانات کو بھی آپ کی رحمت سے وافر حصہ ملا۔ جب وہ کبھی اپنے مالک کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوں تو اپنی شکایات بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں لے کر حاضر ہو جاتے۔ حیوانات بھی اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ رُوئے زمین پر ان کے دکھوں اور تکلیفوں کا مداوا صرف ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

''رسول اللہؐ نے فرمایا: جو اپنا غصہ فرو کرے، اللہ ربّ العزت اس سے اپنا عذاب ہٹا دیتا ہے اور جو زبان کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں اور جو شخص حقدار ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے اللہ ربّ العزت جنت کے درمیان ایک محل بنا دیتے ہیں۔''(۲۴)

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے کئی مرتبہ یہی سوال کیا، آپؐ نے ہر مرتبہ یہی

جواب دیا کہ غصہ نہ کرو۔(۲۵)

جو ذات غصے کو فرو کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین اس حد تک فرماتی ہے، بھلا ان کی ذات سے غصے کا اظہار کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔سوائے اس کے کہ جب خدا کے احکامات کو روندا جائے۔ کسی کو اپنے ملازم اور غلام پر غصہ آئے پھر اس سے درگزر کرے۔اس بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کتنی بار درگزر کرے،تو فرمایا: روزانہ 70 مرتبہ غلام کو معاف کر دیا کرو۔(۲۶)

حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ میں تین چیزیں دیکھیں: ایک دن ہم آپؐ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا۔ جب اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بڑبڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا: اس کا مالک کون ہے؟ وہ شخص آ گیا۔آپ نے فرمایا اس اونٹ کو مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا: نہیں، مَیں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا: نہیں مجھ کو فروخت کر دو۔اس نے کہا: نہیں، مَیں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ کہا ہے تو سنو،اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو۔اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔(۲۷)

محبت غیر اختیاری چیز ہے اور مادیت کی محتاج ہے۔جس شئے تک انسان کے حواسِ خمسہ کی رسائی ہے، وہاں محبت کی شمع کے جلائے جانے کا امکان موجود ہے۔اگر ظاہری عوامل و اسباب کمزور ہوں تو بلاشبہ اوصاف انسان کو آمادۂ محبت کرتے ہیں ،مگر یہ امر متحقق ہے کہ جانور ایسے جذبوں سے عاری ہوتے ہیں اور اگر کسی جانور سے نہ صرف محبت بلکہ ایفائے عہد تک کی صورت سامنے آجائے تو بلاشبہ سوچ اور فکر اس محبوب ذات کے لیے غایت درجے کی عقیدت وارادت کا پیراھن پہن لیتی ہے کہ جس ذات سے جانور بھی محبت اور عہد کی پاسداری کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہوں۔ حضرت اُم سلمیٰؓ سے مروی طبرانی کی یہ حدیث ایمان کو جلا بخشتی ہے کہ مظلوم ہرنی نے نہ صرف دادرسی کے لیے رسول اکرم ﷺ کو ندا دی بلکہ آپ ﷺ سے ہمکلام ہو کر اپنا حالِ دل بھی سنایا اور اپنی جان پر جھیلے جانے والے صدمے کا ذکر بھی کیا۔۔۔ یہ بات ناممکنات میں ہے کہ ذاتِ رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا جائے اور وہ استغاثہ مسترد ہو جائے۔ اس بات سے جانور بھی آگاہ تھے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ سے نہ صرف اَشک شوئی میسر آئے گی بلکہ بعد از دادرَسی احسان کی لذت سے بھی آشنائی ہوگی۔

عن ام سلمةؓ قالت: کان رسول اللهؐ فی الصحراء فاذا منادیناديه: یارسول الله،فالتفت فلم یر احدا.ثم التفت فاذا ظبية موثقة.فقالت:

ادن منی، یارسول اللہ، فدنا منھا فقال: حاجتک؟ قالت ان لی خشفین فی ذلک الجبل. فخلنی حتی اذھب فارضعھما ثم ارجع الیک. قال: وتفعلین؟ قالت: عذبنی اللہ عذاب العشار ان لم افعل. فاطلقھا فذھبت فارضعت خشفیھا ثم رجعت فاوثقھا وانتبہ الاعرابی فقال: لک حاجۃ یارسول اللہ؟ قال: نعم تطلق ھذہ فاطلقھا فخرجت تعدو وھی تقول: اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ. (۲۸)

"حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں: ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ ایک صحرا سے گزر رہے تھے، کسی ندا دینے والے نے آپ کو یارسول اللہ کہہ کر پکارا۔ آپ آواز کی طرف متوجہ ہوئے لیکن آپ کو سامنے کوئی نظر نہ آیا۔ آپؐ نے دوبارہ غور سے دیکھا تو وہاں ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے نزدیک تشریف لائیے۔ پس آپؐ اس کے قریب ہوئے اور اس سے پوچھا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: اس پہاڑ میں میرے دو چھوٹے چھوٹے نومولود بچے ہیں، پس آپ مجھے آزاد کر دیجئے کہ میں جا کر انہیں دودھ پلاسکوں پھر میں واپس لوٹ آؤں گی۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تم ایسا ہی کرو گی؟ اس نے عرض کیا: اگر میں ایسا نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے سخت عذاب دے۔ پس آپؐ نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ گئی اس نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا اور پھر واپس لوٹ آئی۔ آپؐ نے اسے دوبارہ باندھ دیا۔ پھر اچانک وہ اعرابی (جس نے اس ہرنی کو باندھ رکھا تھا) متوجہ ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، ہرنی کو آزاد کر دو۔ پس اس اعرابی نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی نکلی اور وہ یہ کہتی جارہی تھی: مَیں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

تاریخ اس کھجور کے خشک تنے کو کیسے فراموش کر سکتی ہے جو فراقِ مصطفےٰ ﷺ میں گریہ زاری کرتا اور گماں یوں ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے۔ بظاہر بے جان، جامد و ساقط، حواس خمسہ سے عاری، لذات نا آشنا، شناخت و پہچان سے بے بہرہ، جذبوں اور احساسات کی رنگینیوں سے بے خبر عالم رنگ و بو کے باسیوں کو پیغام دے رہا تھا کہ نعمتِ مصطفےٰ ﷺ کا چھن جانا نعمتِ عظمیٰ کے چھن جانے کے مترادف ہے، اور تم جذبوں اور احساسات کے امین ہو کر بھی لذتِ عشق مصطفےٰ سے عاری ہو۔

اس حدیث کوامام بخاری نے یوں روایت کیا ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنه کان النبی ﷺ یخطب الی جذع. فلما اتخذ المنبر تحول الیه فحن الجذع. فاتاه فمسح یده علیه. (۲۹)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بنا اور آپ ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو لکڑی کا وہ ستون (آپ ﷺ کے ہجر وفراق میں) گریہ وزاری کرنے لگا۔ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دست شفقت پھیرا (تو وہ پُرسکون ہوگیا)''۔

امام بزارؒ نے اپنی سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پُرسکون ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

امام بغویؒ نے اس حدیث کو حسن سے روایت کرکے کہا حسن جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے اور کہتے: اے اللہ کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ ﷺ کے شوق میں روتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک آپ کا کیا مقام ہے۔۔تو تم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔ (۳۰)

امام ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابرؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ نہ لپٹاتا تو یہ قیامت تک روتا اور چلاتا رہتا۔ (۳۱) نیز حافظ ابونعیمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس درخت کے ستون سے فرمایا: تو پُرسکون ہوجا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ میری محبت میں رو رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تو پُرسکون ہو جا اگر تُو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اُگا دوں، تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تروتازہ درخت اُگا دوں، تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کرلیا۔ (۳۲)

ہم نے رحمت کے لغوی معنی کا ابتداً ذکر کیا کہ یہ دل کی وہ نرمی ہے جو ہمہ وقت احسان اور لطف وکرم کا تقاضا کرتی ہے۔ بلا شبہ دل کی نرمی متقاضی ہے صبر وتحمل، قوت برداشت حلم وبردباری کی۔ رحمتِ عالم، محسن انسانیت، ہادی اعظم ﷺ قوتِ برداشت اور حلم و بردباری کی کامل تصویر ہیں، کوئی مذہبی، انقلابی، سیاسی رہنما ایسا نہیں جسے کسی ایک پہلو اور حیات انسان کے کسی شعبے میں ہی حضور اکرم ﷺ کے مقابلے میں پیش کیا جاسکے۔

قریش مکہ جو ہر معاملے ہی آپ ﷺ کی راست گوئی، صداقت شعاری اور امانت ودیانت کا

اعتراف کرتے اور نازک معاملات میں ہی آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اطہر کی ثالثی کو تسلیم کرتے۔ آپ ﷺ کو بیک زبان امین و صادق کے القابات سے پکارتے، لیکن بعد میں وہی آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے، آپ ﷺ کو ہر طرح کی اذیتیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ آپ ﷺ کو ایذا دینے کا ایک یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ آپ ﷺ کو مذمم کہہ کر مخاطب کرتے تو آپ ﷺ فرماتے: ''میرے خدا نے میرا نام محمد واحمد رکھا ہے یہ کسی اور مذمم کو پکارتے ہیں۔ ایک موقع پر ابولہب کی بیوی اُم جمیل نے آپ ﷺ کی ہجو کرتے ہوئے کہا: مذمما عصیناً (مذمم، ہم اللہ کو نہیں مانتے) مگر رحمتِ عالم، نور مجسم کی بردباری، قوت برداشت اور حوصلہ مندی نے اس کھلی اشتعال انگیزی کو مسکراتے ہوئے برداشت کیا اور فرمایا:

الا تعجبون لما بصرف الله عنی من اذی قریش، یسبون ویھجون مذمما، وانا محمد. (۳۳)

''کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں کہ اللہ نے مجھے کس طرح قریش کی ایذارسانیوں سے محفوظ رکھا ہے، وہ کسی مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور مَیں محمد ہوں۔''

کفارِ مکہ میں یہ خصوصیت ضرور تھی کہ جس کے وہ دشمن ہوتے اُس سے کھل کر دشمنی کرتے اور اگر کسی کی حمایت کرتے تو کھلم کھلا اور اعلانیہ کرتے۔ لیکن مدینہ منورہ کے یہودی اپنی فطری کج روی کے سبب اس خصوصیت سے بھی عاری تھے۔ انہوں نے مفاد پرستی کی راہ پر چلتے ہوئے ایک نیا راستہ تراشا کہ بظاہر اسلام لے آئے اور حقیقت میں نہ صرف اپنی کافرانہ رَوِش پر قائم رہے بلکہ اندرونِ خانہ اسلام دشمن سازشیں بھی بدستور جاری رکھیں، جن کی فہرست طویل ہے۔ صرف ایک منافق کا ذکر دیگر کے کردار کا تعین کردے گا۔ جب ایک غزوہ سے واپسی کے سفر کے دوران اُونٹ کے پانی پلانے پر انصار اور مہاجرین میں اختلاف ہوا تو مہاجر صحابی نے اپنے ساتھیوں کو پکارا اور انصار نے اپنے ساتھیوں کو۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سرخیل تھا، نے اس کو بنیاد بنا کر اشتعال انگیز خطاب کیا اور کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور اجازت طلب کی کہ اس منافق کا سر اُڑا دیا جائے۔ ہر چند کہ وہ فتنہ باز تھا اور ریاستی امور میں تفرقہ پھیلا کر ریاستِ مدینہ میں انتشار پھیلانے کا خواہاں تھا لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس انتہائی مگر ہر اعتبار سے جائز اور برمحل اقدام سے روک دیا اور یہ حکمت بھرا جواب دیا:

دعه لا یتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابه. (۳۴)

''اسے چھوڑ دو، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''

عبداللہ بن ابی کا کردار خواہ کچھ بھی ہو، تاہم یہ بات لوگوں کو معلوم تھی کہ وہ مسلمان ہے اور اب اگر اسے نفاق اور بداعمالی کی پاداش میں قتل کیا جاتا تو دُور رہنے والے لوگ جو ابھی دائرۂ اسلام میں داخل

نہ ہوئے تھے، وہ یقین کر لیتے کہ حضور ﷺ اپنے مسلمانوں کو قتل بھی کروا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار سے یہی پیغام ملتا ہے کہ برائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آؤ، زیادتیوں پر صبر کرو، مجرموں سے عفوودرگزر کرو، اشتعال کے مواقع پر تحمل و بردباری سے کام لو، ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرو، غلو سے بچو، ہر حال میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرو خواہ کوئی تمہارا کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام اور ہر سو غلبہ حاصل کرنے کے باوجود آپ ﷺ نے مشرکین کی سختیوں، منافقین کی سازشوں، یہود کی ریشہ دوانیوں، بدوؤں کی بد تہذیبی اور شرارتوں کو برداشت کیا اور سب کے لیے سراپا رحمت ہونے کا کامل نمونہ پیش کیا۔ بقول ماہر القادری:

سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں (۳۵)

ہادیٔ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات سراپا رحمت، عفوودرگزر کا مجسمہ تھی۔ آپ ﷺ کے جملہ اوصاف آپ ﷺ کو بنی نوع انسان میں ممتاز اور منفرد کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہر موقع اور ہر قدم پر رحمت، صبر و تحمل اور قوتِ برداشت کا عملی مظاہرہ کر کے قیامت تک کی انسانیت کے لیے نمونۂ عمل پیش کر دیا۔ آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر فرقہ واریت، نسلی، علاقائی، لسانی اور مذہبی اختلافات، قتل وغارت گری، دہشتگردی اور سفاکی کے دردناک مناظر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔ ان حالات میں راہِ نجات اورا صلاح وفلاح کا راستہ صرف اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں ہی پوشیدہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الانبیاء: ۱۰۷
۲۔ المنجد، زیرکلمہ "رحم"، مطبوعہ دارالمشرق، بیروت، ص ۳۵۳
۳۔ سورہ الاعراف: ۱۹
۴۔ منصور پوری، سلمان، محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، مطبوعہ شیخ غلام اینڈ سنز کشمیری بازار
۵۔ خان، محمد عمر، ڈاکٹر، لیفٹیننٹ کرنل، نورام النور، نور رحمۃ اللعالمین، مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور، ص ۱۴۲
۶۔ حاشیہ بر کنز الایمان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، ص ۵۳۱
۷۔ سورہ الصفٰت: ۱۷۱۔۱۷۳
۸۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲
۹۔ سورہ بنی اسرائیل: ۸۱
۱۰۔ رسول رحمت، مقالات مولانا ابوالکلام آزاد، ترتیب مولانا غلام رسول مہر، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۴۳۹

۱۱۔ سورہ آل عمران : ۱۵۹

۱۲۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، جلد ہفتم، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ص ۶۸۵

۱۳۔ صحیح البخاری، رقم الحدیث :۶۰۳۴، صحیح مسلم رقم الحدیث :۲۳۱۱، شمائل ترمذی رقم الحدیث :۳۵۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۰۷

۱۴۔ القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، مقدمہ سیرۃ الرسول، مطبوعہ منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور، ص ۶۵

۱۵۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول اللہ شیاءً، قط ۴، ۱۸۵۶، الرقم :۲۳۱۳

۱۶۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ "من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین" رقم :۲۷۵۰

۱۷۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، ص ۳۰۸۔۳۰۹

۱۸۔ دائم، عبدالدائم، قاضی، سید الوریٰ، مطبوعہ برائٹ بکس ۸ بی اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ص ۲۸۲، ۲۸۱

۱۹۔ سورہ الاعراف : ۱۵۷

۲۰۔ صحیح مسلم : رقم الحدیث 2599

۲۱۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث :۶۸۵۳۰، سنن ابی داوٗد رقم الحدیث :۴۷۸۵

۲۲۔ صحیح البخاری، رقم الحدیث :۳۱۴۹، صحیح المسلم رقم الحدیث :۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ رقام الحدیث :۳۵۵۳

۲۳۔ مسند احمد ج ۰۳ ص ۱۱۰

۲۴۔ ترمذی، جامع الترمذی. ابواب البر والصلۃ

۲۵۔ بخاری الجامع الصیح. کتاب البر والصلۃ

۲۶۔ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الخادم.

۲۷۔ مسند احمد، رقم الحدیث :۷۵۷۰، دار الفکر

۲۸۔ الطبرانی :المعجم الکبیر الرقم ۸۶۳

۲۹۔ البخاری. کتاب المناقب .رقم: ۳۳۳۹، باب علامات نبوہ فی الاسلام

۳۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۵۱۹۔۵۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع جدید، ۱۴۱۸ھ

۳۱۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم الحدیث :۳۰۵۔۳۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث :۳۹۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۲

۳۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث :۳۰۶، سنن الداری رقم الحدیث :۳۶ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۷، مجمع الزوائد ۲ ص ۱۸۰

۳۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۲، ص ۲۱۶

۳۴۔ بخاری، الصحیح، ج ۳، ص ۱۴۵

۳۵۔ ماہر القادری۔ اردو نعتیہ شاعری، اور اکیڈمی کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۶۱۶

نبی کریم ﷺ کے علمی دنیا پر احسانات

☆مفتی محمد کریم خان

انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے لیے جن اداروں کو منظم کیا اور ان کے ذریعے اجتماعی زندگی کے تسلسل کو قائم رکھا ان میں تعلیم کا ادارہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ تعلیم دراصل ایک نسل کے تجربات کو دوسری نسل میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ معلومات بہم پہنچانے کے سادہ سے عمل نے ایک انتہائی پیچیدہ اور وسیع نظام کو بنیاد فراہم کی ہے۔ کسی معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا دارومدار زیادہ تر تعلیمی اداروں پر ہے۔ جو ماحول تعلیمی درس گاہوں کا ہوگا پورا معاشرہ اپنائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے تعلیمی نظام اور تعلیمی درس گاہوں کی عظمت پر بہت زور دیتی ہے۔ قومی زندگی میں نظام تعلیم کی وہی حیثیت ہے جو فرد کے لیے دماغ کی ہوتی ہے۔ اگر دماغ کسی ساحر کے طلسم کا شکار ہو جائے تو فرد کی ساری حرکات وسکنات اسی کے منشاء کے مطابق نمودار ہوں گی، خواہ وہ اپنی جگہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ اپنی آزاد سوچ سے ہر اقدام کر رہا ہے۔ دراصل ایمان وفکر کو کسی بھی نقشے پر نشوونما دینے میں کسی قوم کے نظام تعلیم کو بہت ہی مؤثر دخل حاصل ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ تاریخ انسانی میں منفرد تحریک تعلیم کے شروع کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے تعلیم کو انسان کا بنیادی حق اور مسلمان کا بنیادی فریضہ قرار دیا۔ آنجناب ﷺ نے تعلیم کو عام کرنے کی جو پالیسی اختیار کی تھی، امت مسلمہ نے اسے ایک ادارے کی صورت میں منظم کیا۔(۱) مسلمانوں نے بعد کے زمانے میں جو علمی ترقیاں کیں اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور ساری دنیا کے لوگ عربی کتب کو پڑھ کر جدید ترین تحقیقات سے آگاہ ہوئے۔ اس کی اساس، عہد نبوی ﷺ کی تیار کردہ بنیاد ہی تھی۔(۲)

مسلمانوں نے دوسری قوموں پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا، بلکہ وہ تحقیقی کام کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ معلوم حاصل کرنے کی کوشش کی بلکہ ان کو اپنے نقطہ نظر، اپنے طرزِ فکر اور اپنے عقیدے کے مطابق مرتب کیا۔ چنانچہ ایک ایسی غالب تہذیب اس کی

☆۔ پی ایچ ڈی سکالر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔ ضلعی خطیب اوقاف پنجاب

بدولت وجود میں آئی، جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی۔(۳)

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف سترہ لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔(۴) لیکن جب آپ ﷺ ۶۳ سال بعد اس دنیا سے رحلت فرماتے ہیں، اس وقت تک تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ اور مکہ ومدینہ پوری دنیا کے لیے علم کا منبع ومرکز بن چکے تھے۔

اتنی قلیل مدت میں نبی کریم ﷺ نے علم کے لیے کون سی بنیادیں اور اصول فراہم کیے، کہ جن کو اپنا کر ان پڑھ اور بدو لوگ دنیا کے راہبر ورہنما بنے۔ جن اصول وضوابط اور نصب العین کو مسلمانوں نے اپنا کر بہت سارے علوم وفنون کے بانی وماہر پیدا کیے، جیسا کہ مروزی، کندی، خوارزمی، جوہری، جابر بن حیان، کاموری، ابوبرزہ، حرانی، ماہانی، البیرونی، بیہقی، بوعلی سینا، جابر، طبری، شیرازی، قرطبی، سیوطی، بیضاوی، آلوسی، یعقوبی، دینوری، مسعودی، ساسانی، طوسی، اصفہانی، فارابی، ہمدانی، جرجی، رازی اور ان گنت دوسرے ماہرین علم وفن نے علم طب، حساب، ہیئت، منطق، فلسفہ، طبیعات، مابعد الطبیعات، فلکیات، موسیقی، شعر وادب، ہندسہ، ریاضی، علم نجوم اور خود جامع العلوم قرآن وحدیث پر بہترین کتابیں لکھیں، تحقیقی کام کیا۔

نبی کریم ﷺ کے فراہم کردہ نظریہ علم کی بدولت ہی مسلمان پوری دنیا کو ایک ہزار سال تک علوم کی نئی نئی جہتوں اور جدید فنون سے روشناس کراتے رہے بعد میں انہیں بنیادوں کو اپنا کر یورپ اور دیگر ممالک نے سائنس وٹیکنالوجی اور دوسرے علوم میں ترقی کی، اس کا سبب بھی مسلمانوں کا علم سے تعلق کم ہونا ہے اور سیاسی واخلاقی کمزوری ہے۔ مسلمانوں کی بے علمی وبربادی اور منگول ونصاریٰ گٹھ جوڑ نے عیسائیوں کو سنبھلنے میں مدد دی اور یورپ میں زندگی انگڑائیاں لینے لگی۔ کبھی اندلس وبغداد یونیورسٹیوں میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے یہودی ونصاریٰ، اب کتب عربی، یورپی زبانوں میں منتقل کر رہے تھے۔ ۱۲۰۰ء میں پیرس یونیورسٹی کے بعد پیسا، آکسفورڈ، پیڈورا، کیمبرج اور تمام یورپ میں قرطبہ، بغداد، دمشق وغیرہ کی طرز پر یونیورسٹیاں قائم ہو رہی تھیں۔ ابن رشد، ابن سینا، الغزالی، خوارزمی، ابواسحاق، ابن الہیثم جیسے بے شمار مسلمان علماء کی تصانیف کے ترجمے ہوئے۔ جن سے نہ صرف اسلامی بلکہ قدیم یونانی فلسفہ اور دوسرے علوم بھی یورپ میں پھیلنے لگے۔ قشتیلہ کے شاہ الفانسو دہم ملقب عاقل (۱۲۲۸-۱۲۵۲ء) کی بڑی خواہش تھی کہ قشتیلہ بھی مسلمانوں کے اندلس کی طرح علم وادب کے مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو۔ اس زمانے میں تھامس، ایکوناس، روجر بیکن، البرٹ میگنس، ایبلارڈ وغیرہ نے اسلامی علوم وفنون کی عیسائی دنیا میں منتق
میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

اقوام یورپ کی ہمہ جہت سائنسی ترقی بنیادی طور پر مسلم مفکرین ہی کے دیے ہوئے استقرا

مزاج کی مرہون منت ہے۔ روجر بیکن جسے یورپ کے فکر جدید کا پیش روخیال کیا جاتا ہے۔ اندلس کی مسلم یونیورسٹیوں ہی میں سائنسی تعلیم حاصل کرتا رہا تھا۔ اور عربی زبان سے پوری طرح واقف تھا۔ خود غیر مسلم مفکرین و ماہرین سائنس، کی رائے یہی ہے کہ ''اسلام نے سائنس کی ایجاد کی، یہ کام یونان کر سکا نہ روما۔۔۔ بلاشبہ ہم نے سائنسی میراث یونان وروما سے نہیں بلکہ اسلام سے اخذ کی۔''

''اسلام اور صرف دورِ اسلام میں سائنس کا شعلہ درخشاں ہوا۔'' (پروفیسر ہولم یارڈ) اور بری فولٹ اپنی مشہور کتاب ''تشکیل انسانیت میں عربوں کی سائنس کے فیصلہ کن اثرات'' کا ذکر کرتے لکھتا ہے۔

> ''سب سے بڑی خدمت جو عربی تہذیب وثقافت نے جدید دنیا کی انجام دی ہے وہ سائنس ہے۔ اگرچہ مغربی تہذیب کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس سے اسلامی ثقافت کے گہرے اثرات کا پتہ نہ چلے۔ لیکن اس کا سب سے روشن ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے کہ سائنس اور سائنسی طریقۂ تحقیق جو آج مغرب کی طاقت اور اقتدار کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ وہ ہمیں عربوں کی بدولت حاصل ہوا۔''

بہر حال جلد ہی زمانے نے دیکھا کہ معلوم و مضبوط بنیاد کے باعث ہر علم وفن کے میدان میں اور ہر شعبہ زندگی میں انکشافات جاری تھے۔ طبعی قوتوں کو مسخر، کائنات کے اثرات کو منکشف اور نامعلوم اقلیموں کو دریافت کیا جا رہا تھا۔ جیسے سونے کی تلاش کے ضمن میں کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا۔ لیکن امریکیوں یعنی ریڈ انڈینز کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ مختصر سی مدت میں اسلامی وراثت کے بل بوتے پر ہر علم میں بڑے بڑے مجتہد فن، موجد اور محقق پیدا ہو گئے۔ کوپرنیکس، برونو، گلیلیو، نیوٹن وغیرہ وہ عالم محقق تھے۔ جنھوں نے ہیئت وطبیعات کا جدید نظریہ پیش کیا۔

ادھر وارثانِ علم وحکمت کے دماغ تھکے تھکے اور طبیعتیں بجھی بجھی سی تھیں۔ پورا عالم اسلام جمود کا شکار تھا۔ مسلمان علماء وحکمرانوں نے دانستہ طور پر نئے خیالات کو اپنی مملکتوں میں آنے سے روک رکھا تھا۔ اہلِ یورپ کے لیے یہ بڑی مفید صورتحال تھی۔ کیونکہ اس اندھیر نگری میں اب ان کا سورج چمکنے کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ (۶)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''علم کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو بنیادیں فراہم کیں اور جس طرح علوم کی سرپرستی کی، مسلمانوں نے بعد کے زمانے میں جو علمی ترقیاں کیں اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور ساری دنیا کے لوگ عربی کتب کو پڑھ

کر جدید ترین تحقیقات سے آگاہ ہوئے ،اس کی اساس، ظاہر ہے عہد نبوی ﷺ کی تیار کردہ بنیاد ہی ہو سکتی تھی۔" (۷)

نبی کریم ﷺ نے علمی دنیا کو تعلیم کے لیے جو بنیادیں فراہم کیں، ان تمام کا احاطہ ایک مشکل کام ہے، اس لیے اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ان میں سے چند ایک کو بیان کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے متعلقات پر اگر ہم غور کریں تو وہ مندرجہ ذیل بنتے ہیں، یہ حصر نہیں بلکہ امکان ہے:

۱۔علم وذرائع علم کی اہمیت   ۲۔مقاصدِ تعلیم   ۳۔مدارجِ تعلیم

۴۔نصابِ تعلیم   ۵۔انتظاماتِ تعلیم   ۶۔ معلم کے فرائض

۷۔ متعلم کے فرائض   ۸۔تدریس کے اصول ۹۔ تعمیلِ علم

ان تمام متعلقات کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے جو اساس و بنیاد فراہم کی، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ا۔علم وذرائع علم کی اہمیت:

تعلیم کے لیے علم اور ذرائع علم کی اہمیت سب سے بنیادی امر ہے۔اسی چیز سے نظریۂ تعلیم کی بنیاد بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس حوالے سے جو بنیاد فراہم کی، وہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی سے واضح ہے۔قرآن مجید کی پہلی وحی درج ذیل ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ٥ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ (۸)

"اے حبیب! اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"وإلى جانب هذه الحقيقة تبرز حقيقة التعليم ..تعليم الرب للإنسان بِالْقَلَمِ ...لأن القلم كان وما يزال أوسع وأعمق أدوات التعليم أثرا فى حياة الإنسان ..ولم تكن هذه الحقيقة إذ ذاك بهذا الوضوح الذى نلمسه الآن ونعرفه فى حياة البشرية .ولكن الله -سبحانه - كان يعلم قيمة القلم، فيشير إليه هذه الإشارة فى أول لحظة من لحظات الرسالة الأخيرة للبشرية .فى أول سورة من سور القرآن الكريم ..هذا

مع أن الرسول الذی جاء بها لم یكن كاتبا بالقلم، وما كان لیبرز هذه الحقیقة منذ اللحظة الأولی لو كان هو الذی یقول هذا القرآن.
لولا أنه الوحی، ولولا أنها الرسالة ! ثم تبرز مصدر التعلیم إن مصدره هو الله .منه یستمد الإنسان كل ما علم، و كل ما یعلم .و كل ما یفتح له من أسرار هذا الوجود، ومن أسرار هذه الحیاة، ومن أسرار نفسه فهو من هناک من ذلک المصد ر الواحد، الذی لیس هناک سواه.''(۹)

''اس کے علاوہ ان آیات میں اسلام کا نظریۂ تعلیم بھی واضح کیا گیا ہے۔رب تعالیٰ نے انسان کو تعلیم ''قلم'' کے ساتھ دی۔کیونکہ اس وقت بھی اور آج بھی انسان کی زندگی میں قلم اہم اور موثر ذریعہ تعلیم ہے اور اس حقیقت کو جس طرح ہم آج سمجھتے ہیں، نزول قرآن کے وقت اس طرح نہ سمجھتے تھے،لیکن اللہ تعالیٰ تعلیم اور قلم کی قدروقیمت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔لہٰذا آخری رسول ﷺ کو آخری مشن سپرد کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور قرآن کی پہلی صورت میں یہ اشارہ کردیا گیا۔اس حقیقت کے باوجود کہ جس رسول ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی ،وہ خط نہ لکھ سکتے تھے۔لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قرآن کسی انسان کی تصنیف ہے تو کوئی امی انسان یہ بات نہیں کرسکتا تھا۔لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے جو وحی الٰہی نے بتائی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول خدا ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔اس کے بعد یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن کے نظریہ کے مطابق تعلیم کا سرچشمہ کیا ہے۔یہ سرچشمہ ذات باری ہے۔انسان نے آج تک جس قدر علم حاصل کیا ہے یا آئندہ کرے گا۔آج تک انسان پر اس کائنات کے جو اسرار کھلے ہیں وہ اللہ کے فضل وکرم سے کھلے ہیں،انسانی زندگی اور انسانی نفس کے بارے میں جو اسرار کھلے ہیں وہ بھی اللہ کے فضل وکرم سے کھلے ہیں۔اللہ ہی وہ واحد مصدر اور منبع ہے،جس کے سوا کوئی اور سرچشمہ علم وحکمت نہیں ہے۔''

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''اس کی شان کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنادیا،علم کی نشرواشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔قدیم زمانہ کے علماء وفضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس پر تحریر نہ کردیا جاتا تو صدہا سال بعد ہم ان سے کیونکر استفادہ کرسکتے ہیں۔اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دوردراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور نگارشات سے دور بسنے والے کیونکر مستفید ہوسکتے۔یہ

قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان رفعتوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔ اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم وفنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔ وہ جس طرح قلم کے ذریعہ سے، علم ومعرفت کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کر رہا ہے، وہ جب چاہتا ہے تو قلم کے سوا بھی، جس کے سینے کو چاہے، انوار وتجلیات کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے اس کا دل علم کی روشنی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔"(۱۰)

قرآن مجید نے علم کی فضیلت کا بار بار ذکر کیا ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں:

۱۔"وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○"(۱۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے تھے۔ فرشتوں نے عرض کیا تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے بے شک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے۔"

۲۔"وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا "○(۱۲)

"اور یہ (کفار) آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیجیے! روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

۳۔"وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ○"(۱۳)"اور ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔

۴۔"وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا○"(۱۴)

"اور آپ (ربّ کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔"

۵۔"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ○" (۱۵)

"اور ان سے ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے، تو کہنے لگے! کہ اسے ہم پر حکمرانی کیسے مل گئی حالانکہ ہم اس سے حکومت (کرنے) کے زیادہ حق دار ہیں، اسے تو دولت کی فراوانی بھی نہیں دی گئی (نبی علیہ السلام نے) فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر منتخب کرلیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے اور اللہ اپنی سلطنت (کی امانت) جسے

چاہتا ہے، عطا فرما دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔"

۶۔ "كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ٥" (۱۶)

"اس طرح ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔"

۷۔ "يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" (۱۷)

"اللہ ان لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔"

۸۔ "قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ٥" (۱۸)

"فرما دیجیے! کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں، پس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔"

۹۔ "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (۱۹)

"بس اللہ کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں۔"

۱۰۔ "يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ" ٥ (۲۰)

"جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں۔"

۱۱۔ "وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ" (۲۱)

"اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا کی (اور اس سے فرمایا) کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔"

۱۲۔ "وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ" (۲۲)

"اور ہم نے ان کے ملک و سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے انہیں حکمت و دانائی اور فیصلہ کن انداز خطاب عطا کیا تھا۔"

۱۳۔ "فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ٥" (۲۳)

"سو واقعی ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب و حکمت عطا کی اور ہم نے انہیں بڑی سلطنت بخشی۔"

۱۴۔ "وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ" (۲۴)

"اور اللہ نے ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا۔"

۱۵۔ "فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ٥ قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ٥" (۲۵)

''تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پالیا، جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی، اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔ اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس (شرط) پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے (بھی) اس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرض ارشاد سکھایا گیا ہے۔''

۱۶۔ ''وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ''(۲۶)

(اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) واضح نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا یقیناً میں تمہارے پاس حکمت و دانائی لے کر آیا ہوں اور (اس لیے آیا ہوں) کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تمہارے لیے خوب واضح کر دوں۔)

۱۷۔ ''هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝''(۲۷)

(سن لو تم وہی لوگ ہو جو ان باتوں میں بھی جھگڑتے رہے اور جن کا تمہیں (کچھ نہ کچھ) علم تھا مگر ان باتوں میں کیوں تکرار کرتے ہو جن کا تمہیں (سرے سے) کوئی علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

۱۸۔ ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝''(۲۸)

(اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (ﷺ) مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔)

۱۹۔ ''هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝''(۲۹)

(وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) بھیجا، وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔)

۲۰۔ ''كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝''(۳۰)

(اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے

اور تمہیں (نفساً وقلباً) پاک صاف کرتا ہے اور کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت ودانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔)

۲۱۔ ''وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ٥'' (۳۱)

(اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر (کی گئی) ہے اور اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل فرمائی اور دانائی (کی باتوں) کو (جن کی اس نے تمہیں تعلیم دی ہے) وہ تمہیں (اس امر کی) نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔)

۲۲۔ ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ٥'' (۳۲)

''بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے (عظمت والا) رسول ﷺ بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

۲۳۔ ''وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ'' (۳۳)

(اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل (سب کچھ) سکھائے گا۔)

۲۴۔ ''وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا٥'' (۳۴)

(اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔)

۲۵۔ ''ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ'' (۳۵)

(یہ حکمت ودانائی کی ان باتوں میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہیں)۔

۲۶۔ ''ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ'' (۳۶)

(اے رسول معظم ﷺ! آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت وعمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجیے جو نہایت حسین ہو۔)

۲۷۔ ''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ'' (۳۷)

(اور تم اللہ کی آیتوں کو اور رسول ﷺ کی سنت وحکمت کو، جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے، یاد رکھا کرو)۔

۲۸۔ ''وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ o حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ o''(۳۸)
(اور بے شک ان کے پاس (پہلی قوموں کی) ایسی خبریں آچکی ہیں جن میں (کفر ونافرمانی پر بڑی) عبرت وسرزنش ہے، (یہ قرآن) کامل دانائی وحکمت ہے کیا پھر بھی ڈر سنانے والے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔)
۲۹۔ ''وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ o''(۳۹) (قلم کی قسم اور اس (مضمون) کی قسم جو (فرشتے) لکھتے ہیں)۔
۳۰۔ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ''(۴۰)
(اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لیے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔)
۳۱۔ ''يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا o نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا o أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا o''(۴۱)
(اے کملی کی جھرمٹ والے (حبیب)۔ آپ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کے لیے) آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر دیں۔ یا اس پر کچھ زیادہ کر دیں اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔)
۳۲۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ o(۴۲)
(اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے کہ سارے مسلمان (ایک ساتھ) نکل کھڑے ہوں، تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ (یعنی خوب فہم وبصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں، تا کہ وہ (گناہوں اور نافرمانی کی زندگی سے) بچیں۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے قلم سے لکھنے کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی:
قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا، اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا، اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی کی طرف لایا، اگر قلم نہ ہوتا، تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا، اور نہ اولین اور آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا، اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا، غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند رہتا۔ قلم اور لکھنے کے بارے میں چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا: أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ یَتَکَلَّمُ فِی الْغَضَبِ، وَالرِّضَا، فَأَمْسَکْتُ عَنِ الْکِتَابِ، فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِرَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِہِ إِلَی فِیہِ، فَقَالَ :اکْتُبْ فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہِ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ إِلَّا حَقٌّ"(۴۳)

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو چیز بھی سنتا تھا اس کو یاد رکھنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ ﷺ سے ہر بات سن کر لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، پھر میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس واقعہ کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ وقدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

۲۔"عَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَتْ :دَخَلَ عَلَیَّ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِی :أَلَا تُعَلِّمِینَ ہٰذِہِ رُقْیَةَ النَّمْلَةِ کَمَا عَلَّمْتِیہَا الْکِتَابَةَ "(۴۴)

(حضرت الشفاء بنت عبداللہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کو پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتیں، جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔)

۳۔"عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیجٍ، قَالَ :خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :تَحَدَّثُوا وَلْیَتَبَوَّأْ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مَقْعَدَہُ مِنْ جَہَنَّمَ ، قُلْتُ :یَا رَسُولَ اللّٰہِ إِنَّا نَسْمَعُ مِنْکَ أَشْیَاءَ فَنَکْتُبُہَا، فَقَالَ :اکْتُبُوا وَلَا حَرَجَ."(۴۵)

(حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر آئے تو آپ نے فرمایا: میری حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ سے بہت احادیث سنتے ہیں، پھر ان کو لکھ لیتے ہیں آپ نے فرمایا: لکھتے رہو، کوئی حرج نہیں ہے۔)

۴."وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :کَانَ عِنْدَرَسُولِ اللّٰہ ﷺ :نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِہِ وَأَنَا مَعَہُمْ، وَأَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ "، فَلَمَّا خَرَجَ الْقَوْمُ قُلْتُ :کَیْفَ تُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ وَقَدْ سَمِعْتُمْ مَا قَالَ وَأَنْتُمْ تَنْہَمِکُونَ فِی الْحَدِیثِ عَنْ رَسُولِ اللّٰہ ﷺ -فَضَحِکُوا فَقَالُوا :یَا ابْنَ أَخِینَا، إِنَّ کُلَّ مَا سَمِعْنَا مِنْہُ عِنْدَنَا فِی کِتَابٍ "(۴۶)

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے

ہوئے تھے اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا، وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے، میں نے صحابہ سے کہا: آپ لوگ کیسے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ آپ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن چکے ہیں اور آپ لوگ احادیث بیان کرنے میں منہمک رہتے ہیں، تو صحابہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے بھتیجے! ہم نے جو کچھ آپ سے سنا ہے، وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔)

۵۔ ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :قَيِّدِ الْعِلْمَ قُلْتُ :وَمَا تَقْيِيدُهُ؟ قَالَ :الْكِتَابُ.لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءٍ إِلَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُؤَمَّلِ"(۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کو قید کرو، میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھنا۔

٦ .''عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنِّى سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ'' : ''إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اكْتُبْ، فَقَالَ :مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ "(۴۸)

(حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھ، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔)

٦۔ ''فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ " :إِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَأَرْبَعُونَ لَيْلَةً، بَعَثَ اللهُ إِلَيْهَا مَلَكًا، فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا وَبَصَرَهَا وَجِلْدَهَا وَلَحْمَهَا وَعِظَامَهَا، ثُمَّ قَالَ :يَا رَبِّ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى؟ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ :يَا رَبِّ أَجَلُهُ، فَيَقُولُ رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ :يَا رَبِّ رِزْقُهُ، فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْمَلَكُ بِالصَّحِيفَةِ فِي يَدِهِ، فَلَا يَزِيدُ عَلَى مَا أُمِرَ وَلَا يَنْقُصُ "(۴۹)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، پھر اس کی تصویر بناتا ہے اور اس میں اس کی سماعت، اس کی بصارت، اس کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں پیدا فرماتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ صادر فرماتا ہے، اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے پھر فرشتہ پوچھتا ہے؟ اے میرے رب اس کی زندگی کتنی ہے؟ پس تمہارا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب اس

کا رزق کتنا ہے؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے وہ فیصلہ صادر فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ اس صحیفہ کو لے کر نکل جاتا ہے، پس اللہ کے حکم پر کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔)

۷۔"إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ :بِرِزْقِهِ وَأَجَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ"(۵۰)

(دیگر احادیث میں اس طرح ہے: چالیس دن نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے، پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، پھر اس میں چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کا رزق، اس کی مدتِ حیات، اس کا عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اصل میں اقلام تین ہیں:

۱۔ قلم اول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا

۲۔ قلم ثانی فرشتوں کے اقلام ہیں: وہ قلم اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے ہیں، وہ ان قلموں سے تقدیر، مستقبل میں ہونے والے امور اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔

۳۔ قلم ثالث لوگوں کے قلم ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے ہیں، جن سے وہ اپنی باتیں لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو تحریر میں لاتے ہیں اور کتابیں اور رسائل لکھتے ہیں۔(۵۱)

نبی کریم ﷺ نے اہل علم کی بھی خصوصی فضیلت بیان فرمائی، چند فرامین رسول ﷺ حسب ذیل ہیں:

۱ .عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :قَالَ النَّبِي ﷺ إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ، يُهْتَدَى بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، فَإِذَا انْطَمَسَتِ النُّجُومُ أَوْشَكَ أَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ "(۵۲)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمین پر علماء آسمان پر ستاروں کی طرح ہیں جن سے سمندر اور خشکی پر ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور جب ستارے چھپ جائیں گے تو قریب ہے کہ ہدایت حاصل کرنے والے بھٹک جائیں، اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

۲ ." وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: " فُضِّلَ الْعَالِمُ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعِينَ دَرَجَةً، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ "(۵۳)

(حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عالم کی عابد پر ستر درجہ

فضیلت ہے اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے۔

۳۔عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ وَأَبِی ذَرٍّ قَالَا :لَبَابٌ مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ أَلْفِ رَكْعَةٍ تَطَوُّعًا.وَقَالَا :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " :إِذَا جَاءَ الْمَوْتُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَهُوَ عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ مَاتَ وَهُوَ شَهِيدٌ "(۵۴)

(حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر آدمی علم کا ایک باب پڑھ لے تو وہ میرے نزدیک ہزار نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب طالب علم کو طلب علم کی حالت میں موت آجائے تو وہ شہید ہے۔)

۴۔وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : " قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ" "إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا:" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: "مَجَالِسُ الْعِلْمِ" (۵۵)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چر لیا کرو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم کی مجلسیں۔)

۵۔وَعَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " الْعُلَمَاءُ خُلَفَاءُ الْأَنْبِيَاءِ (۵٦)"

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علماء انبیاء کے خلفاء ہیں، میں کہتا ہوں کہ سنن میں حضرت ابودرداء سے مری ہے کہ علماء انبیاء کے ورثاء ہیں۔)

٦۔وَعَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْعُلَمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا قَعَدَ عَلَى كُرْسِيِّهِ لِفَصْلِ عِبَادِهِ: إِنِّی لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِی وَحِلْمِی فِيكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَغْفِرَ لَكُمْ عَلَى مَا كَانَ فِيكُمْ وَلَا أُبَالِی "(۵۷)

(حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی کرسی پر رونق افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا، میں نے اپنا علم اور حلم تم میں صرف اس لیے رکھا تھا کہ میں باوجود ان خطاؤں کے جو تم میں ہیں تمہاری مغفرت کردوں اور میں پرواہ نہیں کرتا۔)

۷۔وَعَنْ أَبِی مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " يَبْعَثُ اللّٰهُ الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يُمَيِّزُ الْعُلَمَاءَ فَيَقُولُ: يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ، إِنِّی لَمْ أَضَعْ فِيكُمْ عِلْمِی لِأُعَذِّبَكُمْ، اذْهَبُوا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ"(۵۸)

(حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو الگ کرلے گا، پھر فرمائے گا: علماء کی جماعت! میں نے تم میں اپنا علم تم

کوعذاب دینے کے لیے نہیں رکھا تھا، جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔)

۲۔ نظریۂ تعلیم:

نظریۂ تعلیم سے مراد مقصدِ تعلیم ہے کیونکہ یہ امر انسانی زندگی اور معاشرے پر بہت گہرے اثرات چھوڑتا ہے بلکہ معاشرے کی تشکیل میں بھی نظریہ تعلیم ہی اہم سنگ میل ہے۔اس لیے نبی کریم ﷺ نے مقصد تعلیم کو خصوصی جہت عطا کی ہے جس کی وضاحت میں ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''اسلامی نظریۂ تعلیم جامع ہے کہ اس میں انسان کی انفرادی خودی کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کی قوت بن کر معاشرتی اجتماعیت کونشو ونما دے۔اسلامی نظریۂ تعلیم میں تعلیم کے دو پہلو ہیں:

۱۔ایک پہلو کے اعتبار سے وہ مختص فرد کی اصلاح ہے۔

۲۔دوسرے پہلو کے لحاظ سے وہ ایسی اصلاح ہے جس کا نتیجہ معاشرتی بہبود ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد، محبت الٰہی کے نصب العین کو آگے بڑھانا ہے۔''رسل'' نے ٹھیک کہا ہے کہ اسلام آغاز ہی سے ایک سیاسی مذہب ہے۔ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ایک دین ہے اور وہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی گرفت رکھتا ہے، وہ فرد کی انفرادی زندگی اور اس کی حیاتِ اجتماعیہ، دونوں کی اصلاح کا دعوے دار ہے، وہ با مقصد زندگی کا داعی ہے ۔اس لیے وہ کسی ایسے نظام تعلیم کو برداشت نہیں کرسکتا جو اس مقصد کے لیے مفید ثابت نہ ہو۔قرآن نے انسان کا انفرادی اور اجتماعی مقصد واضح کر دیا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (۵۹)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ" (۶۰)

(تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔)

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ" (۶۱)

(یہ اہل حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں۔)

اس اعتبار سے تعلیم کا مقصد فرد کی ایسی تعمیر سیرت ہے جس سے وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر کائنات کے لیے رحمت ثابت ہو سکے۔نبی کریم ﷺ نے ایسی تعلیم اور ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس کا اثر انسان کی عملی

زندگی پر نہ ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع"(۶۲)

(اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔)

اسلام تعلیم کو ایک نصب العین سے ہم آہنگ کرتا ہے، اسلامی نظام تعلیم میں اول وآخر تک مقصدیت پوری طرح کارفرما ہوتی ہے، اسلام ایسے افراد چاہتا ہے جو انفرادی طور پر اس عظیم مقصد کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوں اور اجتماعی طور پر اسلامی ریاست کے اچھے شہری ثابت ہوسکیں، کیونکہ وہ نظام تعلیم جس سے مقاصد ریاست پورے نہ ہوں، اجتماعی نظم کے لیے مہلک ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مغربی نظام تعلیم کی اس خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف(۶۳)

مقاصد تعلیم نبوی ﷺ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر امان اللہ خاں لکھتے ہیں:

قرآن وسنت نے بڑے موثر انداز پر علم وحکمت کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلام کے ان قوت بخش سرچشموں میں علم اور اہل علم کی فضیلت وبرتری کا ذکر بھی ہے۔ علم کی اہمیت وافادیت کی نشان دہی بھی ہے۔ اس کی پہنائی ووسعت کا بیان بھی ہے اور مقاصد تعلیم کی تفصیل بھی۔ قرآن حکیم کا اعجاز، ایجاز میں بھی ہے۔ کس خوبصورتی سے چہارگاہ نبوی ﷺ فرائض بیان کر کے مقاصد تعلیم کے چار بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ"(۶۴)

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفوس (تعمیر شخصیت)

۳۔ تعلیم کتاب ۴۔ تعلیم حکمت

حضور نبی کریم ﷺ کے دیئے ہوئے نظام تعلیم وتربیت میں یہی اصول مختلف انداز اور مختلف پیرایوں میں جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تعلیم حکمت دینے والے معلم انسانیت نے "الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکم فحیث وجدھا فھو احق بھا"(۶۵) فرما کر حصول معلومات وعلم وحکمت کے دائرے میں ان تمام علوم کو داخل کر دیا جو کسی نہ کسی صورت میں افرادِ نسل انسانی کے لئے مفید ہو سکتے ہیں:

قرآن وسنت میں تفکر، تدبر، مشاہدے، عمیق مطالعے، تحقیق وجستجو پر زور، نیز حواس وادراک اور ان جیسے دیگر پہلوؤں کو حصول علم پر لگانے کی تلقین درحقیقت انسان پر تحقیق واکتشافات کے تمام دروازے

کھول دیتی ہے۔لیکن تنہا حصول معلومات، تحقیق وجستجو وغیرہ مقصد تعلیم نہیں۔
تعمیر شخصیت اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔معرفتِ نفس، تزکیۂ نفوس، حصولِ تقویٰ اور علم وعمل کا تضاد ختم کرنا، اسلامی نظام تعلیم کا زیادہ قوی ستون ہے۔قرآن حکیم نے اسی بات کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے یہ کہا:

"مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَاراً"(٦٦)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قرآن کی منظوم تشریح کرتے ہوئے گلستان میں یہ کہا:

علم چند آنکہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند چار پائے برو کتابے چند
آں تہی مغز راچہ علم خبر کہ برف سیزم ست یادفتر (٦٧)

دورِ حاضر کے ایک مغربی منصف مزاج مفکر و ماہر تعلیم، پروفیسر وائٹ ہیڈ نے اپنی مشہور کتاب "AIMES OF EDUCATION" (تعلیم کے مقاصد) میں بیان کیا ہے۔طالب علم زندہ مخلوق ہیں اور تعلیم کی غرض وغایت یہ ہے کہ ان کی شخصیت کی نشوونما کو تحریک میں لا کر اس کی رہنمائی کی جائے اس (قضیے) اصول کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اساتذہ کو بھی زندہ اور جاندار افکار کا حامل ہونا چاہیے۔(٦٨)

اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد کیا ہے اس بارے میں محترمہ طاہرہ منہاس لکھتی ہیں: "تعلیم کا بنیادی مقصد نئی نسل کو قومی تہذیب وتمدن سے اس طرح روشناس کرانا ہے کہ لوگ اپنے مذہب وتہذیب کے مکمل نمونے نظر آئیں۔صرف معاشرتی روایات کو زندہ رکھنا کافی نہیں۔تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ذریعے معاشرے کا روحانی ڈھانچہ عوام کو ازبر، بلکہ مکمل سراپا بنا دیا جائے۔

اسلامی تصورِ تعلیم میں پہلی شرط عقیدۂ توحید ورسالت کی مرکزیت ہے۔جس میں یہ عقیدہ پختہ ہو جائے۔وہ اللہ کے سوا دنیا کے ہر خوف سے بے خطر ہو جاتا ہے۔وہ مر تو سکتا ہے، کسی غیر کے سامنے جھک نہیں سکتا۔جبکہ توحید سے خالی نظامِ تعلیم انسان کو بزدل، بے ضمیر اور مردانگی سے عاری بنا دیتا ہے۔طالب علم خدا اور رسول ﷺ کے علاوہ ہر ایک سے ڈرتا ہے اور ہر ایک کا غلام بن جاتا ہے۔جبکہ اسلام تو مصطفوی توحید کی بات کرتا ہے۔لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ انسان صرف اللہ کا بندہ ہو کر باقی تمام بتوں کو توڑ ڈالے۔جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے مراد ہے کہ امت اور معاشرہ محمد ﷺ کے عطا کردہ دین اور نظام کے سوا باقی تمام نظاموں کو ٹھکرا دے۔(٦٩)

حضور نبی کریم ﷺ کے مقصد تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

"یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور ﷺ نے علم کی نفع بخشی کا خصوصی ذکر فرمایا ہے، آپ

ﷺ کی دعاؤں میں جو بلیغ جملے منقول ہیں ان میں نفع بخش علم کا خصوصی تذکرہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "قال رسول اللہ ﷺ: اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن دعاء لایسمع ومن قلب لایخشع ومن نفس لاتشبع" (۷۰) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، اس دعا سے جو نہ سنی جائے، ایسے قلب سے جو نہ ڈرے اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔

مقاصد تعلیم:

دورِ حاضر میں تعلیم کے مقاصد میں بالعموم درج ذیل نظریات بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ انسانی انفرادیت کی آزادانہ نشوونما۔

۲۔ اجتماعی نصب العین کے مطابق تربیت۔

مقاصد تعلیم میں تعمیر کردار، مکمل زندگی کے لیے تیاری، اچھے وجود میں اچھے ذہن کی نشوونما، جذبۂ قوم پرستی کی تشکیل وغیرہ شامل کئے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے علم کی نفع بخشی کا جو تصور دیا ہے، وہ ان تمام فوائد کو شامل ہے، جو انفرادی واجتماعی زندگی کے بارے میں متصور ہو سکتے ہیں۔ احادیث میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جن سے انفرادی واجتماعی تربیت کے تمام اصول نکالے جا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے تصور تعلیم کے مطابق ایسے انسان تیار کرنا ہے جو حبِ الٰہی، اطاعت رسول ﷺ اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہوں۔ یہی وہ مقصد ہے جسے قرآن پاک کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

"قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ o لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" (۷۱)

"فرمادیجئے کہ بیشک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

آپ ﷺ کے اس نصب العین کی تشریح ان الفاظ میں منقول ہے:

" قل آمنت باللہ ثم استقم" (۷۲) کہو! میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔ (۷۳)

۳۔مدارج تعلیم:

نبی کریم ﷺ نے تفاوتِ طبائع واذہان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ لازمی امر قرار دیا ہے کہ ہر کسی کو ہر مضمون کی تعلیم نہ دی جائے بلکہ طبائع واستعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیم دی جائے۔

اس کے لیے آپ ﷺ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" وواضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجواهر واللؤلؤ والذهب "(۷۴)

"علم کو نااہلوں کے سامنے پیش کرنا ایسا ہے جیسے خنزیروں کے گلے میں جواہرات ،موتی اور سونے کے ہار پہنانا۔"

☆ ہر شخص کو علم کی استعداد نہیں ہے۔(۷۵)

☆ نالائق کو علم سکھانا تضیع اوقات واستطاعت ہے۔(۷۶)

☆ علماء کے لیے لازم ہے کہ وہ طلباء کی استعداد کے مطابق علوم میں درجہ بندی کر کے علم سکھلائیں۔(۷۷)

☆ درجہ بندی کے بغیر علم سکھلانا زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔(۷۸)

یہ حدیث مبارکہ اس باب میں اصول کا درجہ رکھتی ہے کہ طلباء کی طبائع اور استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف مدارجِ تعلیم ہونے چاہیے اور اسی کے مطابق تعلیم کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک:

نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وعمل کی دنیا میں قیادت وسیادت عطا فرمائی۔لیکن وہ سب علم وفہم کے اعتبار سے ایک درجہ پر فائز نہ تھے اور نہ ہی علم وعمل کے متعدد گوشوں میں ان کا رسوخ اور کمال ایک جیسا تھا۔آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صلاحیتوں اور ان کے باہمی فرق مراتب سے خوب آگاہ تھے اور ان میں ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت اور مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے۔سیرت طیبہ میں اس حوالے متعدد شواہد موجود ہیں،جن میں چار درج ذیل ہیں:

ا۔سات صحابہ کے امتیازی اوصاف کا بیان:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے،میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت کرنے والا ابو بکرؓ ہے،ان میں سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سب سے زیادہ ٹھوس عمرؓ ہے،ان میں سے سب سے زیادہ سچی حیا والا عثمانؓ بن عفانؓ ہے،ان میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبلؓ ہے،ان میں سے فرائض (وراثت) کو سب سے زیادہ جاننے والا زیدؓ بن ثابتؓ ہے،ان میں سے قرأتِ قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ابی بن کعبؓ ہے۔ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔(۷۹)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے سات حضرات صحابہ میں سے ہر ایک کا وہ نمایاں وصف بیان

فرمایا، جس کے اعتبار سے وہ باقی ساتھیوں میں نمایاں اور ممتاز ہوئے۔امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث شریف پر درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

"ذکر البیان بأن معاذبن جبل کان أعلم الصحابة بالحلال والحرام"(۸۰)

(اس بات کا بیان کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حلال وحرام کا علم تمام صحابہؓ سے زیادہ رکھتے تھے۔)

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے:

"باب ترجیح قول زیدبن ثابت رضی الله عنه علی غیره من الصحابة رضی الله عنهم أجمعین فی علم الفرائض"(۸۱)

(علم فرائض (وراثت) میں زیدؓ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو تمام صحابہ کے اقوال پر ترجیح کے متعلق باب)

۲۔تعلیم قرآن میں چار صحابہؓ کی امتیازی حیثیت کا بیان:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت نقل کی ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار (اشخاص) سے قرآن پڑھو: عبداللہ بن مسعود، ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔(۸۲)

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے تعلیم قرآن کے لیے چار صحابہ کا بطور خاص ذکر فرمایا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ان حضرات کی تخصیص کا سبب بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ان چار حضرات سے قرآن کریم سیکھنے کا خصوصیت سے ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یا تو وہ دیگر صحابہ سے زیادہ ضبط قرآن والے اور زیادہ عمدہ ادائیگی والے تھے، یا اس لیے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ سے براہ راست قرآن کریم سیکھنے اور اس کے بعد اس کی تعلیم دینے کی خاطر فارغ کر رکھا تھا۔اس تخصیص سے مقصود یہ نہیں کہ ان کے سوا کسی نے قرآن کریم جمع نہیں کیا ہوا تھا۔(۸۳)

۳۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم میں سب سے زیادہ ہونا:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہاری شادی اس شخص سے کر رہا ہوں جو میری امت میں سے سب سے پہلا مسلمان، سب سے زیادہ علم والا، اور سب سے عظیم حلم والا ہے۔"(۸۴)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سارے صحابہ میں زیادہ علم والے تھے۔

۴۔یہود کی زبان سیکھنے کی خاطر زید رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِیهِ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ :أَمَرَنِی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ

كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودَ قَالَ :إِنِّي وَاللَّهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابٍ قَالَ : فَمَا مَرَّ بِي نِصْفُ شَهْرٍ حَتَّى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ قَالَ :فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ ;(۸۵)

''حضرت زید نے بیان کیا کہ: جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے، تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ بنونجار کا بچہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نازل فرمایا ہے، اس میں سے دس سے زیادہ سورتیں یاد ہیں۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے زید! میرے لیے یہود کی تحریر سیکھ لو، مجھے تحریر کے بارے میں یہود پر اعتماد نہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے یہود کی تحریر سیکھنا شروع کی، پندرہ دن گزرنے سے پہلے میں نے اس کو اچھی طرح سیکھ لیا۔ جب وہ نبی کریم ﷺ کو خطوط ارسال کرتے تو میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتا اور جب آپ ﷺ نے مکتوب ارسال فرمانا ہوتا، تو میں ان کو جواب تحریر کر کے ارسال کرتا۔''

اس حدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی زبان سیکھنے کے لیے چنا اور آپ ﷺ کا انتخاب انتہائی برمحل تھا کہ انہوں نے پندرہ دن میں خوب اچھی طرح ان کی زبان سیکھ لی۔ (۸۶)

۴۔ نصاب تعلیم:

حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے لیے نصاب تو مطلق رکھا لیکن ان تمام علوم کے لیے نصاب میں پانچ چیزیں لازم قرار دیں، یہ پانچ چیزیں درج ذیل تھیں:

۱۔ تلاوت قرآن ۲۔ تعلیم قرآن ۳۔ تعلیم حکمت ۴۔ تزکیہ نفس ۵۔ تسویۃ

قرآن حکیم کی سورۃ بقرہ (۸۷)، آل عمران (۸۸)، النساء (۸۹) اور جمعہ (۹۰) میں نبی کریم ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد اور آپ کی نبوت اور رسالت کے فرائض منصبی بیان ہوئے ہیں۔ انہیں مقاصد نبوت کے مطابق آپ ﷺ نے امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور انہیں بنیادی تعلیمی اصولوں پر عہد نبوی ﷺ کا نصاب تعلیم و تربیت مشتمل تھا:

۱۔ تلاوت آیات: (يتلوا عليهم ايٰتك) ۲۔ تعلیم کتاب: (وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ)
۳۔ تعلیم حکمت: (وَالْحِكْمَةَ) ۴۔ تزکیہ نفس: (وَيُزَكِّيهِمْ)
۵۔ تسویۃ: (نفس واحدہ)

ا۔ تلاوت آیات:

سب سے پہلے تلاوت آیات کو لیجئے امام اصفہانی تلاوت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والتلاوة تختص باتباع کتب الله المنزله"

(تلاوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتب کی اتباع کے لئے مخصوص ہے۔)

اس کے ساتھ ہی تلاوت کا یہ معنیٰ بھی ہے:

یقال فی القرآن فی شئی اذاقرأته وجب علیک اتباعه

(قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب تو نے اس میں سے کچھ پڑھا تو تیرے اوپر اس کی اتباع واجب ہوگئی۔)

تلاوت سے مراد قرآن کریم کے اوامر ونواہی اور احکام وتعلیمات کی تلاوت، ان پرعمل کے نقطہ نظر سے کرنا ہے تلاوت کے دو مفہوم ہیں: اس سے ظاہر ہے کہ "یتلوا علیھم ایٰتک" کا مفہوم یہ ہوا کہ قرآنی آیات کو عام کیا جائے۔ انہیں نہایت دلسوزی کے ساتھ تلاوت کر کے ذہن نشین کیا جائے، قلب وروح پر ان آیات کو نقش کیا جائے، ملک ومعاشرے میں موجود ہر فکر وفلسفہ پر ان آیات کا غلبہ ہو، شعر وادب پر قرآنی آیات کی چھاپ ہو، معاشرے میں تمام افکار وخیالات ان کے تابع ہوں، انفرادی واجتماعی زندگی میں ان کا چرچا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے بعثت سے وصال تک مسلسل، اس طرح تلاوت فرمائی کہ قرآنی آیات روزمرّہ کا موضوع بن گئیں۔ موافق ومخالف سب انہیں کے متعلق گفتگو کرتے۔ آپ ﷺ ے تلاوت کے ذریعے قرآن کو اتنا عام کردیا کہ قبل از اسلام کا شعر وادب دب کررہ گیا، ہر جگہ اور ہر مقام پر قرآنی آیات کا چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ قبل از اسلام عرب تہذیب وثقافت کا سرمایہ "سبع معلقات" بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے اور ان کی جگہ قرآنی آیات نے لے لی۔

آج اگر عہد نبوی ﷺ کے نصاب تعلیم کے پہلے جزو "تلاوت آیات" پر مبنی ملک کے نظام تعلیم کو ترتیب دیا جائے تو نہایت صدق اور اخلاص کے ساتھ سنت رسول ﷺ کی اتباع میں "تلاوت آیات" کو نصاب تعلیم میں پوری پوری اہمیت دینا ہوگی۔ ایک مقررہ مدت کے اندر اندر ملک کے ہر فرد میں تلاوت آیات کی استعداد پیدا کرنا ہوگی۔ اس کا علمی طریق کار یہ ہوسکتا ہے:

ا۔ ہمارے نظام تعلیم کے درجہ ابتدائیہ (پرائمری) میں پورے قرآن ناظرہ کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ تاکہ ملک کے ہر پرائمری پاس بچے میں پورے قرآن حکیم کو ناظرہ طور پر پڑھنے کی استعداد پیدا ہو۔

۲۔ اس سلسلے میں دوسرا اقدم یہ اٹھایا جائے کہ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ مختلف موضوعات کے تحت آسان اور عام فہم اردو زبان میں طلبہ کو پڑھایا جائے۔ (۹۱)

۲۔ تعلیم کتاب:

عہد نبوی ﷺ کے نصاب تعلیم کا دوسرا اصول، تعلیم کتاب ہے۔ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب ''قرآن حکیم'' ہے۔ اس کی تعلیم سے مراد اس کے احکام، ارشادات، ہدایات اوامر و نواہی کی تعلیم ہے۔ پوری کتاب کو سمجھنا اس کے معانی و مفاہیم کو جاننا اس میں دیئے گئے احکام کا علم حاصل کرنا اس کی تعلیمات، ارشادات اور ہدایات کا فہم و ادراک پیدا کرنا اس کے اوامر و نواہی کو سیکھنا، تعلیم کتاب ہے۔ قرآن حکیم خالق کی طرف سے مخلوق کے لئے آخری مکمل اور سرمدی ہدایت ہے، ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اسے پڑھے، اسے سیکھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ تعلیم کتاب میں فرد سے زیادہ معاشرے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اوہ اس کا اہتمام کرے۔ عام حالات میں ہر فرد کو خود بخود تعلیم کتاب کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا اس لئے یہ معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ ایسا نظام تعلیم معرض وجود میں لائے، جس کی بنیاد ''تعلیم کتاب'' پر ہو۔ قرآنی آیات کو پڑھنا اور ان کی تلاوت کرنا تلاوتِ آیات ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد ان آیات میں دی گئی تعلیمات کو سیکھنا، انہیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلاوت کے علاوہ قرآنی آیات کا معنی اور مفہوم سمجھا جائے۔

نبی کریم ﷺ اور خلافت راشدہ کا نظام تعلیم ایک مثالی نظام تھا۔ اس نظام کے ذریعے ہر مسلمان میں اتنی استعداد پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کی کتاب قرآن حکیم کو پڑھ کر خود سمجھ سکتا تھا۔ کتاب اللہ کی اس وسیع پیمانے پر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست، عدالت، حکومت، تہذیب و تمدن اور ثقافت، نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ اسلامی رنگ اختیار کرتے چلے گئے۔ تعلیم کتاب مسلمانوں کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوئی اور مسلمان کتاب اللہ کی تعلیمات کے زیر اثر انسانیت کے لئے نمونہ بن گئے ان کے اعمال، افعال، سیرت، کردار، تہذیب اور اخلاق، انسانیت کے لئے معیار قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ نظام حکومت کو چلانے والے عمال اور حکام دیانت، امانت، محنت اور خدمت کا شاہکار بن کر سامنے آئے۔ عوام صدق، خلوص ایثار، ہمدردی، اخوت، محبت اور اتحاد و اتفاق کا مجسمہ بن کر دوسری انسانیت کے لئے سچے محسن و غم خوار ثابت ہوئے۔

''تعلیم کتاب'' کو موجودہ نظام تعلیم میں رائج کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ درجہ ثانویہ (میٹرک) تک اسے لازمی قرار دیا جائے۔ ان پانچ سالوں میں ''تعلیم کتاب'' کو اس طرح نصاب کا حصہ بنایا جائے کہ میٹرک پاس کرنے تک ہر طالب علم لازمی طور پر پورے قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ جائے اور قرآن کی بنیادی تعلیمات کو پوری طرح سمجھ جائے۔ (۹۲)

۳۔ تعلیم حکمت:

قرآنی نصاب تعلیم وتربیت کا تیسرا بڑا اصول تعلیم حکمت (والحکمة) ہے۔امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حکمت سے مراد دین کی معرفت، اس کی فقہ اور اس کی اتباع ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔امام رازیؒ نے فرمایا: کتاب سے مراد قرآنی احکام ہیں اور حکمت سے مراد ان احکام وشرائع کی حکمت اور ان میں انسانیت کے لئے مصالح ومنافع کا بیان ہے۔

آپ ﷺ کے ارشادات، فرمودات، تقاریر، اقوال، افعال اور اعمال پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ قانون، تعلیم، حکومت، عدالت ، معاشرت، معیشت، سیاست اور تہذیب وتمدن کی تشکیل اور اخلاق وکردار کی تعمیر سب حکمت کی عمدہ تفسیر ہیں۔جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام معاشرتی وسائنسی علوم جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے ضروری ہیں اور وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے موافق ہیں، وہ سب اسلامی ہیں اور ان کی تحصیل ضروری ہے۔

حکمت روح دین ہے، اسے موجودہ نظام تعلیم میں بی اے، بی۔ایس سی تک پڑھایا جائے، قرآن کی تعلیمات کی غایت اور ان کی روح پر مبنی نصاب تیار کر کے نظام تعلیم کے جملہ شعبہ جات کی گریجویٹ سطح پر نافذ کیا جائے۔نصاب حکمت کی ترتیب وتدوین میں امام غزالی ،امام ابن تیمیہ، ابن خلدون، مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ، امام احمد رضا اور علامہ اقبال رحمہم اللہ کی خدمات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔میٹرک کی سطح تک تلاوت وتعلیم کتاب کے بعد گریجویٹ سطح تک تعلیم حکمت کے اہتمام کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس مجوزہ نظام تعلیم سے پیدا ہونے والے ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین معاشیات، سیاسیات، معاشرت، عدالت، تعلیم، پوری طرح کتاب وسنت سے سرشار ہو کر اطراف واکناف عالم میں پھیل جائیں، وہ جہاں کہیں جائیں، اسلام کے مبلغ ہوں۔ان کے اخلاق وکردار خود سراپا دعوت اسلامی ہوں۔یہی وہ طریق تعلیم ہے جو مغربی استعمار سے قبل اسلام میں رائج تھا۔اس کے فارغ التحصیل تاجر بھی مبلغ تھے، اس وقت کروڑوں اسلام کے نام لیوا انہیں مبلغین اسلام کی مرہون منت ہیں۔(۹۳)

۴۔ تزکیۂ نفس:

اسلامی نظام تعلیم وتربیت کا چوتھا بنیادی اصول تزکیۂ نفس ہے (ویزکیھم) کو تعمیر سیرت وکردار میں تزکیۂ نفس کی محوری حیثیت حاصل ہے۔اذہان وقلوب کی تمام اخلاقی بیماریاں، نیتوں اور ارادوں کے تمام فسادات کا علاج تزکیہ نفس ہے۔عہد رسالت میں نبی کریم ﷺ نے ایک انتہائی گمراہ، بدعنوان اور حیوانی صفات واوصاف کی حامل قوم کو تزکیۂ نفس کے ذریعے دنیا کی سب سے بڑی بااخلاق مہذب، متمدن

اور صاحب سیرت و کردار قوم بنا دیا تھا۔ خلفائے راشدین نے اسلام کے نظام تعلیم اور اس کے بنیادی اصول تزکیۂ نفس کی بدولت ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر اور شمالی افریقہ کے انسانوں کو انسانیت سکھائی اور بعد کے ادوار میں یہ سلسلہ پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ قرآن حکیم میں تطہر اور تزکیہ کی اصطلاحات ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ تطہر کا فہم یہ ہے کہ رذائل سے اجتناب اور فضائل سے آراستگی معلم کے فرائض منصبی کا لازمی جزو ہے۔ تزکیۂ نفس کا مطلب ترک دنیا ہرگز نہیں۔ دنیا میں تزکیۂ نفس کی افضل و اکمل ترین مثال نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھرپور زندگی نبی کریم ﷺ نے گزاری، دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی کو ہی اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ (۹۴)

۵۔ تسویہ:

اسلامی نصاب تعلیم کا پانچواں بنیادی اصول ''تسویہ'' ہے۔ تسویہ سے مراد مساوات و برابری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نصاب تعلیم کی ترتیب و تدوین ایسے انداز میں کی جائے کہ اس کے زیر تعلیم طلباء میں معاشی، سیاسی، قانونی، عدالتی، تہذیبی، تمدنی، اخوت، مساوات اور برابری کے جذبات پروان چڑھیں۔ تسویہ پر مبنی نصابِ تعلیم کے فارغ التحصیل جب ملک و ملت کے معزز شہری بنیں تو وہ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی مساوات کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ وہ ایسا معاشرہ معرض وجود میں لانے کے علمبردار اور داعی ہوں، جو اسلامی اخوت و مساوات پر مبنی ہو۔

عہد رسالت کے نصاب میں تسویہ کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل تھی، قرآن حکیم میں ایسی آیات کثیر تعداد میں موجود ہیں، جو سب انسانوں کو برابری کی تعلیم دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِىْ تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً " (۹۵)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلایا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔)

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ " (۹۶)

(اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سے

زیادہ پرہیز گار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔)

ایسی اور بہت سی آیات انسانوں کی برابری اور مساوات کی تعلیم دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد کے نصاب تعلیم میں تسویہ کے اصول کو ہر سطح پر اپنایا۔ قبل از اسلام معاشرتی، معاشی، سیاسی و قانونی طور پر جو امتیازات تھے ان سب کو ختم کر کے ایک ایسی امت پیدا کی جس میں تمام انسانوں کے حقوق برابر تھے۔ کسی شخص کو رنگ، نسل اور علاقہ کی بنیاد پر کسی دوسرے پر کوئی فوقیت وفضیلت حاصل نہ تھی۔ نبی کریم ﷺ کے نصاب تعلیم سے فارغ التحصیل انسان اسلام کے اصول اخوت ومساوات کے عمدہ نمونہ تھے جسے قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (۹۷) (سب مومن بھائی ہیں۔)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اسلامی نصاب تعلیم کے تربیت یافتہ تمام خواتین وحضرات کو جمع کر کے عالمگیر اصول مساوات واخوت کا اعلان فرمایا:

فلیس لعربی مع عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی. (۹۸)

(کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں سوائے تقوی کے۔)

فقہ حنفیہ کے عظیم امام حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نظام کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "**فقسمها بين الناس بالتسوية على الصغير و الكبير ، و الحر و المملوک و الذکر و الانثى.**" (۹۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تسویہ کے اصول کے تحت لوگوں میں مال تقسیم کیا۔ چھوٹوں بڑوں، آزادوں، غلاموں اور مردوں عورتوں سب کو برابر برابر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ کی جگہ "تفضیل" کو اپنایا، جس کے مطابق بعض کو بعض پر معاشی ومعاشرتی طور پر ترجیح دی گئی، اس کے نتیجہ میں دولت بعض ہاتھوں میں جمع ہونے لگی جس سے کنز اور احتکار کی صورت پیدا ہوئی۔ کنز واحتکار قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

" وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ " (۱۰۰)

(اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک

عذاب کی خبر سنادیں۔جس دن اس (سونے چاندی اور مال) کودوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھراس سے ان کی پیشانیاں اوران کے پہلوداغے جائیں گے اوران کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اوران سے کہاجائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جوتم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لیے جمع کیاتھاسوتم (اس مال کا) مزہ چکھوجسے تم جمع کرتے رہے تھے۔)

ان نتائج کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''تفضیل'' (بعض کوبعض پر ترجیح) کے نظام کوختم کرکے تسویہ (سب کو برابر دینے) کے نظام کواپنانے کافیصلہ کیا۔آپ کے اعلان کے الفاظ یہ ہیں:

''لئن عشت الی ھذہ اللیلة من قابل لألحقن اخری الناس باولاھم حتی یکونوافی العطاء سواء''
(اگرمیں آئندہ سال زندہ رہاتو پچھلے لوگوں کو پہلے لوگوں کے ساتھ ملادوں گاحتی کہ وہ سب معاشی طور پر برابر ہوجائیں۔)

اس سے ثابت ہواکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفضیل کے نظام کواپنا کرعملی طور پر تجربہ کرلیااورثابت کردیا کہ یہ نظام اسلامی نظام تسویہ کے خلاف اوراس کے متصادم ہے لہٰذا آپ نے تفضیل کومنسوخ کرکے اس کی جگہ تسویہ کونافذ کرنے کااعلان فرمایا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جوشورش ہوئی اس میں ایک مطالبہ یہ بھی تھاکہ تفضیل کے نظام کوختم کیاجائے۔کیونکہ اس سے نہ صرف عربوں کے مختلف طبقات میں امتیاز برتاجارہاہے بلکہ عربوں اورعجمیوں میں اس امتیاز نے بطورخاص زیادہ تباہ کن صورت اختیارکرلی ہے، یہ کیفیت مساوات واخوت کی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، اس لئے تسویہ کے نظام کواپنایاجائے۔چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منجملہ دیگرمطالبات کے اس مطالبہ کواصولی طور پرتسلیم کرلیامگرآپ شہید کردیئے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہدخلاف کے دوران مسلسل تسویہ کے نظام کواپنایااوراسلامی تعلیمات کے مطابق معاشی، معاشرتی اورقانونی طور پرتسویہ کونافذکیا۔(۱۰۱)

۵۔ تعلیمی مراکز کاقیام:

سیرت مصطفوی ﷺ کااگربغورمطالعہ کیاجائے تویہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سب سے زیادہ توجہ علم پردی اوراس کے لیے روزاول ہی سے تعلیم کے لیے مراکز قائم کرنے کواولیت دی۔سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ سے ہمارے سامنے مکی دوراورمدنی دور کے چندایک مراکز سامنے آتے ہیں۔ان دونوں ادوار کے تعلیمی مراکز کی الگ الگ تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) مکی دور کے مراکزِ تعلیم:

حضور نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی مکة المکرمہ میں تعلیمی مراکز کاقیام کیا۔یہ

تعلیمی مراکز کچھ تو غیر رسمی تھے اور کچھ رسمی تھے۔ غیر رسمی مراکز میں آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مختلف اوقات میں کبھی گھاٹیوں میں (۱۰۲) اور کبھی کوہ صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر (۱۰۳)، کبھی کعبۃ اللہ (۱۰۴) اوراس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف اوقات میں مختلف گھروں اور جگہوں میں تعلیم دینا مراد ہے۔ بلکہ سفر وحضر میں بھی علم پھیلانا اسی طرز کا تھا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے مکی دور میں ہمیں چھ باقاعدہ تعلیمی مراکز کا پتہ چلتا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ دارِ رسول اللہ ﷺ:

نبی کریم ﷺ نے تعلیم وتربیت کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور سب سے پہلا تعلیمی مرکز رسول اللہ ﷺ کا دولت خانہ تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے لیے سب سے پہلے اپنے اہل خانہ، پھر خاندان اور پھر دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت اور تعلیم پہنچائی۔ باقی مراکز قائم ہونے کے بعد بھی یہ اہم مرکز قائم ودائم رہا۔ اس کی بہت ساری مثالیں مفسرین کرام نے پہلی وحی: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ٥ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ (۱۰۵) اور آیت مبارکہ " وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ " (۱۰۶) کے تحت ذکر کی ہیں۔ (۱۰۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا نمبر چھٹا یا ساتواں ہے، یہ بالکل ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے، اس وقت تک دارارقم مرکز نہیں بنا تھا۔ اس لیے غالب امکان یہی ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم وتبلیغ کا یہ سلسلہ اپنے گھر ہی میں جاری رکھا۔ (۱۰۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے اور غیر متعین طریقہ سے، جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا، خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں، وہ مکہ میں آئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں اور واپس جا کر ابوذر سے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا، جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں، وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے، اور جو کلام سکھاتا ہے، وہ شعر نہیں کوئی اور چیز ہے۔ تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہیں ہوئی خود مکہ میں آئے، زبان مبارک سے آپ ﷺ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کرلیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ (مسلمان کے لیے زر ومال جمع کرنا جائز نہیں)۔ چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا۔ (۱۰۹)

۲۔ دارِ ارقم:

مکی دَور کا دوسرا تعلیمی اور تبلیغی مرکز دارارقم ہے جس کو تاریخی طور پر بھی بہت اہمیت حاصل

ہے۔اس کے بارے میں علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں:

''کفار کی ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولاً اور عملاً دونوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ﷺ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپ ﷺ کے تزکیۂ نفس اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجہ میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً ۴ھ نبوی میں ہو بھی چکا تھا۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے ایک بار کفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے، جواباً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔'' (۱۱۰)

ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان کوہِ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور انکی مجلسوں سے دور الگ تھلگ واقع تھا۔اس لیے آپ ﷺ نے ۵ نبوی سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنالیا۔(۱۱۱)

۳۔مسجد بیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ:

مکی دَور میں تیسرا تعلیمی مرکز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی مسجد تھی جس کی تفصیل علامہ احمد بن زینی دحلان کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری '' نقل فرماتے ہیں کہ جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا ایک قافلہ ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہو گیا ہے تو ان کے غیظ وغضب کی کوئی حد نہ رہی۔ پہلے بھی وہ بے کس مسلمانوں پر ظلم وتشدد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔لیکن اب، تو انہوں نے مظالم کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے بارسوخ اور متمول تاجر کے لئے بھی مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔آپ بھی مجبور ہو گئے کہ اس بستی سے نقل مکانی کر جائیں، جس بستی کے رہنے والے ظلم ڈھانے میں درندوں کو بھی مات دے گئے ہیں۔چنانچہ ایک روز آپ بھی حبشہ جانے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گئے۔جب آپ ''برک الغماد'' (ایک بستی) پہنچے، جو مکہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے تو آپ کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی، یہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا، بنو قارہ بنو زہرہ قبیلہ کے حلیف تھے۔ابن الدغنہ نے پوچھا: اے ابو بکر! آپ کدھر جارہے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ: میری قوم نے مجھے مکہ سے نکال دیا ہے، میں اب زمین میں سیر وسیاحت کیا کروں گا، اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔اس نے کہا: ''مثلک یا ابا بکر لا یُخرج لا یُخرج'' ''اے ابو بکر! تیرے جیسے آدمی کو نہیں نکالا جانا چاہئے نہیں نکالا جانا چاہیے۔''

چنانچہ ابن الدغنہ آپ کو ہمراہ لے کر مکہ آیا۔تمام مکہ کے سرداروں کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ: ابو بکر جیسی ہستی کو جو اخلاق حمیدہ اور صفات عالیہ سے متصف ہے، اپنے شہر سے نکالنا بڑی زیادتی ہے، میں

نے انہیں پناہ دے دی ہے، اب کوئی شخص ان کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ کرے۔ سب نے اس کی پناہ کو تسلیم کر لیا، اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط عائد کی کہ: وہ ابوبکر کو کہے: کہ وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کیا کرے، جتنا چاہے قرآن پڑھے، جیسے چاہے نماز ادا کرے۔ لیکن یہ سب کچھ اپنے گھر کی چار دیواری میں۔ بلند آواز سے تلاوت نہ کرے اس طرح ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پرامن زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصہ تک ایسا ہی کرتے رہے، پھر اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی۔ جس میں نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے، آپ بڑے خوش آواز تھے، آپ کی تلاوت سننے کے لئے عورتوں اور مردوں کا جم غفیر اکٹھا ہو جاتا حضرت ابوبکر جب عبادت کرتے تو آپ کو کثرت سے رونا آتا۔ مشرکین کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ انہوں نے ابن الدغنہ کی طرف آدمی بھیجا، وہ آیا تو انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے تمہارے کہنے پر ابوبکر کو پناہ دی تھی۔ شرط یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر نماز اور قرأت کیا کریں گے، لیکن اب انہوں نے ایک مسجد تعمیر کر لی ہے، اس میں اعلانیہ اب وہ قرأت کرنے لگے ہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں گمراہ نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مومنانہ جرأت سے اسے جواب دیا فرمایا:

فانی ارد علیک جوارک وارضی بجوار اللہ تعالیٰ

(میں تیری پناہ تجھے لوٹا دیتا ہوں میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے)۔ (۱۱۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غالباً اسی مرکز تعلیم کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم جیسی عظیم المرتبت ہستیوں نے اسلام قبول کیا۔ (۱۱۳)

۴۔ دارِ زید بن سعید:

نبی کریم ﷺ کے مکی دور میں چوتھا تعلیمی مرکز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت زید بن سعید رضی اللہ عنہ کے گھر کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: صرف ایک روز پہلے حضور سرور عالم ﷺ نے اپنے مولیٰ کریم کی بارگاہ بے کس پناہ میں دست مبارک اٹھا کر التجا کی:

"اللھم أعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بعمرو بن الھشام" (۱۱۴)

(اے اللہ! ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے ابتدائی تعلیم اسی مرکز دار سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھی۔اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے گھر سے باہر کھڑے ہوکر تلاوت قرآن سنی تھی۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی باقاعدہ تعلیمی مرکز تھا۔

۵۔شعب ابی طالب:

مکی دور میں پانچواں تعلیمی مرکز شعب ابی طالب ہے، جہاں پر نبی کریم ﷺ اپنے خاندان بنو ہاشم کے ساتھ مسلسل تین سال (۷نبوی تا ۱۰نبوی) تک محصورر ہے،ظاہر ہے اس دوران میں آپ کا تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ یہیں جاری رہا۔(۱۱۵)

۶۔دار اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (مدینة المنورہ):

مکی دور کے تعلیمی مراکز کی چھٹی شاخ ہم اس کو قرار دے سکتے ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ نے مکۃ المکرۃ میں رہتے ہوئے مدینۃ المنورہ میں قائم کی۔اس کی تفصیل علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ دوسرے سال بارہ شخص مدینۃ المنورہ سے آئے اور بیعت کی۔اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام سکھانے کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کردیا جائے۔نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے۔غزوہ بدر میں لشکر کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا ،وہ مدینہ میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے، جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے۔روزانہ کا معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے۔لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔صرف خطمہ،وائل اور واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی، لیکن جب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی چند آیات پڑھیں، تو پھر موم ہوگیا، ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔(۱۱۶)

(ب) مدنی دور کے مراکزِ تعلیم:

سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے مدنی دور میں کچھ بے قاعدہ اور تقریباً بیس باقاعدہ تعلیمی مراکز کا پتہ چلتا ہے، ان سب کی اختصار کے ساتھ وضاحت حسب ذیل ہے:

☆۔ جامعہ صفہ:

یہ اسلام کی پہلی ہمہ جہتی عالمگیر درسگاہ تھی، جس میں تعلیم وتربیت، مختلف مضامین اور فنون بیک وقت پڑھائے جاتے تھے، اسی درسگاہ کے تعلیم وتربیت یافتہ اصحاب رسول ﷺ نے اسلام کی ابدی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ اس کے بارے میں پروفیسر محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا، ایک مسجد تعمیر فرمائی، جسے مسجد نبوی ﷺ کہتے ہیں۔ یہ مسجد مسلمانوں کی تعلیم وتربیت، عبادات اور دیگر اجتماعی سرگرمیوں کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی۔ پھر مسجد نبوی ﷺ کے متصل ایک چبوترہ تعلیم وتربیت کے لیے تعمیر کیا گیا، جسے صفہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں ہر ڈاکٹر حمید اللہ نے صفہ کو "اقامتی جامعہ" (Rasidential University) سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۱۷)

صفہ میں مختلف اوقات میں تعداد مختلف رہی۔ یہ تعداد کل ملا کر تین سو کے قریب پہنچتی ہے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا ہی فیضان تھا کہ داعی اور معلم بھی یہیں سے روانہ کیے جاتے اور اگر کہیں منتظم کی ضرورت پڑتی تو بھی یہیں سے انتخاب ہوتا۔ آج کے ماہرین تعلیم بھی اس امر پر متفق ہیں کہ فرد کی ہمہ جہت تعلیم اور تربیت تبھی ممکن ہے کہ وہ کل وقتی اپنے اتالیق کی نظر میں رہے۔ (۱۱۸)

☆۔ مساجد بطور مراکزِ تعلیم:

مدینۃ المنورہ میں نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں نو مساجد تھیں۔ جنہیں نبی کریم ﷺ نے تعلیمی مراکز بنایا اور باقاعدہ معلمین کو تعینات بھی کیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "صفہ کے بعد جلد ہی اور مدرسے قائم ہوئے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ مدینے میں عہد نبوی ﷺ میں نو مساجد تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں۔" (۱۱۹)

☆۔ ازواج مطہرات کے بیوت بطورِ مراکز تعلیم:

حضور نبی اکرم ﷺ دن اور رات کا اکثر حصہ اپنی ازواج مطہرات کے گھروں میں ہی گزارتے تھے۔ اس طرح عورتوں کے اکثر مسائل جوامت تک پہنچے ہیں، وہ انہیں امہات المؤمنین کے ذریعے پہنچے ہیں۔ اسی طرح زوجین کے باہمی مسائل بھی انہیں گھریلو مراکز تعلیم سے امتِ مسلمہ تک پہنچے ہیں۔ آپ ﷺ کے عقد میں بیک وقت نو ازواجِ مطہرات تھیں۔ اس بارے میں علامہ نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو تو یہ حکم تھا کہ اگر چار سے زیادہ کسی کی بیویاں ہوں تو وہ زائد تعداد کو طلاق دے دے۔ لیکن حضور ﷺ کو اجازت دی گئی کہ زائد ازواج کو پاس رکھیں۔ اس استثنیٰ کی وجہ یہ تھی کہ ازواج النبی ﷺ

کوضروریاتِ دینی کے تحت امہات المؤمنین قرار دے کر محرمات میں داخل کر دیا گیا تھا۔اب اگر ان میں سے کچھ کو حضور ﷺ سے طلاق دلوائی جاتی تو وہ بالکل تنہا ہو کے رہ جاتیں۔(۱۲۰) حضور ﷺ نمازِ عصر پڑھ کر ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے، پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے، تمام ازواجِ مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں، عشاء تک صحبت رہتی (۱۲۱)، پھر نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سو رہتے۔ازواج رخصت ہو جاتیں، نمازِ عشاء کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے۔(۱۲۲) اس طرح ازواجِ مطہرات کے نو گھر بھی مراکزِ تعلیم تھے۔

☆۔عورتوں کے لیے مرکزِ تعلیم:

بعض روایات سے مدینہ منورہ میں عورتوں کے لیے ایک علیحدہ مرکزِ تعلیم کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔جہاں پر آپ ﷺ صرف عورتوں کو تعلیم و تربیت دیتے تھے۔امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ روایت نقل کرتے ہیں: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مرد آپ کی حدیث لے گئے (یعنی آپ سے سب کچھ مردوں ہی نے سیکھ لیا)، آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مخصوص کر دیجیے کہ ہم اس میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور جو کچھ آپ ﷺ کو اللہ نے سکھلایا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی سکھلا دیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں فلاں دن، فلاں جگہ میں اکٹھی ہو جانا، پس وہ عورتیں (اس مقام پر) جمع ہوئی، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور جو کچھ آپ ﷺ کو اللہ نے سکھایا تھا، اس میں سے انہیں سکھلایا۔(۱۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھ مقام اجتماع فلاں عورت کا گھر ہے۔پس آپ ﷺ (وہاں) تشریف لائے اور ان کے ساتھ گفتگو فرمائی۔(۱۲۵) اس سے پتہ یہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک خاتون کے گھر کو تعلیمی مرکز بنایا ہوا تھا۔

۶۔معلم کے فرائض:

نبی کریم ﷺ نے اساتذہ کرام کے لیے اصول وضوابط مقرر فرمائے تا کہ تعلیمی ماحول پروان چڑھ سکے: یہ تمام فرائض حضور ﷺ کے بعض ارشادات سے مستنبط ہیں۔آپ ﷺ نے معلمین کو خصوصی ہدایات دی ہیں۔اس سلسلے کی چند ایک احادیث پیش کی جاتی ہیں:

"عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الناس لکم تبعا و ان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا أتوکم فاستوصوا بھم خیرا." (۱۲۵)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ تمہارے تابع ہیں اور بلاشبہ بہت سے لوگ تمہارے پاس اطراف زمین سے علم دین سمجھنے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کو بھلائی کی وصیت کرو۔)

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار" (۱۲۶) (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپالے (یعنی نہ بتلائے) تو قیامت کے دن (اسے) آگ کی لگام دی جائے گی)۔

"عن كعب بن مالك قال قال رسول الله ﷺ: من طلب علم ليجازی به العلماء اوليمازی به السفهاء اويصرف به وجوه الناس ادخله الله النار" (۱۲۷) (حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء پر فخر کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: من تعلم علماممايبتغی به وجه الله لايتعلمه الاليصيب به عرضامن الدنيالم يجدعرف الجنة يعنی ريحها" (۱۲۸)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایسا علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے، لیکن سیکھا اس غرض سے کہ وہ اس سے دنیا کی متاع حاصل کرے، تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو میسر نہ ہوگی۔)

"عن ابن مسعود رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ: يقول: نضر الله امرء سمع مناشيئافبلغه كماسمعه فرب مبلغ اوعی له من سامع" (۱۲۹)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تازہ رکھے، اللہ اس بندے کو جس نے ہم سے کسی بات کو سنا، اور جس طرح ہم سے کسی بات کو سنا اسی طرح پہنچا دیا، تو اکثر وہ لوگ جن کو پہنچایا جاتا ہے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں)۔

"عن ابی الدرداء قال ان من اشر الناس عندالله منزلة يوم القيامة عالم لاينتفع بعلمه" (۱۳۰)

(حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدترین شخص وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے)۔

"عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: يوشك أن يأتی على الناس زمان

لایبقی من الاسلام الااسمه ولایبقی من القرآن الااسمه،مساجدهم عامرة وهی خراب من الهدی علمائهم شرمن تحت ادیم السماء من عندهم تخرج الفتنة وفیهم تعود" (۱۳۱)
(حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہی لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں صرف اس کا نام رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش، ان کی مسجدیں ظاہر میں آباد ہوں گی لیکن حقیقت میں خراب ہوں گی، ہدایت کے لحاظ سے ان کے علماء آسمان کے نیچے مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے، انہی سے دین میں فتنہ برپا ہوگا اور انہی میں لوٹ آئے گا۔)

"عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ: مثل علم لاینفع به کمثل کنز لاینفق منه فی سبیل الله" (۱۳۲) (حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے، اس خزانہ جیسی ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔)

"عن عبدالله بن عمروقال قال رسول اللهﷺ: ان الله لایقبض العلم انتزاعاینتزعه من العبادلکن بقبض العلم یقبض العلماء حتی اذالم یبق عالمااتخذواالناس رؤوسا جهالافسئلو افافتو ابغیرعلم فضلو اأضلوا" (۱۳۳) (حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دل ودماغ سے اس کو نکال لے، بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے۔ ان سے (دین کے بارے میں) پوچھا جائے گا اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔)

"عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺان اول الناس یقضی علیه یوم القیامة رجل استشهدفأتی به فعرفه نعمته فعرفها فقال فماعلیک فیها؟قال قاتلت فیک حتی استشهدت،قال: کذبت ولکنک قاتلت لان یقال جرئ فقدقیل :ثم أمربه فسحب علی وجهه حتی القی فی النار،ورجل تعلم العلم وعلمه وقرأالقرآن فاتی به فعرفه نعمته فعرفها فقال: فماعملت؟قال علمت العلم وعلمته وقرأت فیک القرآن،قال کذبت،ولکنک تعلمت العلم لیقال انک عالم وقرأت القرآن لیقال هوقارئ،فقدقیل،ثم امربه فسحب علی وجهه حتی القری فی النار،ورجل وسع الله علیه واعطاه من اصناف المال کله فاتی به فعرفها،فقال: فماعملت؟قال ماترکت من سبیل تحت ان ینفق فیهاالاانفقت فیهالک قال : کذبت ولکنک فعلت لیقال هوجوادفقدقیل،ثم امربه فسحب علی وجهه ثم القی النار." (۱۳۴)

(حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلا شخص جس پر قیامت کے دن (خلوص نیت کے ترک کا) حکم لگایا جائے گا، وہ شخص ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا۔ پس اس کو میدان قیامت میں لایا جائے گا اور اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ سب اس کو یاد آجائیں گی۔ پھر خداوند تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں میں کیا کام کیا؟ وہ کہے گا: میں تیری راہ میں لڑا، یہاں تک کہ شہید کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو اس لیے لڑا تھا، کہ لوگ تجھ کو بہادر کہیں، چنانچہ تجھ کو بہادر کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا: اس کو منہ کے بل کھینچا جائے اور آگ میں ڈال دیا جائے۔ پھر وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا اور سکھایا اور قرآن پڑھا، پس اس کو اللہ کے حضور میں لایا جائے گا، اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان کو یاد کرے گا، پھر خدا اس سے پوچھے گا، تو نے ان نعمتوں کا شکر کیوں کر ادا کیا؟ یعنی کیا کام کیا وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور تیرے ہی لیے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے علم اس لیے سیکھا تھا کہ لوگ تجھ کو عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا کہ لوگ تجھ کو قاری کہیں، چنانچہ تجھ کو عالم اور قاری کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا: تو اس کو منہ کے بل کھینچا جائے گا، اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ شخص ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور اس کی روزی کو زیادہ کیا اور طرح طرح کا مال عطا کیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان نعمتوں کو یاد کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ان نعمتوں کے شکر میں تو نے کیا کام کیا؟ وہ کہے گا: میں نے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں تو پسند کرتا ہے کہ خرچ کیا جائے مگر میں نے اس میں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے خرچ کیا کہ تجھ کو سخی کہا جائے چنانچہ تجھ کو سخی کہا گیا۔ پس حکم دیا جائے گا اس کو منہ کے بل کھینچا جائے، پھر آگ میں ڈال دیا جائے۔)

قلقشندی لکھتے ہیں کہ: مقرر (استاذ) کے لیے ضروری ہے کہ وہ تیاری کے بغیر کوئی بات نہ کرے۔ پہلے خیالات کو مرتب کرے پھر ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جو فصیح، سلیس اور شائستہ ہوں (۱۳۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے معلم کے یہ فرائض بیان کیے ہیں:

۱۔ طلبہ کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان کے ساتھ اپنی اولاد جیسا سلوک کرے۔ (۱۳۶)

۲۔ نبی کریم ﷺ کی مثال سامنے رکھ کر ترویج علم میں کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہرگز نہ کرے۔ (۱۳۷)

۳۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو بھی یہی نصیحت کرے کہ وہ اس وقت تک سند فضیلت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں، جب تک اس کے اہل نہ ہو جائیں۔ (۱۳۸)

۴۔ اپنی توجہ طلبہ کی فضیلت علمی ہی پر مرتکز نہ کرے، بلکہ ان کے کردار پر بھی پوری پوری توجہ دے، اور ان

کی کسی بے جا حرکت کی صورت میں ان کو نرمی سے سرزنش کرے۔(۱۳۹)

۵۔ اپنے شاگردوں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے۔ بہ خلاف اس کے کہ اس بات پر اصرار کرے کہ وہ حتی الوسع زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں۔(۱۴۰)

۶۔ مبتدی اور محدود قابلیت کے شاگردوں کے لیے سہل مسائل منتخب کر لے۔ ایسا کرے گا تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل ہوگا کہ جو شخص اپنے معیار سے بلند زبان میں نصیحت کرتا ہے، اس کی گفتگو سے بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔(۱۴۱)

۷۔ استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل میں توافق پیدا کرے، ورنہ صحیح افادہ ممکن نہ ہوگا، کیونکہ اقوال دل میں اترتے ہیں لیکن اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔(احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۴۸)۔ ابن المقفع کا قول ہے کہ جو شخص امام بننا چاہتا ہے، اسے پہلے اپنے نفس کی تربیت کرنی چاہیے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی زبان سے زیادہ اپنی شہرت سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کر سکے گا۔(۱۴۳)

۸۔ شاگرد کی ہمت افزائی کرے اس طرح کہ وہ خود اپنے فہم و عقل کو کام میں لائے، محض استاد کی نقالی نہ کرے۔

۹۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ان امور کی طرف مختلف ارشادات میں توجہ دلائی ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

"وواضع العلم عند غیر اھلہ کمقلد الخنازیر الجواھر واللؤلؤ والذھب"(۱۴۴)

(علم کو نااہلوں کے سامنے پیش کرنا ایسا ہے جیسے خنزیروں کے گلے میں جواہرات، موتی اور سونے کے ہار پہنانا)۔

اس حدیث مبارکہ سے علماء کرام نے درج ذیل باتیں مستنبط کی ہیں:

☆ ہر شخص کو علم کی استعداد نہیں ہے۔(۱۴۴) ☆ نالائق کو علم سکھانا تضیع اوقات و استطاعت ہے۔(۱۴۵) ☆ علماء کیلئے لازم ہے کہ وہ طلباء کی استعداد کے مطابق علوم میں درجہ بندی کر کے علم سکھلائیں۔(۱۴۶) ☆ درجہ بندی کے بغیر علم سکھلانا زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔(۱۴۷)

۷۔ طلباء کے فرائض:

حضور اکرم ﷺ نے طلباء کے لیے بھی ضروری امور کی وضاحت فرمائی ہے۔ ان میں سے چند ضروری امور درج ذیل احادیث میں بیان ہوئے ہیں:

۱۔"اطلبوا العلم ولو بالصین"(۱۴۸) علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے۔

۲۔"اطلبو االعلم من المھدالی اللحد"(۱۴۹) گھوارے سے قبر تک یعنی پیدا ہونے سے موت آنے تک علم سیکھتے رہو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ان مثل ما بعثنی الله به عز و جل من الهدیٰ والعلم کمثل غیث اصاب ارضا فکانت منها طائفة طیبة قبلت المآء فانبت الکلأ والعشب الکثیر و کان منها اجادب امسکت المآء فنفع الله بها الناس فشربوا منها وسقوا ورعوا واصاب طائفة منها اخریٰ انما هی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلأ فذلک مثل من فقه فی دین الله و نفعه بما بعثنی الله به فعلم وعلم و مثل من لم یرفع بذلک رأسا ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به" (۱۵۰)

(جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا، اس کی مثال زوردار بارش جیسی ہے، جو عمدہ زمین پر برسے تو وہ اسے قبول کر کے گھاس اور خوب سبزہ اُگاتی ہے جب کہ زمین کا بعض حصہ سخت ہوتا ہے جو پانی کو روک لیتا ہے تو لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں کہ پیتے ہیں، پلاتے ہیں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ جب کہ کچھ بارش دوسرے حصے پر برسی جو چٹیل میدان ہے۔ نہ پانی کو روکے اور نہ سبزہ اُگائے۔ پس یہی مثال اس کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھا اور نفع حاصل کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے یعنی اسے سیکھا اور سکھایا۔ جب کہ دوسرے کی مثال جس نے سر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا ہے۔)

علم خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے:

☆ دین اسلام کا مقصد لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ ☆ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ ☆ علم خود مقصود نہیں بلکہ ہدایت کا ذریعہ ہے۔ (۱۵۱) ☆ علم دین کو سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہی نجات کی راہ ہے۔ ☆ علم دین سے منہ موڑنا گمراہی ہے۔ ☆ نبی کریم ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں، ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ ☆ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کے علاوہ باقی ادیان میں انسانیت کی نجات نہیں ہے۔ ☆ علم دین کو سیکھنا اور سکھلانا بہت بڑی نیکی ہے۔ ☆ علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اور عمل کیلئے علم ضروری ہے۔ (۱۵۲)

☆ علم دین خود سیکھ کر دوسرے تک پہنچانا دینی فریضہ ہے اور دین پھیلانے کے، جو ذرائع ہیں، انہیں استعمال میں لانا بھی دینی فریضہ ہے۔ (۱۵۳) ☆ تبلیغ دین کیلئے عالم ہونا لازم ہے۔ (۱۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مامن مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه کما تنتج البهیمة بهیمة جمعاء هل تحسون فیها من جدعاء." (۱۵۵)

(ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے ہر مویشی صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم ان میں سے کسی کو کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟)

اصول وضوابط:

☆ ہر پیدا ہونے والا بچہ اسلام پر ہوتا ہے۔(۱۵۶) ☆ انسان دوسروں کی محبت سے سیکھتا اور دوسروں کی عادات واطوار اپناتا ہے۔ ☆ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر ہونا انسانیت کا عیب ہے۔ ☆ بچہ والدین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ ☆ ہر پیدا ہونے والے بچے میں معرفت الٰہی کی قدرت ہوتی ہے۔ (۱۵۷) ☆ انسان کی معرفت الٰہی کی قوت کو کوئی ختم نہیں کرسکتا ہے۔(۱۵۸) ☆ بچوں کو جیسا ماحول ملتا ہے ویسا ہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔(۱۵۹) ☆ بچوں کی پیدائش کا عمل فطرتاً نکاح کے ساتھ ہے۔ ☆ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کے اعضاء پر کوئی آفت نہ آئے تو وہ پورا کام کریں گے۔ مگر آفت کے ساتھ بیکار یا عیب دار ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی انسان کے بچے پر ذہنی آفت نہ آئے تو اس کی فطرت صحیح کام کرے گی اور وہ مسلمان ہوگا مگر اس کے ماں باپ اس پر صحبت کی ذہنی آفت ڈال کر کسی دوسرے مذہب کا پیروکار بنا دیتے ہیں۔(۱۶۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’هل تدرون مامثل هذه وهذه ورمى بهاتين قالوا الله ورسوله اعلم قال هذا الامل وهذا الاجل‘‘ (۱۶۱)

(کیا تم جانتے ہو کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے اور دو کنکریاں پھینکیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اُمید ہے اور یہ موت۔)

اصول وضوابط:

☆ معلم کا طالب علموں کو متوجہ کرنے کیلئے سوالات کرنا بہترین ذریعہ تعلیم ہے۔(۱۶۲) ☆ استاد یا شیخ کے سامنے خاموش رہنا اور ان کے جواب کا انتظار کرنا حصول علم کیلئے بہترین طریقہ ہے۔(۱۶۳) ☆ کسی حسّی شئے کے ذریعے بات سمجھانا بہترین طریقہ تعلیم ہے۔ ☆ بندے کی اُمیدیں بہت زیادہ اور عمر کم ہے۔(۱۶۴) ☆ بندے کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں لیکن موت آ جاتی ہے۔(۱۶۵) ☆ ہمیں اپنی موت کو ہروقت یاد رکھنا چاہیے۔(۱۶۶) ☆ ہمیں ہر قسم کے علوم وفنون سیکھنے چاہیے۔(۱۶۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"خط النبى ﷺ خطامربعا وخط وسط الخط المربع خطوطاالى جانب الخط الذى وسط المربع وخطاخارج الخط المربع ثم قال اتدرون ماهذا ؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال هذا الخط الاؤسط الانسان والخطوط التى الى جانبه الاعراض والاعراض تنهشه من كل مكاناذا خطاه هذا اصابه هذا والخط المربع الاجل المحيط به والخط الخارج البعيد الامل."(۱۶۸)

(نبی کریم ﷺ نے ایک مربع خط کھینچا، پھر اس کے درمیان ایک خط اوپر کو نکلتا ہوا کھینچا اور اس درمیانی خط کے دونوں جانب بہت سے خطوط کھینچے، اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے ؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔)

آپ ﷺ نے فرمایا یہ درمیانی خط انسان ہے اور اس کے دونوں جانب جو خطوط کھینچے ہوئے ہیں وہ اس کی بیماریاں اور تکلیفیں ہیں جو اس پر آتی جاتی ہیں اور یہ مربع خط جو انسان کو گھیرے ہوئے ہے وہ اس کی عمر ہے اور جو خط اس سے باہر نکلا ہوا ہے وہ اس کی تمنائیں ہیں۔

اصول وضوابط:

☆ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے علم کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ ☆ استاد یا شیخ کے علم کے سامنے اپنے علم کا اظہار نہ کرنا بہتر ہے۔ ☆ انسان بیماریوں، دکھوں اور تکلیفوں میں گھرا ہوا ہے۔ (۱۶۹) ☆ انسان کی عمر محدود اور تمنائیں غیر محدود ہیں۔ (۱۷۰) ☆ تختہ سیاہ یا تختہ سفید اور قلم کے ذریعے لکھ کر یا نشاندہی کر کے علم سکھانا بہترین ذریعہ تعلیم ہے۔ ☆ طالب علموں کو متوجہ رکھنے کیلئے ان سے سوال وجواب کرنے چاہیے۔ ☆ اللہ کا علم ہر شئے کو محیط ہے۔ ☆ مخلوق میں سب سے زیادہ علم حضور اکرم ﷺ کا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منه شئ اصابک من ریحه ومثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سواده اصابک من دخانه (۱۷۱)

(نیک ہم نشین کی مثال خوشبو والے کی طرح ہے۔ اگر تو اس سے کچھ نہ بھی خریدے تو عمدہ خوشبو کو اس سے پا ہی لے گا اور بُرے ہم نشین کی مثال بھٹی دھونکانے والے کی طرح ہے اگر تو اس کی سیاہی سے بچ بھی جائے تو اس کا دھواں تجھے ضرور پہنچے گا۔)

اصول وضوابط:

☆ نیک آدمی کی صحبت آدمی کو نیک بنا دیتی ہے۔ ☆ بُرے آدمی کی صحبت سے برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ☆ مشک پاک اور طیب چیز ہے۔ (۱۷۲) ☆ آدمی کی پہچان اس کے دوستوں سے ہوتی ہے اگر دوست اچھے ہوں تو خود بھی اچھا ہوگا اور اگر وہ بُرے ہوں گے تو خود بھی بُرا ہوگا (۱۷۳)

☆ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ (۱۷۴) ☆ بُرے لوگوں کی دوستی اور بیٹھک سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (۱۷۵) ☆ بُری مجلس سے بچنے سے آدمی کا دین اور دنیا محفوظ ہوتی ہے۔ (۱۷۶) ☆ اچھی مجلس میں بیٹھنے سے بندہ کو دینی اور دنیاوی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اخبرونی بشجرة کالرجل المسلم تؤتی اکلها کل حین باذن ربها، لا یتحاث ورقها؟ ثم قال : هی النخلة" (۱۷۸)

(مجھے ایسے درخت کی خبر دو جو مسلمان مرد کی مثل ہوتا ہے اور وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑتے پھر فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔)

اصول وضوابط:

☆ طلبہ کو متوجہ رکھنے کی بھر پور کوشش کرنی چاہیے۔ ☆ علم کے شوقین طلباء کا ذوقِ علم بڑھانے کیلئے ان سے سوالات کیے جائیں۔ (۱۷۹) ☆ سوال کرنے کا مقصد مسئول کو پریشان کرنا یا مغالطہ میں ڈالنا نہیں ہونا چاہیے۔ (۱۸۰) ☆ امتحان لینے کیلئے اپنے شاگردوں یا اصحاب سے سوال کرنا جائز ہے۔ (۱۸۱) ☆ اپنے اساتذہ، شیوخ یا بڑوں کے سامنے خاموش رہنا بہترین عمل ہے۔ (۱۸۲) ☆ مثالیں دے کر مسائل کو سمجھانا بہترین تبلیغ اور علم ہے۔ ☆ مسلمان اخلاق وعادات اور حسن اعمال میں مستقل مزاج ہوتا ہے۔ (۱۸۳) ☆ کھجور کے درخت کی طرح مسلمان بھی اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی، دوسروں کیلئے سرچشمہ خیر بن سکتا ہے۔ (۱۸۴) ☆ جیسے کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی ہیں اسی طرح مؤمن کے دل میں ایمان بڑا گہرا ہوتا ہے۔ (۱۸۵) ☆ سوال کرنا عدم علمیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ☆ مؤمن ہمیشہ سچا، کھرا، ملنسار، خوش مزاج اور دوسروں کیلئے نافع ہوتا ہے۔ (۱۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مثل الذی یجلس یسمع الحکمة ثم لا یحدث عن صاحبه الا بشر ما یسمع کمثل رجل اتی داعیا فقال یا داعی اجزرنی شاة من غنمک قال اذهب فخذ باذن خیرها فذهب فاخذ باذن کلب الغنم." (۱۸۷)

(جو شخص حکمت کی بات سنے اور اپنے ساتھی سے بُری بات کے علاوہ کچھ بیان نہ کرے تو اس شخص کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی چرواہے کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے ایک بکری ذبح کرنے کیلئے دے دو، اس نے کہا جو بکری پسند ہے وہ پکڑ لو وہ ریوڑ میں گیا اور بجائے بکری کے کتے کا کان پکڑ کر لے آیا۔)

علم کی اچھی بات آگے منتقل کرنی چاہیے:

☆ مؤمن کو ہر وقت حکمت کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ (۱۸۸) ☆ مؤمن وہ ہے جو دوسروں سے حکمت کی باتیں حاصل کرتا ہے۔ (۱۸۹) ☆ دانا آدمی سے بھی غلطی اور بھول ہو سکتی ہے۔ (۱۹۰) ☆ سننے والے کو چاہیے کہ وہ حکمت والی باتیں آگے بیان کرے اور برائی والی باتوں کو دوسرے سے بیان نہ کرے۔

(۱۹۱) ☆ دین اور دنیا دونوں کیلئے حکمت کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱۹۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"علیکم بھذاالعلم قبل ان یقبض و قبضه ان یرفع وجمع بین اصبعیه الوسطی والتی تلی الابھام ھکذا ثم قال العالم والمتعلم شریکان فی الاجر ولا خیر فی سائر الناس" (۱۹۳)

(علم کو اس کے قبض ہونے سے پہلے لازم پکڑ لو۔ اور علم کا قبض یہ ہے کہ اسے اٹھالیا جائے گا اور آپ ﷺ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی ملا کر فرمایا، اس طرح ۔ پھر فرمایا سکھانے اور سیکھنے والا ثواب میں شریک ہیں اور باقی لوگوں میں کوئی خوبی نہیں۔)

اصول وضوابط:

☆فضلِ علم، فضلِ عبادت سے افضل ہے۔ (۱۹۴) ☆علم سیکھنے اور سکھانے والوں کا رتبہ تمام سے بڑھ کر ہے۔ (۱۹۵) ☆ تمام مسلمانوں پر ضروریات دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ (۱۹۶) ☆ جسے خود علم نہیں وہ دوسرے سے حاصل کرے۔ (۱۹۷) ☆مسلمانوں کے ایک گروہ کیلئے ہر دور میں علم دین حاصل کرنا اور پھیلانا لازم ہے۔ (۱۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من جآء مسجدی ھذا لم یاته الالخیر یتعلمه او یعلمه فھو بمنزلة المجاھد فی سبیل الله ومن جآء ہ لغیر ذلک فھو بمنزلة الرجل ینظر الی متاع غیرہ" (۱۹۹)

(جو میری اس مسجد میں خیر کی تعلیم دینے یا حاصل کرنے آئے، تو اسے مجاہد فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہے اور جو اس کے علاوہ کسی اور کام کی غرض سے آیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر کے مال پر اس کی نظر ہو۔)

اصول وضوابط:

☆ مساجد کو علم کے مراکز بنانا چاہیے۔ (۲۰۰) ☆مساجد میں جانے کا مقصد نماز کے علاوہ حصولِ علم ہونا چاہیے۔ (۲۰۱) ☆ طالب علم کا، احیاء دین اور مخالفتِ شیطان میں کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ (۲۰۲) ☆مسجد نبوی علم کا مرکز ہے اس میں علم سیکھنے یا سکھلانے کیلئے آنا چاہیے۔ (۲۰۳) ☆مسجد نبوی میں درس وتدریس بمنزلہ جہاد کے ہے۔ (۲۰۴)

متعلم کے آداب:

۱۔ متعلم کے لیے سب سے زیادہ ضروری پاکیزگی نفس ہے۔

۲۔ وہ دنیاوی اور مادی اغراض کو زیادہ مدنظر نہ رکھے۔

۳۔ اپنے علم پر متکبر اور مغرور نہ ہو۔

۴۔ تحصیل علم میں دلچسپی قائم رکھے، اختلافی مسائل میں الجھے نہیں، بلکہ ہر دم سمجھنے کی کوشش کرے۔
۵۔ جتنے بھی عمدہ علوم ہیں، سب کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔
۶۔ کسی ایک علم ہی کی تحصیل میں زندگی ختم نہ کرے کہ اس سے فارغ ہو کر ہی کوئی دوسرا علم حاصل کرے گا، بلکہ اسے تمام علوم کی طرف توجہ دینی چاہیے۔
۷۔ جب تک کسی ایک فن کے متعلق ابتدائی معلومات حاصل نہ کرلے، کسی دوسرے فن کی طرف توجہ نہ دے۔
۸۔ تمام علوم کی تحصیل کا مقصود خوشنودی خدا ہونا چاہیے۔

طالب علم کے لیے اصل چیز علم حاصل کرنا ہے جن اعلیٰ مقاصد کے لیے متعلم کو جدوجہد کرنی چاہیے وہ مادی سہولت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی بھی ہونے چاہیں۔ متعلم کی زندگی لگی بندھی اور مرتب ہونی چاہیے کیونکہ اس کی زندگی کا خلفشار مستقبل کے پورے نظام کو متاثر کردے گا۔ طالب علم کا علمی ماحول ایسا ہو جس میں مخرب اخلاق حرکات کی گنجائش کم ہو۔ علم ودین کی پاکیزگی اور روحانیت کی لطافت برقرار رہے۔ اچھے ماحول اور مرتب زندگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ طالب علم کی شخصیت متوازن طریق پر نشوونما پائے گی۔ ورنہ ادھورے اور خام خیال لوگ تعلیمی ماحول سے نکل کر پورے معاشرے کو خراب کردیں گے۔(۲۰۵)

تدریس کے اصول:

حضور ﷺ کا طریقہ تعلیم سادہ، فطری، حکیمانہ اور مشفقانہ تھا۔ علوم نبوت کو لوگوں تک پہنچانے اور دلوں میں اتارنے کے لئے معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ نے جو کوششیں کیں اور جو جو طریقے اختیار کیے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ علم کی اہمیت کا احساس دلوں میں بیدار کیا۔ علم کے فضائل سے آگاہ کر کے اس کے حصول کی طرف رغبت دلائی اور فرمایا:

ومن سلک طریقا یلتمس فیه علماسهل الله له به طریقاالی الجنة وماا جتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم الانزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملئکة وذکرهم الله فیمن عنده.(۲۰۶)

(جو شخص ایک راستے پر چلتا ہے تاکہ علم کی طلب کرے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے، اور لوگ جب اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، اور آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ملأ اعلیٰ میں ان کو یاد فرماتے ہیں۔)

نیز فرمایا: "**من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع**"(۲۰۷)

جو شخص علم کی طلب میں نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ لوٹ نہ آئے۔

ایک بار نبی کریم ﷺ کا اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزر ہوا۔اور فرمایا کہ یہ دونوں مجلسیں خیر پر ہیں، لیکن ایک دوسری سے افضل ہے۔ایک کے متعلق فرمایا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں۔اللہ تعالیٰ چاہے انہیں عطا فرمائے یا نہ عطا فرمائے لیکن یہ دوسرے فقہ اور علوم سیکھ رہے ہیں اور بے علموں کو علم سکھاتے ہیں۔ پس یہ افضل ہیں اور مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ ﷺ پھر ان کی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے۔(۲۰۸)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک علم کو کس قدر اہمیت حاصل تھی اور علم کی طرف راغب کرنے کے لیے انہوں نے کس طرح متوجہ کرنے کی سعی فرمائی۔

۲۔ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج عام نہ تھا اور نہ اس غرض کے لئے اسکول یا درسگاہیں تھیں۔ تعلیم کا شغل زبانی اختیار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ کبھی لوگوں کو بلا کر اکٹھا کر کے تعلیم کا فرض ادا کرتے اور کبھی لوگوں کے اجتماعات میں بنفس نفیس تشریف لے جا کر علوم نبوت کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی "**وانذر عشیرتک الاقربین**" (۲۰۹) تو حضور اکرم ﷺ نے اس پر یوں عمل فرمایا کہ کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو ان کے نام لے لے کر بلایا جب سب لوگ آ گئے تو ان کو اپنا پیغام یوں پہنچایا:

"**انی نذیر لکم بین یدی عذاب الشدید**"(۲۱۰)

(میں تمہیں شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو کہ میں دیکھ رہا ہوں۔)

آپ ﷺ حج کے اجتماعات میں نیز مختلف تجارتی منڈیوں اور بازاروں میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو اپنی دعوت سے آگاہ فرماتے: "**یٰأیھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا**"، لوگو! **لا الٰہ الا اللہ**" کہو نجات پا جاؤ گے۔ **یٰأیھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تملکوا العرب والعجم**" لوگو! **لا الٰہ الا اللہ** کہو عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔(۲۱۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کتاب وحکمت نبی کریم ﷺ کا منصبی فرض تھا، جس کی ادائیگی کے لیے حضور نے بعض اوقات لیکچر دیئے جیسا کہ عرباض بن ساریہ کی حدیث میں تفصیل سے ذکر آیا ہے۔وہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک روز حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ آپ کے بیان کے اثر سے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دلوں پر خوف طاری ہو گیا۔آپ ﷺ نے مستقبل میں آنے والے حالات وخطرات سے آگاہ فرمایا اور ان سے نپٹنے کے لیے ہدایات دیں۔(۲۱۲)

اپنے بیان کی وضاحت اور مخاطب کے ذہن نشین کرنے کے لیے حضور ﷺ اکثر مثالوں کا استعمال فرمایا کرتے، اور تعلیم دیتے وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ مخاطب اکتا نہ جائے۔چنانچہ آپ ﷺ کے جمعہ کے خطبات اور دیگر لیکچر مختصر ہوتے اور اس بات کو معلم کی عقلمندی کی دلیل قرار دیتے تھے فرمایا: "ان طول صلوٰة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه" (۲۱۳) بے شک آدمی کی طویل نماز اور اس کے خطبہ کا مختصر ہونا اس کے سمجھدار ہونے کی دلیل ہے۔

۵۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں طریق تعلیم یہ اختیار کیا جاتا تھا کہ: مجلس میں جب کچھ لوگ موجود ہوتے تو علمی مسائل چھیڑ دیئے جاتے تا کہ اس طرح حاضرین مجلس کو مسائل کا علم ہو جائے۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا، جو نہ تو ایسا مسافر معلوم ہوتا تھا کہ دور سے آیا ہو، اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا شناسا تھا، حضور ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور سوالات شروع کر دیئے۔حضور ﷺ سے پوچھا کہ: اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ قیامت کے متعلق فرمایئے :اس کی علامات کیا ہیں؟ آپ ﷺ ان سب سوالوں کے جوابات ایک ایک کر کے دیئے، وہ شخص جواب سن کر تصدیق کرتا جاتا تھا۔آخر کار وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے جواباً کہا: کہ اللہ اور اس کا رسول جانتے ہوں گے! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل امین علیہ السلام تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔(۲۱۴)

۶۔ طالب علم کی علمی استعداد کا اندازہ لگانے کے لیے کبھی استاد بھی شاگردوں سے سوال پوچھ سکتا ہے، جس سے مقصود امتحان بھی ہو سکتا ہے اور شاگرد کو طلب میں مستعد کرنا بھی مقصود ہو سکتا ہے، یہ بھی تعلیم میں دلچسپی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے مثال کے طور پر حضور ﷺ نے ایک صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا:" ای آية فی القرآن اعظم" (۲۱۵)(قرآن میں کونسی آیت سب سے زیادہ عظمت کی حامل ہے؟) حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے تھوڑے سے تردد کے بعد فرمایا: کہ آیت الکرسی۔تو حضور ﷺ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو اس جواب پر مبارک باد دی۔

امام کا ایسا مسئلہ پیش کرنا تا کہ ان کا امتحان لے سکے:

مذکورہ مثالوں سے طالب علم کا امتحان لئے جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے گویا امتحان تعلیم ہی کا ایک جزو ہے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ نے مشکل اور اہم علمی مسائل کو لکھ لینے کی ہدایت بھی فرمائی۔اس بارہ میں ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: کہ لکھ لینے سے علم محفوظ ہو جاتا ہے فرمایا:"قیدوا العلم بالکتابة" (علم کو لکھ

کر محفوظ کرو)

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حرمت مکہ کے متعلق کچھ مسائل بیان فرمائے۔ اہل یمن سے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا عرض کی کہ اللہ کے رسول یہ مسائل مجھے لکھ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اکتبو الابی شاہ (۲۱۶) کہ ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔

تو ثابت ہوا کہ لکھنا بھی علم ہے اور علم کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ کتابت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ (۲۱۷) (تیرا رب بڑی عزت والا ہے جس نے قلم کا استعمال سکھایا ہے۔)

حضور ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۲۱۸)

۸۔ حضور ﷺ تعلیم دیتے وقت شاگرد سے نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے اور حکیمانہ انداز کی بدولت طالب علم ذہنی طور پر حصول علم کے لئے مستعد ہو جاتا اور کمال توجہ سے علم و حکمت کے جواہرات اپنی جھولی میں بھرنے کے لیے تیار ہو جاتا اور انوار نبوت سے مستفید ہوتا۔ جس کی مثال حدیث میں ملتی ہے، آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "یاعماہ الااعطیک الاامتحک" (۲۱۹) (اے چچا! آؤ میں تمہیں کچھ عطا کروں اور آؤ تمہیں میں کچھ تحفہ میں دوں)۔ اور پھر اس کے بعد معلم انسانیت نے علم و معرفت کے موتی بکھیر دیے۔

۹۔ نیز ایک طویل حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

۱۔ "اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ"

(میں تجھے تقوی کی وصیت کرتا ہوں اس سے تیرے تمام امور اور سرگرمیاں قابل تحسین ہو جائیں گی۔)

۲۔ "علیک بتلاوۃ القرآن وذکر اللہ عزوجل فانہ ذکر لک فی السماء ونور لک فی الارض"

(قرآن پاک کی تلاوت اور اللہ کا ذکر خود پر لازم کر۔ تیرا ذکر آسمانوں میں ہوگا اور زمین میں تجھے روشنی حاصل ہوگی۔)

۳۔ "علیک بطول الصمت فانہ مطردۃ للشیطان وعون لک فی امر دینک"

(طویل خاموشی اختیار کر یہ شیطان کو دور رکھنے کا ذریعہ ہے اور دین کے امور میں مددگار ہے۔)

۴۔ "ایاک وکثرۃ الضحک فانہ یمیت القلب ویذھب بنور الوجہ" (۲۲۰)

(زیادہ ہنسی سے اپنے آپ کو بچاؤ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرے کا نور زائل ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے تقوی، تلاوتِ قرآن، طویل خاموشی اور زیادہ ہنسی سے

پرہیز کے احکام کے ساتھ ساتھ اس کا فلسفہ بھی نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ گویا تعلیم کے ساتھ ساتھ اس میں پوشیدہ حکمت سے بھی آگاہ فرماتے، تاکہ علم کی افادیت ظاہر ہو اور طالب کی توجہ اور رغبت اس کی طرف بڑھے۔

حضور ﷺ تعلیم دیتے وقت مخاطب کی صلاحیت اور ذہنی سطح کا خیال بھی رکھتے اور اپنی بات پوری طرح ذہن نشین فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "انه كان اذاتكلم اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه" (۲۲۱) جب آپ ﷺ بات بیان فرماتے تو اپنی بات تین بار دہراتے تاکہ مخاطب کی سمجھ میں آجائے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا (۲۲۲)

۹۔ تعمیل علم:

معلم کی تعلیم اگر الفاظ کا مجموعہ ہو اور عمل کی طاقت اس کے ساتھ نہ ہو تو نقش برآب ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ قول و فعل کا تضاد کم و بیش ہر جگہ نظر آتا ہے۔ گھروں، بازاروں، منڈیوں، تعلیمی اداروں، عدالتوں اور ایوانِ سیاست غرض کون سی جگہ ہے جو اس تضاد سے پاک ہے۔ کوئی بھی معاشرہ جب تک قول و فعل کے اس تضاد سے نجات نہیں پالیتا، وہ اعلیٰ اقدار کو نہیں پا سکتا۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں آشکار کیا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ○" (۲۲۳) (اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے، جو کہو اس کو کرو نہیں۔)

جب آپ ﷺ نے دعوت پیش فرمائی تو اپنی زندگی کو بطور مثال پیش فرمایا۔

(فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۲۲۴) (میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھا وہ آپ ﷺ کے اسوہ کی گواہی ان الفاظ میں دیتی ہیں۔ كان خلقه القرآن ،یعنی آپ ﷺ کی سیرت قرآن کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے جب اہل خانہ سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی تو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

خيركم خيركم لاهله واناخيركم لاهلى (۲۲۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔

حوالہ جات

۱۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۷۷، مطبوعہ الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۵ء

۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ص ۲۶۱، مطبوعہ ادارہ تحقیات اسلامی اسلام آباد، ط ۹، ۲۰۰۳ء

۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، قوموں کے عروج وزوال پر علمی تحقیقات کے اثرات، ص ۵۷، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ط ۱، ۱۹۹۲ء

۴۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص ۲۶۴، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ط ۹، ۲۰۰۳ء

۵۔ طاہرہ منہاس، مثالی نظامِ تعلیم، ص ۱۱۴-۱۱۵، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء

۶۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ۲۳۰ ۷۔ خطبات بہاولپور، ص ۲۶۱

۸۔ العلق ۹۶: ۱-۵ ۹۔ قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، ج ۶، ص ۳۹۳۹

۱۰۔ کرم شاہ، محمد، الازہری، پیر، تفسیر ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۶۱۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

۱۱۔ البقرۃ ۲: ۳۱ - ۳۲ ۱۲۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۵ ۱۳۔ یوسف ۱۲: ۷۶

۱۴۔ طٰہٰ ۲۰: ۱۱۴ ۱۵۔ البقرۃ ۲: ۲۴۷ ۱۶۔ الاعراف ۷: ۳۲

۱۷۔ المجادلۃ ۵۸: ۱۱ ۱۸۔ الزمر ۳۹: ۹ ۱۹۔ فاطر ۳۵: ۲۸

۲۰۔ البقرۃ ۲: ۲۶۹ ۲۱۔ لقمان ۳۱: ۱۲ ۲۲۔ ص ۳۸: ۲۰

۲۳۔ النساء ۴: ۵۴ ۲۴۔ البقرۃ ۲: ۲۵۱ ۲۵۔ الکھف ۱۸: ۶۵-۶۶

۲۶۔ الزخرف ۴۳: ۶۳ ۲۷۔ آل عمران ۳: ۶۶ ۲۸۔ البقرۃ ۲: ۱۲۹

۲۹۔ الجمعۃ ۶۲: ۲ ۳۰۔ البقرۃ ۲: ۱۵۱ ۳۱۔ البقرۃ ۲: ۲۳۱

۳۲۔ آل عمران ۳: ۱۶۵ ۳۳۔ آل عمران ۳: ۴۸ ۳۴۔ النساء ۴: ۱۱۳

۳۵۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۹ ۳۶۔ النحل ۱۶: ۱۲۵ ۳۷۔ الاحزاب ۳۳: ۳۴

۳۸۔ القمر ۵۴: ۴-۵ ۳۹۔ القلم ۶۸: ۱ ۴۰۔ البقرۃ ۲: ۲۸۲

۴۱۔ المزمل ۷۳: ۱-۴ ۴۲۔ التوبۃ ۹: ۱۲۲

۴۳۔ ابوداؤد، رقم ۳۶۴۶ ۴۴۔ ایضاً: ۳۸۸۷

۴۵۔ i۔ المعجم الکبیر، رقم ۴۴۱۰ ii۔ مسند الشامین، رقم ۲۲۷ iii۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۵۱

۴۶۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۵۲

۴۷۔ المعجم الاوسط، رقم ۸۴۸، ص ۲۵۹ ۴۸۔ ترمذی، ابواب القدر، رقم ۲۱۵۵، ص ۴۵۷

۴۹۔ مسلم، کتاب القدر، رقم ۲۶۴۵، ص ۲۰۳۷

۵۰۔ i۔ بخاری، کتاب القدر، رقم ۶۵۹۴ ii۔ مسلم، رقم ۲۶۴۳،

۵۱۔ قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ مالکی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۲۰، ص ۱۰۶، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ

۵۲۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۲۱، رقم ۴۸۹
۵۳۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۲۲، رقم ۴۹۸
۵۴۔ ایضاً، ج۱، ص۱۲۴، رقم ۵۰۷
۵۵۔ ایضاً، ج۱، ص۱۲۶، رقم ۵۲۱
۵۶۔ ایضاً، ج۱، ص۱۲۶، رقم ۵۲۳
۵۷۔ ایضاً، ج۱، ص۱۲۶، رقم ۵۲۷
۵۸۔ ایضاً، ج۱، ص۱۲۶، رقم ۵۲۸
۵۹۔ الذاریات ۵۱:۶۵
۶۰۔ آل عمران ۳:۱۱۰
۶۱۔ الحج ۲۲:۴۱
۶۲۔ ابن ماجہ، کتاب الدعاء، رقم ۳۸۴۷، ج۵، ص۵۶۶
۶۳۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۹۵-۳۹۶، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۵ء
۶۴۔ آل عمران ۳:۱۶۴
۶۵۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم
۶۶۔ الجمعۃ ۶۲:۵
۶۷۔ گلستان سعدی، ص ۲۴۴
۶۸۔ پروفیسر وائٹ ہیڈ، تعلیم کے مقاصد، ص ۱۷
۶۹۔ طاہر منہاس، مثالی نظام تعلیم، ص ۲۷۵-۲۷۶، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء
۷۰۔ ابن ماجہ، کتاب الدعاء، رقم ۳۸۴۷، ج۵، ص۵۶۶
۷۱۔ الانعام ۶:۱۶۲-۱۶۳
۷۲۔ مسند احمد، ج۲، ص۴۱۳)
۷۳۔ سیرت رسول ﷺ، ص ۲۵-۲۶
۷۴۔ ابن ماجہ، السنۃ، رقم ۲۲۴، ص ۲۴۹۱
۷۵۔ فوائد سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۶۳
۷۶۔ ایضاً
۷۷۔ حاشیۃ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۹۹
۷۸۔ فوائد سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۶۲
۷۹۔ ابن ماجہ، المقدمۃ، فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ، رقم ۱۴۱، ص۳۰
۸۰۔ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ عن مناقب الصحابہ، ۱۶/ ۲۳۸
۸۱۔ السنن الکبری، کتاب الفرائض، ۶/ ۲۴۵
۸۲۔ بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، رقم ۳۷۶
۸۳ i۔ فتح الباری، ج۷، ص۱۰۲
ii۔ عمدۃ القاری، ج۱۶، ص۲۴۶
۸۴۔ مجمع الزوائد، باب مناقب علی، ۹/ ۱۰۱
۸۵۔ جامع ترمذی، ابواب الاستیذان، رقم ۲۸۵۸
۸۶۔ فضل الٰہی، ڈاکٹر پروفیسر، نبی کریم ﷺ بحیثیت معلم، ص ۳۶۸ تا ۳۷۳، دار النور، اسلام آباد
۸۷۔ آیت: ۱۲۹
۸۸۔ آیت: ۱۶۴
۸۹۔ آیت: ۱
۹۰۔ آیت: ۲
۹۱۔ سیرت رسول ﷺ، ص ۲۳۱-۲۳۴
۹۲۔ سیرت رسول ﷺ، ص ۲۳۴-۲۳۶
۹۳۔ ایضاً، ص ۲۳۶-۲۳۸
۹۴۔ ایضاً، ص ۲۳۸-۲۳۹
۹۵۔ النساء ۴:۱
۹۶۔ الحجرات ۴۹:۱۳
۹۷۔ الحجرات ۴۹:۱۰
۹۸۔ مجمع الزوائد، ۳/ ۲۶۶
۹۹۔ کتاب الخراج، ص ۴۵
۱۰۰۔ التوبہ ۹:۳۴-۳۵

۱۰۱۔سیرت رسول ﷺ ،ص ۲۱۵-۲۱۹ ۱۰۲۔سیرۃ ابن ھشام، ج۱،ص ۲۶۳

۱۰۳۔بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، رقم ۴۹۷۱،ص ۱۰۴۹، دارالکتاب العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۱۰۴۔ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویۃ، ج۱،ص ۲۷۸-۲۸۰، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ط۷، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۱۰۵۔العلق ۹۶: ۱-۵ ۱۰۶۔الشعراء ۲۶: ۲۱۴

۱۰۷۔ابن کثیر، اسماعیل، ابوالفداء عمادالدین، تفسیر القرآن العظیم، ج۳،ص ۳۸۵-۳۸۶، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ

۱۰۸۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی ﷺ ، ج۱،ص ۱۳۵، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء

۱۰۹۔سیرت النبی، ج۱،ص ۱۳۵ ۱۱۰۔ابن ھشام، ج۱،ص ۲۶۳

۱۱۱۔مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم،ص ۱۳۰-۱۳۱، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ط۲، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۱۱۲۔i-السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، ج۱،ص ۲۴۷

ii- کرم شاہ، محمد، پیرالازہری، ضیاء النبی ﷺ ج۲،ص ۳۴۵-۳۴۶، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ط۴، ۱۴۲۰ھ

۱۱۳۔سیرۃ ابن ھشام، ج۱،ص ۲۳۹-۲۴۱ ۱۱۴۔ضیاء النبی ﷺ ، ج۲،ص ۲۵۹-۲۶۱

۱۱۵۔ضیاء النبی ﷺ ، ج۲،ص ۳۸۱-۳۹۱ ۱۱۶۔سیرت النبی ﷺ ، ج۱،ص ۱۶۶

۱۱۷۔حمیداللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، خطبات بہاولپور،ص ۲۲۹، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۱۴۰۱ھ

۱۱۸۔الاضواء، تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی (پروفیسر محمد عبداللہ)،ص ۱۸۳۔۱۸۴، شیخ زاید اسلامک سنٹر، لاہور، ج۲۵، شمارہ ۳۴، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۰ء

۱۱۹۔خطبات بہاولپور،ص ۲۷۱

۱۲۰۔نعیم صدیقی، محسن انسانیت،ص ۵۱۸، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۰ء

۱۲۱۔مسلم، باب القسم بین الزوجات ۱۲۲۔بخاری، صلوۃ العشاء سیرت النبی ﷺ ، ج۲،ص ۱۲۹

۱۲۳۔بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، رقم ۷۳۱ ۱۲۴۔فتح الباری، ج۱،ص ۱۹۶

۱۲۵۔ترمذی، ابواب العلم، ۲/۸۹ ۱۲۶۔ایضاً ۱۲۷۔ایضاً

۱۲۷۔ابوداؤد، کتاب العلم، ۲/۵۱۵ ۱۲۸۔ترمذی، ابواب العلم، ۲/۹۰

۱۳۱۔دارمی، ۱/۷۱ ۱۳۲۔المستدرک، ۴/۴۵۷) ۱۳۳۔دارمی، ۱/۱۳۸

۱۳۴۔ترمذی، باب العلم، ۲/۹۰ ۱۳۵۔مسند احمد، ۲/۳۲۲، المکتب الاسلامی، بیروت

۱۳۶۔قلقشندی، صبح الاعشیٰ، ۲/۳۱۶ ۱۳۷۔احیاء علوم الدین، ج۱،ص ۴۶

۱۳۸۔ایضاً ۱۳۹۔ایضاً ۱۴۰۔ایضاً ۱۴۱۔ایضا

۱۴۲۔الجام العوام عن علم الکلام،ص ۳۳ ۱۴۳۔ابن المقفع، الادب الصغیر،ص ۱۴

۱۴۴۔ابن ماجہ، السنۃ، رقم ۲۲۴، ص ۲۴۹۱ ۱۴۵۔فوائد سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۳

۱۴۶۔ایضاً ۱۴۷۔حاشیۃ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۹۹

۱۴۸۔فوائد سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۲

۱۴۹۔سخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، ابوالخیر، المقاصد الحسنۃ، ص ۱۲۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۱۵۰۔i۔بخاری، العلم، رقم ۷۹، ص ۹ ii. مسلم، الفضائل، رقم ۵۹۵۳، ص ۱۰۸۲

iii. ابن حنبل، احمد، ابوعبداللہ، مسند الامام احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۹۰، ص ۱۴۱۷، مطبوعۃ دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۵۱۔عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۱۱۰

۱۵۲۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابوالفضل شھاب الدین، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۷۶، مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۱۵۳۔انوار الباری، ج ۵، ص ۱۱۸ ۱۵۴۔ایضاً

۱۵۵۔i بخاری، الجنائز، رقم ۱۳۵۸، ص ۱۰۶ ii۔ مسلم، القدر، رقم ۶۷۵۵، ص ۱۱۴۱

۱۵۶۔نزھۃ القاری، ج ۲، ص ۸۴۸

۱۵۷۔رضوی، محمود احمد، فیوض الباری شرح صحیح البخاری، ج ۵، ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ رضوان لاہور، معلوم ندارد۔

۱۵۸۔الروم ۳۰:۳۰ ۱۵۹۔فیوض الباری، ج ۵، ص ۱۳۴

۱۶۰۔نزھۃ القاری، ج ۲، ص ۸۴۷۔۸۴۸ ۱۶۱۔ترمذی، الامثال، رقم ۲۸۷۰، ص ۱۹۴۰

۱۶۲۔نزھۃ القاری، ج ۳، ص ۴۶۳ ۱۶۳۔فتح الباری، ج ۴، ص ۳۲۴

۱۶۴۔مبارکپوری، عبدالرحمٰن، ابوالعلاء محمد، تحفۃ الاحوذی، ج ۸، ص ۱۷۶، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان، ط ۳، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء ۱۶۵۔ایضاً ۱۶۶۔ایضاً ۱۶۷۔ایضاً

۱۶۷۔i بخاری، الرقاق، رقم ۶۴۱۷، ص ۵۳۹ ii ترمذی، صفۃ القیامۃ، رقم ۲۴۵۴، ص ۱۸۹۸

iii ابن ماجہ، الزھد، رقم ۴۲۳۱، ص ۲۷۳۴

۱۶۸۔عمدۃ القاری، ج ۱۵، ص ۵۰۳ ۱۶۹۔ایضاً ۱۷۰۔نزھۃ القاری، ج ۵، ص ۶۴۷

۱۷۱۔i بخاری، الذبائح والصید، رقم ۵۵۳۴، ص ۴۷۶ ii مسلم، البر، رقم ۶۶۹۲، ص ۱۱۳۶

iii ابوداؤد، الادب، رقم ۴۸۲۹، ص ۱۵۷۸ iv مسند احمد، رقم ۴/۴۰۴

۱۷۲۔نزھۃ القاری، ج ۳، ص ۴۶۳ ۱۷۳۔عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۳۷۶

۱۷۴۔فتح الباری، ج ۴، ص ۳۲۴ ۱۷۵۔ایضاً ۱۷۶۔ایضاً

۱۷۷۔ایضاً

۱۷۸۔i۔بخاری، العلم، رقم ۶۱، ۷۲، ص ۷، ۹ ii۔ مسلم، صفات المنافقین، رقم ۷۱۰۲، ص ۱۱۷۶

iii۔مسند احمد، رقم ۶۴۷۷، ص ۴۶۳

۱۷۹۔ انوار الباری، ج ۵، ص ۵۱ ۱۸۰۔ ایضاً ۱۸۱۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۲۴۱

۱۸۲۔ ایضاً ۱۸۳۔ انوار الباری، ج ۵، ص ۵۱ ۱۸۴۔ ایضاً

۱۸۵۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۲۴۱ ۱۸۶۔ عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۲۰

۱۸۷۔ ابن ماجہ، الزھد، رقم ۴۱۷۲، ص 2730

۱۸۸۔ وحید الزمان خان، فوائد سنن ابن ماجہ علی ھامش سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۹۵، مطبوعہ مہتاب کمپنی لاہور

۱۸۹۔ ایضاً ۱۹۰۔ سندھی، حاشیۃ سنن النسائی، ج ۲، ص ۵۴۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، معلوم ندارد

۱۹۱۔ ایضاً ۱۹۲۔ النحل ۱۶: ۱۲۵

۱۹۳۔ ابن ماجہ، السنۃ، رقم ۲۲۸، ص ۲۴۹۱ ۱۹۴۔ فوائد سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۵

۱۹۵۔ ایضاً ۱۹۶۔ ابن ماجہ، السنۃ، رقم ۲۲۴، ص ۲۴۹۱ ۱۹۷۔ النحل ۱۶: ۴۳

۱۹۸۔ التوبۃ ۹: ۱۲۲

۱۹۹۔ ابن ماجہ، السنۃ، رقم ۲۲۷، ص ۲۴۹۱ ۲۰۰۔ حاشیۃ سندھی، ج ۱، ص ۱۰۰

۲۰۱۔ ایضاً ۲۰۲۔ ایضاً ۲۰۳۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۲۰۴۔ فوائد سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۴

۲۰۵۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۲۹۲۔۲۹۳ ۲۰۶۔ مسلم، کتاب العلم

۲۰۷۔ مشکوۃ المصابیح بروایت جامع ترمذی ۲۰۸۔ مشکوۃ المصابیح بروایت سنن دارمی

۲۰۹۔ القرآن: ۲۶: ۲۱۴ ۲۱۰۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ الشعراء ۸

۲۱۱۔ ایضاً، سورۃ تبت ۲۱۲۔ مشکوۃ المصابیح

۲۱۳۔ القرآن ۶: ۱۵۳ ۲۱۴۔ مسلم، باب الخطبۃ

۲۱۵۔ مسلم، کتاب الایمان ۲۱۶۔ تفسیر ابن کثیر

۲۱۷۔ بخاری ۲۱۸۔ ایضا، ج ۱، کتاب العلم

۲۱۹۔ العلق ۹۶: ۳۔۴ ۲۲۰۔ بخاری، کتاب العلم

۲۲۱۔ مشکوۃ المصابیح ۲۲۲۔ مشکوۃ المصابیح

۲۲۳۔ بخاری، باب من اعاد الحدیث ۲۲۴۔ سیرت رسول ﷺ، ص ۳۱۔۳۸

۲۲۵۔ الصف ۶۱: ۲۔۳) ۲۲۶۔ یونس ۱۰: ۱۶

۲۲۷۔ ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ، ۵/۷۰۹

۲۲۸۔ ندوی، سراج الدین، مولانا، رسولِ خدا کا طریق تربیت، ص ۹۹، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

نبی کریم ﷺ بطورِ سربراہِ مملکت

☆ صاحبزادہ محمد احمد رضا نقشبندی مجددی

درود اس ذات اقدس پر وطن جس کا مدینہ ہے
سلام اس پر کروڑوں کہ جو رحمت کا خزینہ ہے
درود اس پر جسے کونین کا سردار کہتے ہیں
سلام اس پر جسے اللہ کا ولدار کہتے ہیں(۱)

آقائے دو عالم نبی محترم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بشری لباس میں تشریف لانا، عالمین کے لیے خاص رحمت و شفقت الٰہیہ ہے۔ آپ ﷺ کا پیکر بشریت ہونا اشرف المخلوقات، انسان کے لیے درس حیات بنا۔ حکم خداوندی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ.(۲)

"بے شک رسول اللہ ﷺ کی پیروی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔"

مالک الملک ربّ قدوس نے اس فرمان عالیشان میں، اپنے خالق حقیقی ہونے کی شان کریمی بیان فرمائی ہے کہ انسان کو اسے عزت و اکرام بخشنے والے ربّ نے اپنے نائب کی خلقت و سرشت کی ہر حاجت کو پورا کیا۔ انسان جب اپنی بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے طاعت و تابعداری کے اسرار و رموز، اسوۂ حسنہ میں تلاش کرتا ہے، تو کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔ اس عارضی و مستعار زندگی کے ہزار پہلوؤں میں سے ایک زاویہ امورِ سلطنت کی انجام دہی کا ہے اگر اس میں بھی انسان خدائی رہنمائی چاہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کما حقہ مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ وصفِ حکمرانی میں بھی وراء الوریٰ فرمایا۔ داعی اسلام کو ایسا منفرد اور عظیم داعی انقلاب بنایا کہ جو اپنی مثال آپ ہیں۔

تاریخ انسانی میں جتنے انقلاب آئے وہ بشمول انقلاب فرانس و روس، سب جزوی تھے، مخصوص و

☆۔ مدیر مجلہ "فیض قندھاری" لاہور/سینئر کاپی ایڈیٹر "دنیا" ٹی وی، لاہور

محدود اثر رکھتے تھے لیکن نبی محترم ﷺ کے انقلاب سے دائمی طور پر انسانی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ انقلاب فرانس سے نظام سیاست وحکومت اور انقلابِ روس سے نظام معیشت یکسر بدل کر رہ گئے۔ ان ادوار میں رعایا کو درپیش دیگر مسائل زیست جوں کے توں تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ نے جو انقلاب عظیم دنیا میں بپا کیا۔ اس سے پوری انسانی زندگی تبدیل ہو گئی۔ عقائد ونظریات، علوم وفنون، قانون و ضوابط، تہذیب وتمدن، معیشت و معاشرت اور سیاست وحکومت، غرض کہ زندگی کا ہر گوشہ نمو پا گیا۔ آپ ﷺ نے فردِ واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز فرمایا اور صرف تئیس برس میں انقلاب اسلامی کی تکمیل فرما دی اور ایک وسیع وعریض خطے پر دین حق کو اپنے سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے سمیت عملی طور پر نافذ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ ایک خود مختار شہری مملکت تھا۔ بستی کا رقبہ چند مربع میل سے زائد نہیں تھا۔ یہاں مختلف قبائل کی حکمرانی تھی لیکن نبی پاک ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے وقت یہاں آپ ﷺ ہی کے خاندان قریش کو سرکردگی حاصل تھی۔ آنحضرت ﷺ کے جدِ اعلیٰ قصی کو تقریباً بادشاہ کی سی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے وصال کے بعد معاملات تقسیم ہو گئے۔

''دس قبائلی سرداروں کی جزوی حکومت قائم ہو گئی۔ یعنی دس وزراء تھے، بادشاہ کوئی نہیں تھا۔ دارالندوہ کی پارلیمان کی سیادت کسی سے متعلق تھی تو عبادت گاہِ کعبہ کا انتظام کسی اور کے پاس۔ سپہ، ضمان، خارجی امور، سفارتیں، ٹیکس کی وصولی اور مالیات کے شعبہ جات بٹ گئے تھے۔'' (۳)

اسی بے ربط اور بے رنگ انتظام و انصرام میں نبی پاک ﷺ نے حیات طیبہ کے چالیس سال گذارے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے بعثت کا اعلان فرمایا۔

''بعثت نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھی۔ نو مسلم تقریباً تمام قبائل سے تھے۔ اس لیے ریاست میں ریاست بن گئی۔ عدالتی، دفاعی یا دیگر مسائل پر وہ مشرکین کی طرف جانے کے بجائے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، جو ان کے قانون ساز تھے اور حاکم بھی۔'' (۴)

مسلمان ہی کیا ہر انسان کو اپنے دکھوں کا مداوا مل گیا۔ انہیں زندگی کے اصل رموز کا پتہ چل گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بنی آدم پر وجہ خلقت کا راز کھل گیا۔

کیا کوئی کہے مدحتِ سلطانِ مدینہ　　لولاک لما عظمت سلطان مدینہ
مہکار، ضیاء، رنگ، وفا، مہر، سہارا　　ہے سب سے جدا سیرتِ سلطانِ مدینہ (۵)

اوائل میں تبلیغ اور تشہیر دین کے لیے انداز تو محتاط اپنایا گیا لیکن یہ منظم دعوت شب وروز مبارک بنتی گئی۔

''نبی پاک ﷺ نے اس تربیت کا آغاز کیا جس میں سیاسی تصور موجود تھا۔'' (۶)
ہر چند کہ مشرکین مکہ نے دعوت دین میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن پھر بھی اللہ کے پسندیدہ دین کو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے نصرت و کامیابی ملتی گئی اور وہ راز کی بات بھی موضوع بحث بن گئی جو حضرت ابو طالب کے سوال کی صورت میں تھی۔

''حضرت ابو طالب نے پوچھا کہ آپ ﷺ ان (مشرکین) کو کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا؛

ادعوهم الی ان یتکلموا بکلمة تدین لهم بها العرب و یملکون بها العجم۔(۷)

''مَیں انہیں ایسے کلمے کی دعوت دے رہا ہوں کہ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو پورا عرب ان کا تابع فرمان ہو جائے اور عجم پر ان کی حکومت قائم ہو۔''

جہالت کی خرافات "STATE" کی وجہ سے تھیں۔ دراصل یہ لفظ شاہی تخت کے لیے استعمال ہوتا تھا جس پر بادشاہ بیٹھ کر امورِ سلطنت چلاتا تھا، تو رعایا میں شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کی رغبت پیدا ہوتی تھی۔ انسانیت کو اپنی ذات سے گرا ہوا پا کر "STATSMAN" کا اندازِ حکمرانی رعونت ہی نہیں بلکہ فرعونیت کی شکل اختیار کر جاتا، جس کی انتہائی بگڑی صورت کو قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا:

" فقال انا ربکم الاعلی۔" (۸)

''پھر (فرعون) بولا، میں تمھارا سب سے اونچا ربّ ہوں۔''

اللہ ربّ العزت نے نبی کریم روف رحیم ﷺ کو حاکم بنا کر مخلوق کو بندگی کے آداب سکھائے۔

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فی ما شجر بینهم. (۹)

''تو اے محبوب ﷺ تمھارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔''

نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی حاکمیت کی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ ربّ العزت کا فطری نظام رائج فرمایا۔ جس سے انسان ظاہری طور پر شرک و کفر سے بچ گیا اور باطنی لحاظ سے نجس اور فکر کی پراگندگی سے محفوظ ہو گیا۔ جس کا اعتراف اپنوں ہی نے نہیں، بیگانوں نے بھی کیا۔

An Islamic State is not a form of state so much as a form of Islam.(۱۰)

''اسلامی ریاست صرف ایک ریاستی ہیئت نہیں بلکہ اسلام ہی کی ایک شکل ہے۔''

Purpose of setting an Islamic State is to enable Muslims to take up the task of implementing their faith also in the Political realm.(۱۱)

''اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کر سکیں۔''

نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا عملی اقدام نبوت کے دسویں سال حج کے دنوں میں شروع ہوا۔ نبی پاک ﷺ نے منیٰ کی گھاٹی پر قبیلۂ خزرج کے چھ افراد سے ملاقات کی، انہیں دعوت دی، وہ بھی آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے مرعوب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بیعت کرنے والے یہ افراد آئندہ سال اسی مقام پر چند اور ساتھیوں کو بھی ہمراہ لائے۔ قبیلہ خزرج سمیت بنوعوف، بنوسالم، اوس اور بنوعمرو کے پچیس افراد نے اللہ کے دین کو سینے سے لگالیا۔ آپ ﷺ نے ان افراد سے درج ذیل احکام پر بیعت لی:

ان لا نشرک باللّٰہ شیئا ولا نسرق، ولا نزنی، ولا نقتل اولادنا، ولا ناتی ببھتان نفتریہ (۱۲)

''ہم کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں، بدکاری (زناکاری) کے قریب نہیں پھٹکیں گے، اپنی اولاد (خصوصاً لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔''

اس سے اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال اسی گھاٹی پر اوس وخزرج کے تہتر مرد اور دو عورتوں نے بیعت کی جو ''بیعت عقبہ ثانیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔(۱۳)

حج کے مبارک اور بارونق موقع پر لگنے والے عکاظ، ذوالمجاز اور دیگر میلوں ٹھیلوں سے یہ دعوت دین نکلی۔ اس سے داعی اسلام اور بانی مسلم ریاست کی سیاسی بصیرت اور زبردست قیادت کی شہرت چاردانگِ عالم میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کی یہ کامیابی مشرکین مکہ کے عقائد ونظریاتِ باطلہ پر کاری ضرب تھی جس پر وہ زیادہ متشدد ہونے لگے۔ مسلمانوں پر ظلم وستم اور دھونس دھاندلی کے ذریعے انہیں راہِ راست سے روکنے کی کوششوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

کفار مکہ کے مظالم کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرتِ حبشہ صرف پناہ گزینی ہی نہیں تھی، بلکہ نئی حکمت عملی تھی کہ بیرون عرب تک دعوت وسیع ہو۔(۱۴)

نبوت کے پانچویں سال کے آخر میں ہجرت حبشہ کے توسط سے نجاشی کا اسلام لانا دین متین کی بڑی کامیابی تھی۔ جس کے بعد اسلام مضبوط لوگوں کے سینوں میں گھر کرتا چلا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغامِ ہدایت وسلامتی کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اگلے ہی سال نبی پاک ﷺ

کے چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی رسولِ خدا ﷺ
کے دست و بازو بن گئے۔ حق و باطل کی یہ لڑائی کھل کر سامنے آنے لگی۔ ساتویں سال کے آغاز سے تین
سال کے لیے شعب ابی طالب کے نام پر شہر بدری، محصور کر دیئے جانے اور معاشرتی مقاطعہ (Social
Boycott) مسلمانوں کے لیے کسی بڑے امتحان سے کم نہ تھا۔ ان مصائب و آلام کی شدتوں کے باوجود انقلابی
جدو جہد جاری رہی۔ اس بگڑتی صورتحال پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی حکمتِ کاملہ رہنما بنی۔

رب المشرق و المغرب لا اله الاهو فا تخذ و ہ و کیل .ا (۱۵)

''وہ پورب کا ربّ اور پچھم کا ربّ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کار
ساز بناؤ۔''

ہجرتِ مدینہ کا حکم اللہ رب العزت کی طرف سے تھا، جس کی بڑی حکمت، ریاستِ اسلامیہ کی
بنیاد تھی۔ رسولِ رحمت ﷺ کے قدم رنجہ فرمانے سے یثرب کا قدیمی خطہ مدینہ منورہ کے نام سے منسوب
ہو گیا۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی تنگی و عسرت کے حالات میں تربیت کرنا نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت،
انتظامی حکمت اور کمال فراست ہی سے ممکن تھا۔ آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت مکہ میں
فوج، محاصل، عبادت، تعلقات خارجہ اور عدل گستری وغیرہ کے پچیس سرکاری عہدے تھے۔ مدینہ منورہ کا
ماحول وسائل و مسائل کے اعتبار سے مکہ مکرمہ سے یکسر مختلف تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ کو مشرکین کی
مخالفت کا سامنا تھا لیکن مدینہ میں مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور منافقین بھی تھے۔

مدینہ کے باسیوں نے جس طرح نبی محترم ﷺ کا فقید المثال والہانہ استقبال کیا، وہ جیسے
ادب آداب بجا لائے اور جو انہوں نے تعظیم و تکریم کی اس سے کافروں اور حتیٰ کہ منافقوں پر گہرے
اثرات مرتب ہوئے۔ ان تمام خاطر داریوں اور بجا آوریوں کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ نے
تہذیب سے عاری اس معاشرے کے لیے اخوت و مساوات، عفو و درگزر، نیکی و ایثار، حقوق و فرائض اور
فیاضی و راست بازی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اپنے اعلیٰ کردار اور اخلاق حسنہ سے سب کو اپنا گرویدہ کیا، علم،
عدل، احسان، حسن سلوک، تہذیب و تمدن، سلیقہ شعاری اور بھائی چارے کا ایسا درس دیا کہ اس نئی
ریاست ''مدینہ'' کا حصہ بننا جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی خواہش اور جستجو بن گئی۔
مدینہ کی بستی کو آئینی ریاست کا نام دے کر اسے دستور کے زیور سے آراستہ کیا۔ ایک تحریری معاہدہ استوار
کیا جس سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کا تعین ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ نسلی،
لسانی اور مذہبی لحاظ سے گوناں گوں متضاد عناصر کے باوجود، سب لوگ ایک آئینی سانچے میں ڈھل گئے۔

جس سے نفاق، اتفاق، دشمنی دوستی میں، رہزنی رہبری میں اور لوٹ مار الفت و پیار میں تبدیل ہو گئی۔

ریاستِ مدینہ کے قیام کے بعد جو اقدام بہت اہمیت کے حامل تھے، ان میں محمدی قافلے کی آمد کے بعد قبائل کا جائزہ لینا تھا، مسائل میں گھرے لوگوں پر رسول رحمت ﷺ نے دست شفقت دراز فرمایا جس سے کسمپرسی کے شکار لوگوں کو محمدی انقلاب کی نوید مل گئی۔ اس دوران دارالخلافہ بنانے کی ریاستی ضرورت کو بھی پورا کیا گیا جس کے لیے ''جبل سلع'' کو منتخب کیا گیا۔(۱۶)

مدینہ منورہ کی اطرافی بستیوں کو حرم قرار دے دیا گیا۔ یہ اقدام بھی نبی پاک ﷺ کی سیاسی بصیرت اور دُور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت تھا جس سے مدینہ کی بستی اور ریاست سالہا سال کی دشمنی اور جاہلانہ رسم و رواج سے محفوظ ہو گئی۔ خطروں سے دو چار اہل مدینہ کو اطمینان و سکون کی زندگی کا مژدہ ملا۔(۱۷)

دارالخلافہ کے مرکز میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی، مسلمانوں میں مساجد کی تعمیر کا شوق بڑھا اور قریب و بعید کی بستیوں میں مساجد تعمیر ہونے لگیں۔ مسجد نبوی کے صحن میں صفہ کے نام سے علمی و تربیتی مرکز بنایا گیا جہاں مسلمانوں کی دینی دنیاوی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مسجد سے ملحقہ حجرے بنائے گئے جو سفارتی طلباء کی اقامتی ضروریات پوری کرتے تھے۔

مواخاتِ مدینہ کے اعلان نے تو گویا اس نئی اسلامی ریاست کی تقدیر ہی بدل دی۔ معاشرتی، معاشی، سیاسی، دفاعی، فلاحی اور انتظامی معاملات، رہنما اصولوں، قواعد و ضوابط اور باقاعدہ انتظام و انصرام کے لیے رسولِ کونین ﷺ نے مواخاتِ مدینہ کا اعلان فرمایا، جس کے دُور رس نتائج اس کمیونٹی کو خوشحال اور منظم کرنے کا سبب بنے۔ اخوت و مساوات کے درس نے کم تعداد کو اتفاق اور حسن سلوک کے دھاگے میں پرو دیا۔ مہاجرین کی بحالی اس نئے اسلامی معاشرے کی بڑی خوبی اور قوت بن گئی۔ قوانین کی تشکیل و تکمیل اور ان کے نفاذ تک میں آسانی پیدا ہو گئی۔ تعلیم و تربیت اور فنی و فلاحی صلاحیتیں کھل کر سامنے آنے لگیں۔ موروثی تعصبات اور دورِ جاہلیت کے باطلانہ رسم و رواج ختم ہونے سے یہ نئی ریاست زیادہ فعال ہوئی۔ مواخاتِ مدینہ سے دلوں کی کدورتیں جاتی رہیں، قربانی و ایثار کے جذبے سے سرشار انصارِ مدینہ نے اپنی جائیدادیں تک اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کر دیں جس سے مکانی، جغرافیائی اور علاقائی حد بندیوں کے تنازعات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئے۔ اجارہ داری، چور بازاری، سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظاموں کا ایسا قلع قمع ہوا جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ مواخاتِ مدینہ کی حکمتِ عملی نے مسلم ریاست کو یک جان و یک زبان کر دیا۔

قیامِ ریاست کے اقدام میں عیدہ گاہ، قربان گاہ اور قبرستان کے لیے جگہ مختص کرنا بھی سرورِ کائنات ﷺ کی حکمت کاملہ کا حصہ تھا، جس سے لوگوں میں معاشرتی آداب بجالانے کا شعور بیدار ہوا۔

ریاست کے حوالے سے سب سے بڑی بات مدینہ کی بستی کو چھاؤنی قرار دینا تھا۔ باقاعدہ فوجی مشقوں کا آغاز ہوا جن کی نگرانی خود نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ معاشرت کے آداب سکھانے کے لیے مدینہ کے بازار بھی مسجد نبوی کے قریب آباد کردیئے گئے۔

هذا سوقكم لا خراج عليكم فيه (۱۸) ''یہ ہیں تمہارے بازار تا کہ تم نکل کر باہر آؤ۔''

سربراہِ مملکت ﷺ نے اپنی بصیرت کاملہ سے وسیع البنیاد معاہدات واقدامات فرمائے۔ مخالف قبائل، عقائد اور عناصر سے اتحاد و معاہدے کیئے۔ یہود سے معاہدہ توحید ''مساوی کلمہ'' کی بنیاد پر طے پایا۔

طائف کے قبیلہ بنوثقیف نے معاہدہ کے لیے نماز، حرمتِ زنا، طائف کو حرم قرار دینے، فرضیت زکوٰۃ اور جہاد سے استثنٰی طلب کیا۔ (۱۹) نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ نے بنوثقیف سے مذاکرات میں دو شرطیں منوالیں اور تین کی چھوٹ پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ آپ ﷺ نے یہود مدینہ ہی نہیں بلکہ دیگر قبائل بنی ضمرہ، بنی غفار، نعیم بن اشجعی اور نجران کے عیسائیوں سے بھی بات چیت کی۔ آپ ﷺ کی عظیم سیاسی دوراندیشی، زبردست حکمت کاملہ اور مشاورت وفراست نے ریاست کو تقویت بخشی۔

منٹگمری واٹ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

> Suffice is to say that within 10 years of his departure from Mecca to Madina, through a brilliant system of alliances with nomadic tribes and military victories, Muhammad (PBUH)was recognized as political ruler and Prophet of God by citizens of Mecca and Madina, as well as by most of the tribes in the Arabian Penisula.(20)

''اس پر اتنا کہنا کافی ہوگا کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے صرف دس سال میں بدوی قبائل سے اتحاد اور بہترین حکمت عملی اور عسکری فتوحات کے نتیجے میں جزیرہ نما عرب کے قبائل نے حضرت محمد ﷺ کو اہل مکہ و مدینہ کے لیے سیاسی حکمران اور اللہ کا سچا رسول مان لیا۔''

''میثاق مدینہ'' عمل میں آیا جو دنیا کے پہلے تحریری دستور کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس سے مدینہ

کی ریاست منظم ہوئی۔ داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ ہو گئی، دعوت و تبلیغ میں مسلمانوں کو آزادی مل گئی۔ برداشت، بقائے باہمی، صلح جوئی، اعلیٰ ظرفی اور معتدل مزاجی کی فضا قائم ہوئی۔ یہ میثاق مدینہ کی کثیر الجہات افادیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی قوت میں اضافہ تیزی سے ہونے لگا۔ ہجرت کے وقت مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چار سو تھی۔ "صلح حدیبیہ" یعنی چھٹی ہجری میں یہ تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ جبکہ فتح مکہ جیسی عظیم اور فقید المثال نصرت و کامیابی کے وقت مسلمانوں کا صرف لشکر دس ہزار ہو گیا۔ طائف کے محاصرے میں بارہ ہزار مسلمان مجاہدین شریک تھے اور ہجرت کے دس سال بعد یعنی حجتہ الوداع کے تاریخی موقع پر ریاست مدینہ کی مسلم آبادی میں صرف حجاج کی تعداد سوا لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

معاہدۂ صلح حدیبیہ، دوسرا اہم معاہدہ تھا جو اسلامی ریاست کی تقویت اور استحکام کے لحاظ سے سنگ میل بنا۔ اس عظیم کامیابی کا سہرا بھی اسلامی ریاست کے سربراہ حضرت محمد ﷺ کے سر ہے۔ سہیل بن عمرو سے طے پانے والا یہ معاہدہ دس سال تک جنگ بندی کا اعلان تھا جس سے نبی پاک ﷺ کے اقتدار کو طول، مسلمانوں کو امن و آشتی اور غیر مسلموں کو آزادی کا حق ملا۔ اسی معاہدہ کو اللہ تعالیٰ نے "فتح مبین" قرار دیا جس کے ذریعہ سے فتح مکہ کا دروازہ کھلا۔

انا فتحنا لک فتحاً مبینا. (۲۱) "بے شک ہم نے روشن فتح فرما دی۔"

دیگر معاہدات میں معاہدہ جہینیہ، ابوا، بواط، بنو مدلج، اشجع، بنی غفار اور معاہدہ خیبر، خزاعہ، فدک، وادی القریٰ، تیماء، بنو عریض و بنی غازیہ، مزینہ، معاہدہ جوش، معاہدہ اسلم، معاہدہ ثقیف، معاہدۂ دومۃ الجندل، معاہدہ ایلہ، معاہدہ جربا، معاہدہ اذرح، مقنط، نجران اور معاہدہ قبالہ قابل ذکر ہیں۔

ان معاہدات سے نبی پاک ﷺ کی زیر قیادت و سیادت مملکت، کے خارجی و سفارتی امور، مالیاتی و منصوبہ بندی، دفاعی حکمت عملی اور اطلاعات و نشریات کے شعبہ جات کے اعلیٰ نظم و نسق نے اقوام عالم پر دھاک بٹھا دی۔ جس کے بعد لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ وفود کے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیعت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد آنے والے وفود میں، وفد بارق، وفد جعفی، وفد سعد ہذیم، وفد زبید، وفد وائل بن حجر، وفد مرار، وفد بجیلہ، وفد نخع، وفد نجران، وفد حنیفہ، وفد بنی عبس، وفد محارب اور وفد حارث بن کعب وغیرہ شامل ہیں۔

وفود کی آمد سے معاہدات کے بعد ریاست اسلامی کی طرف سے مختلف بیرونی ریاستوں کے سربراہوں کو مکتوبات کی ترسیل سے اسلامی ریاست اور مضبوط ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ کی قیادت و سیادت کو تسلیم کرنے اور پیغامِ ہدایت کو ماننے کے مراسلات روانہ کیے گئے۔ ان مکتوبات میں مکتوب گرامی بنام نجاشی شاہ حبشہ، ہرقل شاہ روم، کسریٰ شاہ فارس، مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ، حارث بن ابی شمر غسانی، ہوزہ

والی یمامہ اور مکتوب بجانب بحرین و ملک عمان معروف ہیں۔

مملکت اسلامیہ مدینہ کی کامیابیوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی عظیم جدوجہد کی ایک جھلک یہ ہے کہ نظریۂ ضرورت کے تحت سیاسی فیصلے کیے گئے۔ اسلام قبول کرنے والوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے انہیں حسبِ منشاء عہدے دیئے گئے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، تو انہیں سردار بنا کر فوجی محاذ پر بھیجا گیا۔ جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کی زینت بنے، تو انہیں ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا گیا۔ (۲۲)

ہجرت کے پہلے سال میں تو تمام ظاہری مسائل و وسائل، علوم و فنون اور قواعد و ضوابط پر توجہ مرکوز کی گئی لیکن دوسرے سال سے عبادات کو خاص اہمیت دی گئی۔ جس سے اس اسلامی مملکت کا اصل رنگ نظر آیا۔ دوسری ہجری میں احکام اذان، فرضیت زکوٰۃ و صیام رمضان، تحویل کعبہ اور فرضیت جہاد تیسری ہجری میں امتناع شرب (تحریم خمر) کا حکم، چوتھی ہجری میں نفاذ تحریم خمر، حکم حجاب النساء، پانچویں ہجری میں حکم تیمم، زنا، قذف، لعان وغیرہ، چھٹی ہجری میں نکاح و طلاق کے احکام اور تبلیغ اسلام کے بین الاقوامی منصوبے کا آغاز، ساتویں ہجری میں سود کی قطعی حرمت اور آٹھویں ہجری میں فرضیت حج سے جذبۂ ایمانی سے بھی سرشار اور لبریز ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ ایک منظم ریاست کے استحکام کے لیے شرعی سزاؤں کا بھی نفاذ یقینی بنایا گیا۔ عقوبات شرعیہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا:

۱۔ قتل کے بدلے قتل اور دیت وغیرہ

۲۔ حدود یعنی وہ سزائیں جو بعض جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرما دیں۔

۳۔ تعزیرات یعنی وہ سزائیں جو قاضی اپنی صوابدید پر بعض جرائم کی پاداش میں دینے کا اختیار رکھتا ہے۔

نبی پاک ﷺ کے بطور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) فیصلے بھی مثالی ہیں جن کے ذریعے آپ ﷺ نے تنازعات کو ختم کر کے یا مقدمات کے فیصلے فرمائے۔

۱۔ فیصلہ بر بنائے پند و نصائح:

آپ ﷺ فریقین کو وعظ و نصیحت فرماتے کہ دیکھنا غلط دعویٰ، غلط گواہی یا غلط ذریعے سے دوسرے کا حق نہ لینا ورنہ قیامت کے دن سخت رسوائی ہو گی۔ ایسے ہی وراثت کے ایک پیچیدہ مقدمہ کہ جہاں کوئی گواہ بھی نہ تھا، کا آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا۔

''اگر مَیں نے کسی کے حق میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا تو وہ سمجھ لے کہ

میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ اس نصیحت اور وعید کا فریقین پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ دونوں اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ دونوں کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میرا حق میرے بھائی کو دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ناممکن ہے کہ یہ چیز دونوں میں سے کسی کی ملکیت نہ ہو، لہٰذا اسے برابر تقسیم کر دو اور بذریعہ قرعہ اندازی ایک ایک حصہ لے لو اور ہر شخص دوسرے سے کہہ دے کہ میں نے اسے اپنے بھائی کے لیے حلال کر دیا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔" (۲۳)

۲۔ فیصلہ بر بنائے قرعہ:

قرعہ کی صورت اس وقت پیش آتی ہے جب فریقین مقدمہ کے پاس برابر کے دلائل ہوں یا کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو۔ غزوات پر روانگی کے وقت ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہن) میں قرعہ اندازی کے ذریعہ ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرماتے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں جھگڑا ہوا تو بذریعہ قرعہ ہی فیصلہ ہوا۔

وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم (۲۴)

"اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں۔"

ایک شخص کے چھ غلام تھے مگر اُس کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ اس نے مرتے وقت ان سب کو آزاد کر دیا اور وارثین کو محروم الارث کر دیا۔ حالانکہ اس کا حق صرف تہائی یا دو غلام آزاد کرنے کا تھا۔ مقدمہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ چھ کے درمیان قرعہ ڈال کر دو کو آزاد کر دیا جائے، باقی چار وارثوں کی ملکیت ہیں۔ (۲۵)

۳۔ فیصلہ بر بنائے قبضہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اونٹنی کے متعلق دو آدمیوں نے ملکیت کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپ ﷺ نے اس شخص کے حق میں فیصلہ سنا دیا جس کے یہ قبضہ میں تھی۔

۴۔ فیصلہ بر بنائے رضا و رغبت صغار:

ایسے مقدمات بالعموم چھوٹے بچوں کی کفالت سے تعلق رکھتے ہیں۔

"اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بچے شرعی طور پر باپ کے ہوتے ہیں، اگر

ماں ان بچوں کو اپنی کفالت میں رکھنا چاہے، تو تنازع کی صوت میں بچے کی رضا ورغبت کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا۔" (۲۶)

نبی کریم ﷺ نے مملکت اسلامیہ کے حاکم ہونے کے علاوہ سے سپریم کمانڈر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کا سبق یاد کرانے کے لیے آپ ﷺ نے مختلف غزوات میں سپہ سالار کی حیثیت سے جنگی مہارتیں آشکار فرمائیں۔

تیئس سال تک کی جہد مسلسل سے اسلامی معاشرہ کے قیام اور بین الاقوامی سطح پر اسلامی بلکہ محمدی انقلاب کی بنیادیں استوار کر دینے کے بعد دس ہجری کو آخری حج کے موقع پر آپ ﷺ نے "خطبہ حجتہ الوداع" ارشاد فرمایا جو عالم انسانیت کا پہلا باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر اور اقوام عالم کے لیے ایک نیا نظام تھا۔ ایک خدا کی حاکمیت، رسالت پر یقین رکھنے کے ساتھ مسلمان اور عام انسان کے جان و مال، عزت آبرو کی حفاظت سے عالمی امن کا مژدہ سنایا۔ تقویٰ اور مساوات، سود کی ممانعت اور استحصال کے خاتمے سے خبردار فرمایا۔ عورتوں کے حقوق اور خاص طور پر بے آسرا لوگوں کو ان کا حق دینے کا اعلان فرما کر آپ ﷺ نہ صرف مدینہ کی ریاست ہی نہیں بلکہ کل کائنات کے انسانوں کے ہر دلعزیز رہنما بن گئے۔ کتاب لاریب میں ارشادِ خداوندی ہے:

" تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات" (۲۷)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں سے کسی نے اللہ سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں پر کیا۔"

نبی پاک ﷺ کو "بطور سربراہ مملکت" اس آیت کریمہ کی رُو سے بھی سب انبیاء ورسل پر اوّلیت حاصل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے روئے زمین پر چالیس سال تک حکمرانی کی لیکن ختم المرتبت ﷺ صرف تیئیس سالہ اقتدار میں ہر لحاظ سے کامیاب وکامران ہوئے۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام (۲۸)

مصادر مراجع:

۱۔ محمد شفیع مجبور
۲۔ سورہ الاحزاب:۲۱
۳۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۵
۴۔ حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور
۵۔ غضنفر چشتی
۶۔ گوہر رحمان، مولانا، اسلامی ریاست ص ۱۲۶
۷۔ محمد بن جریر، تاریخ الطبری ۲/۶۶
۸۔ سورہ النازعٰت:۲۴
۹۔ سورہ النساء:۶۵
۱۰۔ N.J. Coulson, A History Islamic Law, P: 129
۱۱۔ W.C. Smith, Islam in the Modern History, P: 215
۱۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ص ۳۷۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۰
۱۳۔ ایضاً ص ۳۹۲
۱۴۔ اسلامی ریاست، ص ۱۷۰
۱۵۔ سورۃ المزمل:۹
۱۶۔ ملک، محمد اسلم، مدینہ کی قدیم تاریخ، ۲/۴۴۰
۱۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کے میدان، ص ۱۸
۱۸۔ احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان
۱۹۔ المقریزی، احمد بن علی، امتاع الاسماع، ۱، ۴۹۳
۲۰۔ (W.Montgomery Watt, Muhammad Prophet and Statesman,P:186)
۲۱۔ سورۃ الفتح:۱
۲۲۔ سیوطی، جلال الدین، الخصائص الکبریٰ، ۱، ص ۴۳۱
۲۳۔ امام ابی داؤد، سنن ، کتاب الاقضیۃ، باب فی قضا القاضی اذا خطا.
۲۴۔ سورۃ آل عمران:۴۴
۲۵۔ امام ابن ماجہ، سنن ، مترجم: وحید الزماں، ج ۳، ص ۲۰۶
۲۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج:۱، ص ۲۷۲
۲۷۔ سورہ البقرہ:۲۵۳
۲۸۔ بریلوی، احمد رضا خان، اعلیحضرتؒ، حدائق بخشش

حقوق المصطفىٰ صلى الله عليه وسلّم

☆ الدكتور محمد عمران أنور النظامی

أحمد اللّٰه سبحانهٗ وتعالیٰ علی أن جَعَل سیدنا محمدًا عبدهُ المصطفى ورسولهٗ المجتبیٰ و حبیبه المرتضی ومختاره من أهل الارض والسمآء، أکمل النبیین شریعةً و أکثرهم معجزاتٍ، وأعظمهم درجة و أوضحهم آیات۔ وَ أجملهم خلقًا وَ أفضلهم ذاتًا و أسماءً وصفات، و أرفعهم لدیه منزلة وأعلاهم فی الدنیا والآخرة درجات وَ أظهرهم فضائل وفواضل وأبهرهم محاسن وشمائل وأشهرهم فی الکتب السماویة وَ أصدقهم شواهد و أقواهم براهین و أوضحهم بینات، و أرفعهم مقامات و أشرفهم حالات و أفضلهم فی جمیع الصفات من کل الجهات لأنه کان أکثرهم أمة و أشملهم دعوة و أکملهم شریعة وخاتمهم نبوة وآخرهم رسالة و کان من أنفس الناس عربًا وعجمًا و أزکاهم أصلاً و أرجحهم عقلاً وحلمًا و أوفرهم علمًا وفهمًا و أقواهم یقینًا وعزمًا و أوفاهم و أکثرهم شکرًا وحمدًا فهو فی السماء أحمد وفی الأرض محمد فکان النبی ﷺ نبی الأنبیاء والمرسلین ورحمة للعالمین ورسول الخلائق اجمعین۔ من ذلك ما أخبرﷺ فی حیاته بأنه سیقع بعد وفاته من أشراط الساعة وعلاماتها وقد وقع کثیر من تلك الاشیاء فی الأزمان السالفة طبق ما أخبربه ﷺ والوقوع مستمر إلی هذه الأزمان ومالم یقع منها إلی الآن، سیقع فی مستقبل الزمان الأشراط الساعة الکبریٰ۔ ومن هذه الأشراط الساعة سب صریح لرسول اللّٰهﷺ فی الصحف الدانمرکیة فی سنة ٢٠٠٥م، ثم تبع هذا السوء بصورة الرسوم الساخرة أوصور هزلیة وصفوا به نبینا فی الصحف الأوروبیة المختلفة۔ ثم ظهر الفاتیکا بندیکت السادس عشر بحقده الأسود فی سنة ٢٠٠٦م وذلك فی محاضرة علنیة وعامة فی جامعة ریجنسبورج بولایة با فاریا بألمانیا۔ و کان عنوانها (الایمان والعقل والجامة...... ذکریات وانعکاسات) ولکن دارمضمونها حول الخلاف التاریخی بین الاسلام والمسیحیه فی العلاقة التی یقیمها کل منها بین الایمان والعقل،

☆ ۔ الخطیب المدیریّ بمحکمة الأوقاف والشئون المذهبیة، بنجاب

حیث نبح فیھا کالکلب واتھم خیر خلق اللّٰہ سید الانبیاء والمرسلین محمدًا ﷺ بالارھاب۔ وبعد ذلك نشرت الأفلام السیئة فی سنة ٢٠١٢م من أمریکا و أوربا۔ وأنا أقول لایضر السحاب نبح الکلاب۔ وکل ھذا لیتبین لنا ما فی صدورھم من حقد وأخلاقھم من دنس مما دعا الی استفزاز المسلمین فی کل بقاع الارض:﴿ما یقال لک الا ما قد قیل للرسول من قبلک ان ربک لذو مغفرة وذو عقاب الیم.﴾ (فصلت ٤٣) وقال اللّٰہ تعالٰی فیھم، وھو أعلم بما فی صدورھم من حقد وغل وحسد علی نبی الرحمة وملته و أتباعه، فھل من عاقل یتدبر آیات ربه الکریم القائل:﴿ ھا انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتاب کله واذا لقوکم قالوا آمنا و اذا خلو عضوا علیکم الأنامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللّٰہ علیم بذات الصدور ان تمسسکم حسنة تسؤھم وان تصبکم سیئة یفرحوا بھا وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا ان اللّٰہ بما یعملون محیط ﴾ (آل عمران:٣/ ١١٩۔١٢٠)

فرسول اللّٰہ شمس و نور لایغیب ضوؤھا، فلو وقف العالم أجمع و رمی الشمس بالحجارة، ھل سینالون منھا شیئًا؟ لا کلا! عقیدتنا الراسخة فی نبینا أن اللّٰہ بعثه بالھدی، لینقذ البشریة من الظلمات إلی النور، فھداھم بعد ضلالة وجمعھم بعد شتات وو حدھم بعد تفرق، وعلمھم بعد جھالةٍ، و أسعدھم بعد شقاء، فلم تعرف الأرض أکرم ولا أرحم ولا أوفی ولا أفضل ولا أطھر ولا أشرف من رسول اللّٰہ، لذا، فرسالة کل نبی محدودة بزمان ومکان معینین الا رسول اللّٰہ فرسالته عامة وغیر محدودة بزمن فرسالته من مبعثه إلی یوم القیامة فأرسله اللّٰہ إلی الناس کافة فقال: ﴿قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا الذی له ملک السموات والارض ﴾ (الاعراف:٧/ ١٥٨)

فاعجب من معاداة النبی۔ لیل نھار۔ فی أرض المسلمین، فھذا ھو التبرج والسفور الذی یملأ بلادنا، و کذا السخریة من سنته والعاملین علیھا والداعین الیھا۔

فمن سخر بنی واحد فقد سخر بجمیع الأنبیاء، ومن کذب بنبی واحد من الأنبیاء فقد کفر، ألیست ھذی عقیدتنا؟ بلی، اذا ھم کفرة ولا یضیرك قول الکافر، وھم أعداء الأنبیاء: ﴿وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین وکفی بربک ھادیا ونصیرا ﴾ (الفرقان:٢٥/ ٣١) وھم ملعونون أینما کانوا، قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿ان الذین یؤذون اللّٰہ ورسوله لعنھم اللّٰہ فی الدنیا والآخرة و أعدلھم عذابا مھینا﴾ (الأحزاب:٣٣/ ٥٧) وھم موعودون بالعذاب: ﴿والذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم﴾ (التوبة:٩/ ٦١)

فعلینا أن نعرف ما ھو شأن و عظمة المصطفی ﷺ وما ھی حقوق المصطفی ﷺ۔

اولاً نحن نريد أي نعرف ماهو الحق؟

نقل الشيخ الدكتور وهبة الزخيلي:

تعريف الحق:

الحق فى اللغة العربية له معان مختلفة تدور حول معنى الثبوت والوجوب مثل قوله تعالى: ﴿لقد حق القول على أكثرهم، فهم لايؤمنون﴾ (يس :٣٦/٧) أى ثبت ووجب، وقوله عزوجل: ﴿ليحق الحق ويبطل الباطل﴾ (الأنفال ٨/٧) أى يثبت ويظهر، وقوله عزوجل: ﴿جاء الحق وزهق الباطل﴾ (الاسراء: ١٧/٨١) أى الأمر الموجود الثابت: وقوله تعالى: ﴿وللمطلقات متاع بالمعروف حقًا على المتقين﴾ (البقرة ٢/٢٤١) أى واجبًا عليهم۔

وتطلق كلمة الحق على النصيب المحدد لمثل قوله تعالى: ﴿والذين فى اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم﴾ (المعارج ٧٠/٢٤-٢٥) كما تطلق على العدل فى مقابلة الظلم مثل قوله تعالى: ﴿والله يقضى بالحق﴾ (غافر: ٤٠/٢٠)

وأما عند الفقهاء فقد ورد تعريف للحق عند بعض المتأخرين فقال:

الحق: هو الحكم الثابت شرعًا۔(١)

وعرفه بعض الأساتذه المعاصرين، فقال أستاذنا الشيخ على الخفيف: الحق: هو مصلحة مستحقة شرعًا۔(٢)

وقال الأستاذ مصطفى الزرقاء: الحق: هو اختصاص يقرر به الشرع سلطةً أو تكليفًا۔(٣) وهو تعريف جيد۔ لأنه يشمل أنواع الحقوق الدينية كحق الله على عباده من صلاة وصيام ونحوهما، والحقوق المدنية، والحقوق العامة كحق الدولة فى ولاء الرعية لها، والحقوق المالية كحق النفقة، وغير المالية كحق الولاية على النفس۔

والحق فى الشريعة يستلزم واجبين:

واجب عام على الناس باحترام حق الشخص وعدم التعرض له۔

وواجب خاص على صاحب الحق بأن بستعمل حقه بحيث لايضر بالآخرين۔

أركان الحق:للحق ركنان:

صاحب الحق: وهو المستحق ومحل الحق: وهو مايتعلق به الحق ويرد عليه۔ وهو اما الشيء المعين الذى يتعلق به الحق كما فى الحق العينى، أو الدين۔

أنواع الحق:

ينقسم الحق عدة تقسيمات باعتبارات مختلفة بحسب المعنى الذى يدور عليه الحق۔

التقسيم باعتبار صاحب الحق:

ينقسم الحق بهذا الاعتبار الى ثلاثة أنواع: حق اللّٰه، وحق الانسان، وحق مشترك: وهو ما اجتمع فيه الحقان ولكن قد يغلب حق اللّٰه أو حق الانسان الشخصى۔(٤)

اذا ننظر الى حقوق اللّٰه وحقوق المصطفٰى نجد أن حقوق المصطفٰى أرفع الحقوق، لأن حقوق اللّٰه وحقوق المصطفٰى متلازم بينهما۔ منزلة وعظمة الرسول عند اللّٰه أرفعة من كل شىء و ساب وقاذف النبى هو أرذل عند اللّٰه من كل شىء۔

قال امام ابن تيمية ٧٢٨ھ:

قد اجتمع فى سبه حقان: حق اللّٰه، وحق لآدمى، فلو أن المسبوب والمقذوف عفا عن حقه لم يعزر القاذف والساب على حق اللّٰه، بل دخل فى العفو، كذلك النبى عليه الصلاة والسلام اذا عفا عمن سبه دخل فى عفوه عنه حق اللّٰه فلم يقتل لكفره، كما يعزر ساب غيره لمعصيته، مع أن المعصية المجردة عن حق آدمى توجب التعزير۔

يوضع ذلك أنه قد ثبت أنه كان له أن يقتل من سبه كما فى حديث أبى بكر، و حديث الذى أمر بقتله لما كذب عليه، و حديث الشعبى فى قتل الخارجى، و كما دلت عليه أحاديث۔

وثبت له أن يعفو عنه كما دل عليه حديث ابن مسعود و أبى سعيد و جابر وغيرهم، فعلم أن سبه يوجب القتل كما أن سب غيره يوجب الجلد، وان تضمن سبه الكفر باللّٰه كما تضمن سب غيره المعصية للّٰه۔

ويكون الكفر والحراب نوعين:

أحد هما: حق اللّٰه خالص، والثانى: ما فيه حق للّٰه وحق لآدمى۔

كما أن المعصية قسمان:

أحدهما: حق خالص للّٰه، والثانى: حق للّٰه وآدمى۔

ويكون هذا النوع من الكفر والحراب بمنزلة غيره من الأنواع فى استحقاق فاعله القتل، ويفارقه فى الاستيفاء فانه الى الآدمى كما أن المعصية بسبّ غير النبيين بمنزلة غيرها من المعاصى فى استحقاق فاعلها الجلد، ويفارق غيرها فى أن الاستيفاء فيها الى الآدمى۔

يوضح هذا أن الحق الواجب على الانسان قد يكون حقًا محضًا للّٰه، وهو ما اذا كفر أو عصى على وجه لايؤذى أحدًا من الخلق، فهذا اذا وجب فيه حدلم يحز العفو عنه بحال۔

وقد يكون حقًا محضًا لآدمى بمنزلة الديون التى تحب للانسان على غيره من ثمن مبيع أو بدل قرض ونحو ذلك من الديون التى تثبت بوجه مباح، فهذا لاعقوبة فيه بوجه، وانما

يعاقب على الدين اذا امتنع من وفائه والامتناع معصية۔

وقد يكون حقًا لله ولآدمى۔ مثل حد القذف والقود وعقوبة السب ونحو ذلك۔ فهذه الأمور فيها العقوبة من الحد والتعزير، والاستيفاء فيها مفوض الى اختيار الآدمى: ان أحب استوفى القود وحد القذف، وان شاء عفا۔

وسر ذلك أنه اذا اجتمع الحقان فلا بدمن عقوبة، لأن معصية الله توجب العقوبة اما فى الدنيا أو فى الآخرة، فاذا كان الاستيفاء جعل الله ذلك الى المستحق من الآدميين، لأن الله أغنى الشركاء عن الشرك، فمن عمل عملاً أشرك فيه غيره فهو كله للذى أشرك، كذلك من عمل عملاً لغيره فيه عقوبة جعل عقوبته كلها لذلك الغير، وكانت عقوبته على معصية الله تمكين ذلك الانسان من عقوبته۔

وتمام هذا المعنى أن يقال: بعد موت النبى ﷺ يتعين القتل، لأن المستحق لاتمكن منه المطالبة والعفو، كما أن من سب أو شتم أحدًا من أموات المسلمين وعزر على ذلك الفعل، لكونه معصية الله، وان كان فى حياته لا يؤدى حتى يطلب اذا علم۔

أن سب النبى ﷺ لايجوز أن يكون۔ من حيث هو سب۔ بمنزلة سب غيره من المؤمنين، لأنه عليه الصلاة والسلام يباين سائر المؤمنين من أمته فى عامة الحقوق فرضًا وخطرًا وغيرهما، مثل وجوب طاعته ووجوب محبته وتقديمه فى المحبة على جميع الناس، ووجوب تعزيره وتوقيره على وجه لايساويه فيه أحد، ووجوب الصلاة عليه والتسليم، الى غير ذلك من الخصائص التى لاتحصى، وفى سبه ايذاء الله ولرسوله ولسائر المؤمنين من عباده، وأقل ما فى ذلك أن سبه كفر ومحاربة، وسب غيره ذنب ومعصية، ومعلوم أن العقوبات على قدر الجرائم، فلو سوى بين سبه وسب غيره لكان تسوية بين السبين المتباينين، وذلك لايجوز۔

أن سب رسول الله ﷺ۔ مع كونه من جنس الكفر والحراب۔ أعظم من مجرد الردة عن الاسلام، فانه من المسلم ردة وزيادة كما تقدم فاذا كان كفر المرتد قد تغلظ لكونه قد خرج عن الدين بعد أن دخل فيه فأوجب القتل عينًا، فكفر الساب الذى آذى الله ورسوله وجميع المؤمنين من عباده أولى أن يتغلظ فيوجب القتل عينًا، لأن مفسدة السب فى أنواع الكفر أعظم من مفسدة مجرد الردة۔(٥)

منزلة النبى عند الله:

أقول، لايعرف قدر النبى الا الله العلى القدير، فقد خلق الله الناس، واصطفى منهم الأنبياء، واصطفى من الأنبياء الرسل، واصطفى من الرسل أولى العزم الخمسة، واصطفى من أولى

العزم الخمسة اثنين، ابراهيم و محمدًا، ثم اصطفى محمدًا لذا عند ما قال أحد الصحابة: يا خير البرية، فقال رسول اللّٰه: ذاك ابراهيم عليه السلام،(٦) قال أهل العلم فى شرح هذا الحديث: قا لها رسول اللّٰه حياء و خجلا و تواضعا من جده ابراهيم، وقال آخرون: قالها رسول اللّٰه قبل أن يعرف منزلته عند اللّٰه، فهو سيد الأولين والآخرين فهو القائل: انا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر۔(٧)

و كان من نعم اللّٰه العظيمة على نبيه وبلوغه المكانة العالية أنه جمع بفضله و كرمه بينه وبين رسوله الكريم۔

فقال تعالى فى جعل الكفر به كفرًا برسوله ﴿**ذ لك بانهم كفروا با للّٰه ورسوله واللّٰه لايهدى القوم الفاسيقين**﴾ (التوبة:٩/ ٨٠) وجعل تكذيبه تكذيبا لرسوله: ﴿**وقعد الذين كذبوا اللّٰه ورسوله سيصيب الذين كفروا منهم عذاب اليم**﴾ (التوبة:٩/ ٩٠)

وجعل الدعوة اليه دعوة الى رسوله فقال: ﴿**و اذا دعوا الى اللّٰه ورسوله ليحكم بينهم اذا فريق منهم معرضون**﴾ (النور:٢٤/ ٤٨) وجعل وعده كوعد رسوله و كذا صد قه فقال: ﴿**و لما رأى المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا اللّٰه ورسوله وصدق اللّٰه ورسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليمًا**﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢٢) وجعل عصيان رسوله من عصيانه فقال: ﴿**ومن يعص اللّٰه ورسوله فان له نار جهنم خالد ين فيها أبدًا**﴾ (الجن:٧٢/ ٢٣) وجعل لعنته على من اذاه ورسوله فقال: ﴿**ان الذ ين يؤذ ون اللّٰه رسوله لعنهم اللّٰه فى الدنيا والآخرة واعد لهم عذاباً مهينا**﴾ (الاحزاب:٣٣/ ٥٧) وجعل نصره نصرًا لرسوله فقال: ﴿**وينصرون اللّٰه ورسوله اولئک هم الصادقون**﴾ (الحشر:٥٩/ ٨) وقا ل تعا لى فى البراء ة من الشرك: ﴿**و أذان من اللّٰه ورسوله الى الناس يوم الحج الأكبر أن اللّٰه برئٌ من المشر كين ورسوله**﴾ (التوبة:٩/ ٣) وقال تعالى فى التشريع: ﴿**قا تلوا الذين لايؤمنون باللّٰه ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم اللّٰه ورسوله ولا يد ينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون**﴾ (التوبة٩/ ٢٩) وقال تعالى فى عاقبة شقاقهما السيئة: ﴿**ذلک بانهم شاقوا اللّٰه ورسوله ومن يشاقق اللّٰه ورسوله فان اللّٰه شد يد العقاب**﴾ (الأنفال:٨/ ١٣) وقال تعالى فى حربهما على المال الفاسد: ﴿**فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰه روسوله و ان تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون**﴾ (البقرة:٢/ ٢٧٩) وقال تعالى فى الهجرة اليهما: ﴿**ومن يخرج من بيته مهاجرًا الى اللّٰه ورسوله ثم يدر كه الموت فقد وقع أجره على اللّٰه وكان اللّٰه غفورًا رحيمًا**﴾ (النساء:٤/ ١٠٠) وقال تعالى فى الحرب على الفساد:

﴿انما جزء الذ ين يحاربون الله ورسوله و يسعون فى الأرض فسادًا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم و أرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض﴾ (المائدة:٥/٣٣) وقال الله فى الغنى من فضله: ﴿وما نقموا الا أن أغناهم الله ورسوله من فضله فان يتوبوا بك خيرا لهم﴾ (التوبة:٩/ ٧٤) وقال الله فى دخول رحمته: ﴿ويطيعون الله ورسوله اولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم﴾ (التوبة:٩/٧١)

وقال تعالىٰ فى عدم تقديم الأوامر بين ايديهما: ﴿يا ايها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدى الله ورسوله وا تقوا الله ان الله سميع عليهم﴾ (الحجرات:٤٩/ ٢) وقال الله فى الولاية: ﴿انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة وهم راكعون﴾ (المائدة:٩/ ٥٥) وقال فى الطاعة: ﴿و أطيعوا الله والرسول لعلكم ترحمون﴾ (آل عمران:٣٣/ ١٣٢) وقال فى العزة: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾ (المنافقون:٦٣/ ٨)

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿قد نرى تقلب وجهك فى السماء فلنولينك قبلة ترضاها﴾ (البقرة:٢/ ١٤٤) فاللّٰه يقول: ﴿ ترضاها﴾ ولم يقل: (أرضاها) فاللّٰه يريد أن يرضى نبيه الكريم، لعظم مكانته عنده وما قول أم المؤمنين عائشة منا ببعيد حيث قالت: (ما أرى ربك الا يسارع فى هواك)(٨) وتقرأ فى آية أخرى: ﴿ولسوف يعطيك ربك فترضى﴾ (الضحى:٩٣/ ٥)

وأقسم بحياة النبى ولم يقسم بحياة نبى آخر فقال: ﴿لعمرك انهم لفى سكرتهم يعمهون﴾ (الحجر:١٥/٧٢) أى: وحياتك أو وعمرك يقسم بحياة النبى ﷺ الذى قضاها نهارا فى الصلاة والدعوة الى اللّٰه، وقضاها ليلا فى قيام الليل، فقضى كل ساعة من حياته فى طاعة وذكر اللّٰه۔

وجعل شقاق اللّٰه ورسوله ومحادة اللّٰه ورسوله، وأذى اللّٰه ورسوله، ومعصية اللّٰه ورسوله شيئًا واحدًا، فقال: ﴿ذلك بأنهم شاقوا اللّٰه ورسوله ومن يشاقق الله ورسوله﴾ (الأنفال:٨/ ١٣)

وقال: ﴿ان الذين يحادون الله ورسوله﴾ (المجادلة:٥٨/ ٥)

وقال تعالىٰ: ﴿ألم يعلموا أنه من يحادد الله ورسوله﴾ (التوبة:٩/ ٦٣)

وقال: ﴿ومن يعص الله ورسوله﴾ (النساء:٤/ ١٤) (الأحزاب:٣٣/٣٦، الجن:٧٢/ ٢٣)

وفى هذا وغيره بيان لتلازم الحقين، وان جهة حرمة اللّٰه تعالىٰ ورسوله جهة واحدة، فمن اذى الرسول فقد آذى اللّٰه، ومن أطاعه فقد أطاع اللّٰه، لأن الأمة لايصلون ما بينهم و بين ربهم الا بواسطة الرسول، ليس لأحد منهم طريق غيره ولا سبب سواه، وقد أقامه اللّٰه مقام نفسه فى أمره ونهيه واخباره وبيانه، فلا يحوز أن يفرق بين اللّٰه ورسوله فى شىء من هذه الأمور۔

أنه فرق بين أذى الله ورسوله و بين أذى المؤمنين والمؤمنات، فجعل على هذا أنه قد احتمل بهتانًا و اثمًا مبينًا، وجعل على ذلك اللعنة فى الدنيا والآخرة و أعدله العذب المهين، ومعلوم أن أذى المؤمنين قد يكون من كبائر الاثم وفيه الجلد، وليس فوق ذلك الا الكفر والقتل۔

أنه ذكر أنه لعنهم فى الدنيا والآخرة و أعدلهم عذابًا مهينًا۔

واللعن الابعاد عن الرحمة، (۹) ومن طرده عن رحمته فى الدنيا والآخرة لايكون الا كافرًا فان المؤمن يقرب اليها بعض الأوقات، ولايكون مباح الدم، لأن حقن الدم رحمة عظيمة من الله، فلايثبت فى حقه۔

ويزيد ذلك قوله تعالى: ﴿لئن لم ينته المنفقون والذين فى قلوبهم مرض والمرجفون فى المدينة لنغرينک بهم ثم لا يجاورونک فيها الا قليلا. ملعونين اينما ثقفوا أخذوا وقتلوا تقتيلا﴾ (الاحزاب:۳۳/۶۰۔۶۱)

ويؤيده قول النبى ﷺ: لعن المؤمن كقتله (۱۰) متفق عليه، فاذا كان الله قد لعن هذا فى الدنيا والآخرة فهو كقتله فعلم أن قتله مباح۔

سب النبى ﷺ يتعلق به عدة حقوق:

قال امام ابن تيمية:

ومما يوضح ذلك أن سب النبى ﷺ تعلق به عدة حقوق:

حق الله سبحانه من حيث كفر برسوله وعادى أفضل أوليائه و بارزه بالمحاربة، ومن حيث طعن فى كتابه ودينه، فان صحتهما موقوفة على صحة الرسالة، ومن حيث طعن فى ألوهيته، فان الطعن فى الرسول طعن فى المرسل وتكذيبه تكذيب الله تبارك وتعالى وانكار لكلامه، و أمره وخبره و كثير من صفا ته۔

وتعلق به حق جميع المؤمنين من هذه الأمة ومن غيرها من الأمم، فان جميع المؤمنين مؤمنون به خصوصًا أمته۔ فان قيام أمر دنياهم ودينهم وآخرتهم به، بل عامة الخير الذى يصيبهم فى الد نيا والآخرة بوساطته وسفارته، فالسب له أعظم عندهم من سب أنفسهم وآبائهم وأبنائهم وسب جميعهم، كما أنه أحب اليهم من أنفسهم و أولادهم وآبا ئهم والناس أجمعين۔

وتعلق به حق رسول الله ﷺ من حيث خصوص نفسه، فان الانسان توذيه الوقيعة فى عرضه أكثر مما يؤذيه أخذ ماله، و أكثر مما يؤذبه الضرب، بل ربما كانت عنده أعظم من الجرح ونحوه، فان هتك عرضه قد يكون أعظم عنده من قتله، فان قتله لايقدح عند النا س فى نبوته ورسا لته

وعلـو قـد ره كـما أن موته لايقدح فى ذلك، بخلاف الوقيعة فى عرضه فا نها قد تؤثر فى نفوس بعض الناس من النفرة عنه وسوء الظن به ما يفسد عليهم ايما نهم، ويوجب لهم خسا رة الد نيا والآخرة۔

فـكيف يـحوز أن يعتقد عاقل أن هذه الحناية بمنزلة ذمى كان فى ديار المسلمين فلحق ببلاد الكفار مستوطنا لها مع أن ذلك اللحاق ليس فى خصوصه حق الله ولا لرسوله ولا لأحد من الـمسلمين؟ أ كثر ما فيه أن الرحل كان معتصمًا بحبلنا فخرق تلك العصمة، فا نهما أضر بنفسه لا بأحد من المؤمنين۔

فـعـلـم بـذلك أن السب فى من الأذى لله ولرسوله و لعباده المؤمنين ما ليس فى الكفر والمحا ربة، وهذا ظاهر ان شاء الله۔

اذا ثبـت ذلك فـنـقـول: هـذه الـحناية السب موجبها القتل، لما تقدم من قوله ﷺ: من لـكـعـب بـن الأشرف فانه قد آذى الله ورسوله، (۱۱) فعلم أن من آذى الله ورسوله كان حقه أن يقتـل، ولـمـا تقدم من اهدار النبى ﷺ دم المرأة السابة (۱۲) مع أنها لاتقتل لمجرد نقض العهد، و كـمـا مـن أمـره ﷺ بـقتل من كان يسبه مع امساكه عمن هو بمنزلته فى الدين، وندبه الناس فى ذلك، والثناء على من سارع فى ذلك، و كـمـا مـن الحديث المرفوع ومن أقوال الصحا بة رضى الله عنهم أن من سب نبيا قتل، ومن سب غير نبى جلد۔

أن الـلـه سبحانه وتعالىٰ أوجب لنبينا ﷺ على القلب واللسا ن والجوارح حقوقًا زائدة عـلـى مـحـرد التـصديق بنبوته، كما أوجب سبحا نه على خلقه من العبادات على القلب واللسان والـجوارح أمورًا زائدة على محرد التصديق به سبحانه، وحرم سبحانه لحرمة رسول۔ مما يباح أن يفعل مع غيره۔ أمورًا زائدة على محرد التكذيب بنبوته۔

فـمـن ذلك: أنـه أمـر بـا لـصلاة عليه والتسليم بعد أن أخبر أن الله وملا ئكته يصلون عليه، والـصـلاة تتضمن ثناء الله عليه، ودعاء الخير له، وقربته منه، ورحمته له، والسلام عليه يتضمن سلامته مـن كـل آفة، فقد جمعت الصلاة عليه والتسليم جميع الخيرات ثم انه يصلى سبحا نه عشرًا على من يـصـلـى عـلـيـه مـرة واحدة حضًا للنا س على الصلاة عليه ليسعدوا بذلك، وليرحمهم الله بها۔(۱۳)

نحن نجتهد أن نعرف ما هى حقوق المصطفىٰ ﷺ۔

حقوق المصطفىٰ ﷺ الوجبة له على كل مسلم و مسلمة:

قال الشيخ أبوبكر جابر الجزائرى:

ان الـحـقـوق الواجبة للنبىّ ﷺ على كل فرد من أفراد هذه الأ مة المسلمة عشرة وهى كالآتى: الايـمـان بـه، مـحبتـه، طـاعتـه، متابعته، الاقتداء به، توقيره، تعظيم شأنه، وجوب النصح

له،محبّه آل بيته و صحابته، الصلاة عليه ﷺ۔

۱. الايمان به ﷺ:

ان الايمـا ن بـه ﷺ مستـلـزم لـلايما ن باللّٰه، وملا ئكته، و كتبه، ورسله،واليوم الآخر، والـقدر، قا ل تعا لى فى الأ مربه الواجب القيام به: ﴿فَـاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِا للّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۵۸/۷)

وقـال هو ﷺ فى الاخبار بوجوب الايمان به: (أمـرت أقاتل الناس حتى يشهد وا أن لا الـه الا الـلّٰـه وأن محمدًا رسول اللّٰه) (۱٤) وقـال فـى حـديث آخرله فى موقف آخر: (أمـرت أن أقـاتـل الناس حتى يشهد وا أن لا اله الا اللّٰه ويؤمنوا بى وبما جئت به، فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم و أموالهم الا بحقها وحسابهم على اللّٰه) ۔(۱۵)ومعنى الايـمـان بـه ﷺ التـصـديـقُ بـنبوّته ورسالته التى جاء بها من عنداللّٰه تعالى،وأن كل ماجاء به من الدين،وما أخبر به عن اللّٰه تعا لى هو حق وصدق، ولا يكتفى بالنطق با للسان،والقلبُ منكرٌ لذلك غير مـصدق به، بل لا بد من مطا بقة القلب للسا ن من مظاهر الايمان به ﷺ طا عته، و محبته ، و موالاته، وبا قى الحقوق العشرة۔

(۲) محبته ﷺ:

ان مـحبتـه ﷺ واجبة بـالكتاب والسنة، قال تعالى: ﴿قُـلْ اِنْ كَـانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُـكُـمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَـرَفْـتُـمُـوْهَـا وَ تِـجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَـرْضَـوْنَهَـآ اَحَبَّ اِلَيْـكُـمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾(التوبة:۲٤/۹)فهذه الآ ية دليل واضح على وجوب محبته ﷺ لما فيها من التهديد الشديد على من آثر على حب اللّٰه ورسوله حبَّ غيرهما من الأ هل، و المال،والولد۔

وقـال ﷺ فى حديث الصحيح: (لا يـؤمـن أحد كم حتى أكون أحب اليه من والده وولده والناس أجمعين) ۔(۱٦) ولما سمع عمر رضى اللّٰه عنه۔ قال لـلرسـول ﷺ لأنـتَ أحـب الـىّ مـن كـل شـىءٍ الا نـفسـى التـى بين جنبى،فقال لـه النبىّ ﷺ: (لا يـؤمـن أحد كم حتى أكون أحب اليه من نفسه)،فـقال عمر:والذى أنزل عـليك الـكتاب،لأنت أحبُّ الىّ من نفسى التى بين جنبىّ،فأجابه الرسول قائلاً:(الأن يا عمر) أى: بلغتَ حقيقة الايمان ۔(۱۷)

وقال ﷺ:(ثلاث من كنّ فيه وجد حلاوة الايمان:أن يكون الله ورسوله أحبّ اليه مما سواهما،وأن يحب المرء لا يحبه الاالله، وأن يكره أن يعود فى الكفر۔ بعد أن أنقذه الله، وأن يكره أن يعود فى الكفر۔بعد أن أنقذه الله منه۔ كما يكره أن يُقذف فى النار)۔(١٨)

ومعنى محبته ﷺ:ايثا ر ما يحب ﷺ على ما يحب العبد۔

مظاهر محبته ﷺ:

من مظاهر محبته ﷺ ما يلى:

(١)۔ طاعته، الاقتداء به، ومحبة ما جاء به ودعا اليه، ونصرته فى دينه ونصرة المؤمنين به من آل بيته وصحابته والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين ۔

(٢)۔ توقيره وتعظيمه عند ذكره وذكر شما ئله،وعند الوقوف على قبره للسلام عليه وعلى صاحبيه،وعند الجلوس فى مسجده والصلاة فيه، وذلك بخفض الصوت ،وغض البصر،وعدم ارتكاب أىّ حدث فيه من قول أوعمل،وعدم اقراره أو الرضابه۔

علامات حبه ﷺ:

من علامات حبه ﷺ ما يلى:

(١)۔ كثرة ذكره،فان من أحب شيئًا أكثر من ذكره۔

(٢)۔ كثرة الشوق اليه،اذ كل محب يحب لقاء حبيبه ويتشوق الى لقائه۔

(٣)۔ البكاء عند ذكره شوقاً وحنيناً اليه ﷺ۔

طاعته ﷺ:

ان طاعته ﷺ واجبة بأمر الله تعالى فى قوله تعالى:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾(محمد:٤٧:٦٠)

وبقوله عزوجل:﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾(النساء: ٦٤) وقوله:﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾(النساء:٤/٨٠) ويدل على عظيم شأن طاعته ﷺ قوله:﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (الحن:٢٧/٢٣) ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النور:٢٤/ ٥٤)

ومعنى طاعته ﷺ: فِعْلُ ما أمر به، وترك ما نهى عنه من اعتقاد أو قول أو عمل، اذا كان الأمرُ للوجوب والنهىُ للتحريم، فان كان الأمر للندب، والاستحباب، والنهى للتزيه فلا معصية فى الفعل ولا فى الترك۔

مظاهر طاعته ﷺ:

من مظاهر طاعته ﷺ:

(١)۔ التمسك بسنته، والاهتداء بهديه، وذلك كالمحافظة على رغيبة الفجر، وسنة الوتر، والرواتب مع الفرائض، والمحافظة على صلاة الجماعة، والرغبة فى الصف الأول والذى يليه، ونافلة الضحى، والصلاة بعد الوضوء، وترك الصلاة فى الأوقات المنهى عن الصلاة فيها۔

(٢)۔ الالتزام بحسن السمت، وخفض الصوت، ونظافة الثوب والجسم، وتحرى الصدق فى القول والعمل۔

(٣)۔ طلب الحلال فى الطعام، والشرب، واللباس، والنكاح۔

(٤)۔ حب المساكين، والاحسان اليهم، وزيارة القبور، للترحم عليهم والاستغفار لهم والتذكر بحالهم۔

(٥)۔ الالتزام بمبدأ: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:٥٩: ٧)

وبمبدأ: (اذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم،وما نهيتكم عنه فاجتنبوه)۔

متابعته ﷺ:

ان متابعته ﷺ فى المعتقد والقول والعمل واجبة وهى الدين كليه، ومخالفته فى ذلك هى الخروج من الدين كله، اذ قال تعالىٰ: ﴿وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾(الأعراف:١٥٨/٧) فمتابعته ﷺ سبيل الهداية،وتركها سبيل الغواية،وقد اشترط تعالىٰ لحبه العبد أن يتابع العبدُ رسولَه فى كل ما جاء به، قال تعالىٰ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران:٣١/٣)

ومعنى المتابعة للرسول ﷺ أن يكون اعتقاد العبد وقولُه وعملُه تابعًا لاعتقاد رسول اللّٰه ﷺ وقوله وعمله، فلا يخالفه فى شىء من ذلك،بتقديم ولا تأخير ولا زيادة ولا نقصان و التمسك بالسنة الوجبة والمستحبة على حد سواء ۔

فضل المتابعة:

وفى بيان فضل المتابعة نورد الحديث الآتى:

روى الترمذى وابن ماجه عنه ﷺ: (المتمسك بسنتى عند فساد أمتى له أجر مائة شهيد)۔(١٩)

وقوله ﷺ: (ان بنى اسرائيل افترقوا على اثنتين وسبعين ملة، وان أمتى ستفترق على ثلاثة وسبعين، كلها فى النار الا واحدة) قالوا: وما هى يا رسول اللّٰه ؟ قال: (الذى أنا عليه اليوم وأصحابى)،(٢٠) رواه الترمذى وابن ماجه بألفاظ مختلفة۔ والحديث دليل على فضل المتابعة

للرسول ﷺ وأصحابه فى العقيدة، والعبادة،والسلوك، اذ خلاف ذلك يفضى بالعبد الى النار۔

(۵) الاقتداء به ﷺ:

لقد أمر تعالىٰ رسوله بالاقتداء بمن سبقه من الأنبياء والرسل، فقال عزوجل: ﴿أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام:٦/٩٠)، وأمرنا تعالى نحن أيها المسلمون بالاقتداء به ﷺ فقد قال تعالى:﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۳۳/۲۱)۔ أى:قدوة صالحة فاقتدوا به۔ورتب تعالى هدايتنا على طاعته، والاقتداء به فقال عز وجل:﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ (النور:۲٤/٤٥)، ولازم هذا أن ترك الاقتداء به ﷺ مُفْضٍ بصاحبه الى الضلال الموجب للهلاك فى الحياتين، وهو كذلك۔فهم هذا سلف هذه الأمة، فالتزموا بطاعته ﷺ، ومتابعته ، والاقتداء به۔

هذه مظاهر تللك المتابعة وذلك الاقتداء:

☆ صلى عمر بن الخطاب، كانما قيل له فى ذلك، فقال : أنا أفعل كما رأيت رسول اللّٰه ﷺ يفعل۔

☆ قرن علىّ بين الحج والعمرة على عهد عثمان رضى اللّٰه عنهما، فقال له عثمان: ترى أنى أنهى الناس عنه وتفعله؟ فقال علىّ:لم أكن أدعُ سنة رسول اللّٰه ﷺ لقول أحد من الناس۔

وقال مرة: ألا انى لست بنبىّ، ولا يوحى الىّ، ولكنى أعمل بكتاب اللّٰه وسنة رسول اللّٰه ﷺ۔

والمقصود من هذا كله أن الاقتداء بالرسول ﷺ واجب فعله محقق للنجاة من الهلاك، وتركه مقتض له۔ والعياذ باللّٰه تعالى۔ فالخير كلٌّ فى اتباعه والاقتداء به فى الصغير والكبير، والقليل والكثير۔ وفى كل الأحوال وسائر الظروف۔

(٦) توقيره ﷺ:

ان توقير النبىّ ﷺ واجبٌ أكيد ،اذ خلافه۔ وهو الاستخفاف به ﷺ۔ماهو من الكفر ببعيد، بل هو كفر عتيد۔أمر تعالى بتوقير نبيّه ﷺ فى قوله: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ (الفتح:٤٨ : ٨،٩)

فالتعزير: النصرة، والتوقير للتعظيم والاجلال، وهذه له ﷺ والتسبيح للّٰه عز و جل، وهو تنزيهه تعالى عن النقائص، والشرك،والشبيه، والنظير، والصاحبة، والولد۔

فما أرسل اللّٰه تعالىٰ رسوله مبشراً ونذيراً الا ليؤمن الناسُ به تعالى وبرسوله، ويعزروا الرسول أى: ينصروه، ويوقروه أى: يجلوه ويعظموه بما يليق بمنصبه الرفيع ومقامه السامى الشريف۔

ومعنى توقيره ﷺ تعظيمهُ واجلاله والاكبار من شأنه والرفع من قدره،حتى لا يدانيه

أحد من النا س۔و کون أصحا به قد عرفوا قد ره فأجلّوه وعزروه ووقروه،فليس ذلك عائدا لكونه فيهم وبينهم فحسب،بل هو لما أو جبه اللّٰه تعالى عليهم،وأفا ضه فى نفوسهم، وأجراه على ألسنتهم من حبه، و تقديره، و اجلاله،و تعظيمه۔

ومن مظا هر توقيره ﷺ ما أمر اللّٰه تعالىٰ به و ارشد اليه فى كتابه العزيز كقوله تعالى:﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾(الحجرات:۴۹/ ۱)۔ أى: لا تقولوا قبل أن يقول، و اذا قال فاستمعوا له وأنصتوا،فلا يحل لأحدهم أن يبق بقوله قوله، ولا برأيه رأيه، ولا بقضا ئه قضا ئه، بل عليهم أن يكونوا تا بعين له فى كل ذلك۔وقوله تعا لى:﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّ مُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَا تَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَا تَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۴۹/ ۱،۲)۔ فقد منعهم فى هذا الخطاب من رفع أصواتهم فوق صوته ، لمنا فاة ذلك للأدب معه والوقار له، كما منعهم من الجهر بالقول له اذا خاطبوه و كلموه ، لما فى ذلك من سوء الأدب، والجفاء، و الغلظة المنا فية للاجلال والتوقير والتعظيم، وقوله تعالىٰ: ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾(النور:۲۴/ ۶۳) فقد نها هم عن ندائه باسمه العلم: يا محمد، و أرشد هم أن يدعوه بلقب النبوة والرسا لة نحو: يا نبى اللّٰه، و يا رسول اللّٰه، وبأحب كناه اليه نحو: يا أبا القاسم، واستجاب أصحابه البررة لأمر اللّٰه تعا لى، فقا ل أبوبكر الصديق واللّٰه يا رسول اللّٰه لا اكلمك بعد ها الا كأخى السرار وفعلاً لما نزلت هذه الآية كان عمر اذا حدثه حدثه كأخى السرار، فما كان يسمع الرسول حتى يستفهمه، ليبين مراده من كلامه، ونزل فيهم قوله تعالىٰ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (الحجرات:۴۹/ ۳)

مظاهر توقيره:

ومن مظاهر توقير الأصحاب۔ رضوان اللّٰه عليهم۔ لنبيهم ﷺ مايلى:

روى الترمذى عن أنس قوله: كا ن رسول اللّٰه ﷺ يخرج على أصحابه من المهاجرين والأنصا ر وهم جلوس فيهم أبوبكر وعمر، فلا يرفع أحد منهم اليه بصره الا أبوبكر وعمر، فا نهما كانا ينظران اليه وينظر اليهما ويبتسمان اليه، ويبتسم اليهما۔(۲۱)

☆ روى عن أسامة بن شريك قال: أتيت رسول اللّٰه ﷺ و أصحابه حوله كان على رؤوسهم الطير۔

☆ قال عروة بن مسعود۔ حین وجهته قریش الی رسول اللّٰه ﷺ یوم صلح الحدیبیة، ورأی من تعظیم أصحاب رسول اللّٰه ﷺ له ما رأی، وأنه لایتوضأ الا ابتدروا وضوء ہ، و کادوا یقتتلون علیه، ولا یبصق بصاقًا، ولا یتنخم نخامة الا تلقوها بأکفهم، فدلکوا بها وجوههم و أجسامهم، ولا تسقط منه شعرةٌ الا ابتدروها، و اذا أمرهم بأمر ابتدروا، و اذا تکلم خفضوا أصواتهم عنده، وما یحدون الیه النظر تعظیمًا له، فلما رجع الی قریش قال: یا معشر قریش: انی جئت کسریٰ فی ملکه، وقیصر فی ملکه، والنجاشی فی ملکه، وانی واللّٰه ما رأیت ملکًا من قوم قط مثل محمد فی أصحابه، (۲۲) فهذا الذی حکاه عروة بن مسعود رضی اللّٰه عنه۔ وهو حق ثابت۔ أکبر مظهر من مظاهر توقیر أصحاب رسول اللّٰه لنبیهم ﷺ وآله وصحبه وسلم تسلیمًا۔

(۷) تعظیم شانه ﷺ :

ان المراد من تعظیم شأن النبی ﷺ: اکرام و اکبا ر کل ما تعلق به ﷺ کاسمه و حدیثه ،وسنته، وشریعته وآل بیته، وصحابته و أفراد أمته، ومسجده وقبره، و کل ما له اتصال به من قریب أو بعید، اذ کل هذا داخل تحت وجوب توقیره وحبه وتعظیمه کما هو مندرج تحت حرمان اللّٰه، واللّٰه یقول: ﴿**ومن یعظم حرمات اللّٰه فهو خیر له عند ربه**﴾ (الحج:۲۲/ ۳) ویدل لذلک و یشهد له أن اللّٰه تعالٰی نهی عن رفع الصوت بحضرته، و أمر بغضه بین یدیه، ولم یأذن بأن یدعی کما یدعی غیره، وذلک لما له من الفضل والتفوق علی سائر النا س۔

مظهر تعظیم حدیثه:

☆ روی عن عبدالرحمن بن مهدی أنه کان اذا قرأ حدیث رسول اللّٰه ﷺ أمر الحاضرین بالسکوت، وقال: لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ﷺ یری أنه یجب له الانصات عند قراء ة حدیثه کما یجب ذلک عند سماع قوله ﷺ:

☆ ما روی عن جعفر بن محمد الصادق۔ و کان کثیر الدعایة والتبسم۔ أنه اذا ذکر عنده النبی ﷺ اصفر وجهه، وما رئی یحدث عن رسول اللّٰه ﷺ الا علی طها رة۔

مظاهر تعظیم آل بیته ﷺ:

ان من مظاهر تعظیم آل بیت المصطفٰی ﷺ۔ الذی قال اللّٰه فیهم: ﴿**انما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهر کم تطهیرا**﴾ (الاحزاب:۳۳/۳۳) وقد أذهب اللّٰه عنهم الرجس وطهرهم تطهیرًا۔ ما یلی:

☆ قول أبی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه: ارقبوا محمدًا ﷺ فی أهل بیته، وقوله والذی نفسی

بیده ، لقرابة رسول اللّٰه ﷺ أحب الی أن أصل من قرابتی۔

☆ ما روی أن زید ثا بت الأنصاری رضی اللّٰه عنه قد قبّل ید ابن عباس، وقا ل: هکذا أمرنا أن تفعل بأهل بیت نبینا۔

مظاهر تعظیم أصحابه ﷺ :

ان تعظیم أصحابه ﷺ من تعظیمه۔ فداه أبی و أمی ، اذ لو لا صحبتهم له ما عظموا هذا التعظیم الخاص دون غیرهم من سائر الناس۔ ومن مظاهر تعظیمهم ما یلی:

قول أبی أیوب السختیانی: من أحب أبابکر فقد أقام الد ین، ومن أحب عمر فقد أوضح السبیل، ومن أحب عثمان فقد استضاء بنور اللّٰه، ومن أحب علیًا فقد أخذ بالعروة الوثقی، ومن أحسن الثناء علی أصحاب محمد ﷺ بری من النفاق، ومن انتقص أحدًا منهم فهو مبتد ع مخا لف للسنة و السلف الصالح، و أخاف ألا یرفع له عمل الی السماء حتی یحبهم جمیعًا ویکون قلبه سلیمًا۔

مظاهر تعظیم آثاره ﷺ:

ومن مظاهر تعظیم آثار الحبیب ﷺ ما یلی:

☆ من أنه کانت لأبی محذورة قصة فی مقدم رأسه، اذا قعد و أرسلها وصلت الی الأرض، فقیل له: ألا تحلقها؟ قال: لم أکن بالذی یحلقها وقد مسها رسول اللّٰه ﷺ بیده۔

☆ ما روی أن خالد بن الولید رضی اللّٰه عنه کانت له قلنسوة، فیها شعرات من شعر رسول اللّٰه ﷺ فسقطت منه فی بعض حروبه، فشد علیها شدة، أکرها علیه أصحابه، لکثرة من قتل فیها، فقا ل: لم أفعلها من أجل القلنسوة، بل لما فیها من شعر رسول اللّٰه ﷺ لئلا أسلب بر کتها، وتقع فی أیدی المشر کین!

(٨) وجوب النصح له ﷺ:

ان لوجوب النصح له ﷺ أدلة من الکتاب والسنة مثل قول تعالٰی من سورة التوبة:

﴿ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لایجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للّٰه ورسوله﴾ (التوبة:٩/٩١) فذکر النصح لرسوله ﷺ و أنه نافع لصحابه رافع عنه الحرج مادام ناصحًا للّٰه ولرسوله ﷺ غیر غاش ولا خادع بهما۔

ومثل قول الرسول ﷺ الدین النصیحة للّٰه ولکتابه ولرسوله، فجعل النصح له دینًا۔

معنی النصح: أنه ارادة الخیر للمنصوح له، ولایتم هذا الا بعد تخلیص النفس من کل الشوائب حتی تصل الی درجة ترید فیها الخیر کاملًا لمن تریده له۔

والنصيحة لرسول الله ﷺ تكون بأمور، هى مظاهر لها۔ وهى

۱۔ الصديق بنبوته المثمر لطاعته فى أمره ونهيه، ونصرته، وحمايته حيًا وميتًا۔ واحياء سنته بتعليمها بعد العمل بها، والتخلق بأخلاقه والتأدب بآدابه۔

۲۔ شدة المحبة له ولأهل بيته، وكافة أصحابه، وموالاة من يواليه، ويوالى أهل بيته و أصحابه فى صدق، و معناداة من يعاديه ويعادى أهل بيته و أصحابه رضوان الله عليهم أجمعين۔

۳۔ ابلاغ رسالته بعده، ونشر دعوته، واقامة شريعته، واعزاز أهل ملته، واذلال أهل بغضته، وعداوته من الكافرين بدينه، والكائدين لأمته وملته۔

محبة أهل بيته وصحابته:

ان محبة أهل بيت رسول الله ﷺ ومحبة أصحابه من محبته ﷺ، وما دامت محبته واجبة، فمحبة ما يحب واجب أكيد أيضًا۔ وعليه فما أحب رسول الله من لم يحب أهل بيته و أصحابه، اذ كان ﷺ يحبهم۔ وحسبنا فى التدليل على وجوب محبته أهل بيت رسول الله ﷺ ومحبتة أصحابه ايراد الأحاديث والآثار الآتية۔

ما حدث به زيد بن أرقم رضى الله عنه، اذ قال: قال رسول الله ﷺ: أنشدكم الله فى أهل بيتى، (۲۳) أى: أسألكم بالله وأقسم به عليكم، قالها ثلاثًا، وسئل زيد بن أرقم عن أهل بيته فقال: هم آل على وآل جعفر، وآل عقيل، وآل العباس۔

قوله ﷺ للعباس: والذى نفسى بيده لايدخل قلب رجل الايمان حتى يحبكم الله ورسوله، ومن أذى عمى فقد آذانى، وانما عم الرجل صنوا أبيه۔

كانت تلك الأخبار الموجبة لحب أهل بيت رسول الله ﷺ: وأما أصحابه رضوان الله عليهم ففى كتاب الله ما يوجب حبهم وتقديرهم والترضى عنهم، والطعن فيهم، والنيل من كرامتهم، فقد قال تعالى: ﴿**لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونک تحت الشجرة**﴾ (الفتح:۴۸/ ۱۸) فهل يرضى الله عن عبده، ويجوز السخط عليه من قبل عباده؟؟ اللهم لا، لا، وقال تعالى: ﴿**محمد رسول الله والذين معه أشداء الكفار رحماء بينهم تراهم ركعًا سجدًا**﴾ (الفتح:۴۸/ ۲۹) الى قوله: ﴿**ليغيظ بهم الكفار**﴾ (الفتح:۴۸/ ۲۹) فهل يمدح الله تعالى أقوامًا ويثنى عليهم فى كتابه، ويجوز ذمهم وعدم اجلالهم وتقديرهم؟ اللهم لا، لا۔

☆ قوله ﷺ: فى أبى بكر وعمر رضى الله عنهما: اقتدوا باللذين من بعدى أبى بكر وعمر۔ (۲۴)

☆ قوله ﷺ: لاتسبوا أصحابى، فلو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبًا ما بلغ مد أحدهم ولانصيفه۔ (۲۵)

☆ قوله ﷺ فی الأنصار: اعفوا عن مسيئهم، واقبلوا من محسنهم۔(٢٦)

☆ قول مالك بن أنس امام دار المهجرة: من غاظه أصحاب محمد فهو كافر، لقوله تعالى: ﴿ليغيظ بهم الكفار﴾ (الفتح:٤٨/٢٩)

الصلاة عليه ﷺ:

هذا آخر الحقوق العشرة الواجبة لرسول الله ﷺ صاحب هذه السيرة العطرة، الواجبة له على كل مؤمن ومؤمنة، وهو الصلاة والسلام عليه ﷺ: ان هذا الحق الواجب الأكيد ثابت بالكتاب، والسنة، و اجماع الأمة، قال تعالى: **﴿ان الله وملائكته يصلون على النبى يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليمًا﴾** (الأحزاب:٥٦/٣٣) وقال رسول الله ﷺ: رغم أنف امرى ذكرت عنده فلم يصل على، وقال: صلوا على حيثما كنتم، فان صلاتكم تبلغنى۔(٢٧) وجاء فی فضلها قوله ﷺ: من صلى على مرة صلى الله عليه بها عشرًا۔ وقوله: اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن، ثم صلوا على، ثم سلوا لى الوسلية والفضيله، أى قولوا اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدًا الوسيلة والفضيله وابعثه مقامًا محمودًا الذى وعدته فان من فعل ذلك حلت له شفاعتى يوم القيامة۔(٢٨)

المواطن التى تستجب فيها الصلاة عليه ﷺ:

ان هناك مواطن كثيرة تستحب فيها الصلاة على النبى ﷺ نحملها ازاء النقاط الآتية۔

قبل الدعاء و بعده، فالداعى يبدأ دعاء ه بحمد الله والثناء عليه، ثم يصلى على النبى ﷺ ثم يدعو بما شاء من الخير ثم يختم دعاء ه بالصلاة على النبى ﷺ لما ورد: الدعاء بين الصلاتين على لايرد۔ ولقول عبدالله بن مسعود رضى الله عنه: اذا أراد أحدكم أن يسأل الله شيئًا، فليبدأ بحمد الله والثناء عليه بما هو أهله، ثم يصلى على النبى ﷺ ثم ليسأل، فانه أجدر أن ينجح أى: يفوز باستجابة دعائه۔يوم الجمعة وليلتها، اذ روى النسائى بسنده أن النبى ﷺ أمر بالاكثار من الصلاة عليه يوم الجمعة، و ورد ليلتها أيضًا۔(٢٩)

عند سماع ذكره أو كتابته، حديث: رغم أنف امرى ذكرت عنده ولم يصل على۔(٣٠)

عند دخول المسجد بأن يقول: باسم الله، والحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله اللهم اغفرلى ذنبى، وافتح لى أبواب رحمتك، وعند الخروج كذلك الا أنه يقول: وافتح لى أبواب فضلك، بدل رحمتك۔ و بعد التكبيرة الثانية من صلاة الجنائز، اذا الأولى يقرأ بعدها الثناء والثانية يصلى بعدها على النبى ﷺ الصلاة الابراهيمية، وهى التى يصلى بها فى التشهد الأخير من

كل صلاة فريضة أو نافلة۔(٣١)

صيغ الصلاة على النبى ﷺ:

لـقـد ورد فى الصلاة على النبى ﷺ صيغ كثيرة، بعضها مرفوع الى النبى ﷺ و بعضها مأثور عن السلف الصالح۔

فـالـلهـم صـل عـلـى مـحمد عبدك ورسولك، النبى الأمى وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرا:

الصلٰوة والسلام عليك ياسيدى يا رسول اللّٰہ وعلى الك و أصحابك يا سيدى يا حبيب اللّٰہ۔

الختام:

فيـا ايهـا الشبـاب الـمسـلـمـون! أن اللّٰہ شرفكم تشريفا عظيما فقد اختا ركم مسلمين مـؤمـنـيـن۔ فـقـولـوا الـحـمد للّٰہ الذى اصطفا نا مسلمين فليس كل النا س مسلمين ۔ إعلم۔ أخى الـحبيـب۔ فان اللّٰہ خصك، ولم يخص غيرك بهذا الدين ثم جعلك عبداً للّٰہ۔ فربك نور: ﴿اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (النور: ٢٤/٣٥) ورسولك نور: ﴿فَقَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الـمـائده: ٥/١٥) فا لنور فى هذه الآية على أرجح الاقوال هو سيد الانبياء ﷺ وليس القرآن لان الـعـطف يقتضى المغايرة، المعطوف الـمعطوف عليه۔ وقرآنك نور: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِىْ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾(التـغابن: ٤٦/٨) واسلامك نور: ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الـزمـر:٣٩/٢٢) فـكيف ترضى لنفسك أن تعيش مغيبًا عن هذه الأنـوار۔ فـلا تحجب نفسك بنفسك عن هذا النور،وصدق اللّٰہ اذ يقول۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور:٢٤/٤٠) فحب اللّٰہ أولاً قال اللّٰہ: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقره: ٢/١٦٥) ثـم حب النبى ﷺ فحب النبى ﷺ ركن ركين وأساس متين من أسس الايمان فيحشر الـمرء مع مـن أحـب۔ فحب النبى ليس كلامًا يقال، انما أفعال تتبع۔ فدليل حبك النبى هو اتباع النبى، فحب النبى وطاعته سبب فى غفران ذنبك۔

المصادر المراجع

١ ۔ حاشية قمر الاقمار على شرح المنار للشيخ عبدالحليم اللكنوى

٢ ۔ مذاكرات الحق والذمة: ص : ٣٦

٣۔ المدخل الى نظرية الالتزام فى الفقه: ج ٣ ص ١٠

٤ ۔ الفقة الاسلامى وادلته، الاستاذ الدكتور وهبة الزخيلى، مكتبه رشيديه كوئٹه ص ٢٨٤١۔

۵۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول، امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة دار الکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۸ م ص ۲۳۳

۶۔ مسند احمد رقم الحدیث : ۱۲۳۶۱ صحیح مسلم : ۲۳۶۹، ابوداؤد: ۴۶۷۲

۷۔ سنن الترمذی: ۳۱۴۸، ابن ماجه: ۴۳۰۸

۸۔ صحیح البخاری: ۴۷۸۸ مسلم: ۴٦٤، ابوداؤد: ۲۱۳٦

۹۔ المفردات: امام راغب الاصفهانی

۱۰۔ هو جزء من حدیث طویل رواه الامام البخاری ۶۰۴۷ ومسلم والدارمی ۲۳۶۱

۱۱۔ البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳۷، مسلم: ۱۸۰۱، ابو داؤد ۲۷۶۸

۱۲۔ ابوداؤد: ۴۳۶۱، والنسائی: ۷/۱۰۷۔۱۰۸)

۱۳۔ الصارم المسلول عمل شاتم الرسول ص ۳۱۵

۱۴۔ متفق علیه

۱۵۔ متفق علیه

۱۶۔ البخاری: ۱۵

۱۷۔ البخاری

۱۸۔ البخاری: ۱۶۔ مسلم: ۴۳

۱۹۔ الترمذی

۲۰۔ الترمذی، وابن ماجه

۲۱۔ الترمذی۔

۲۲۔ متفق علیه

۲۳۔ الشفاء: ۲۔۱۰۵۔ کنز العمال: ۳۷٦۱۹

۲۴۔ الترمذی: ۳٦٦۲

۲۵۔ ابوداود: ۴٦۵۸، الترمذی: ۳۷٦۱

۲٦۔ الشفاء: ۲۔۱۲۳

۲۷۔ مصنف ابن ابی شیبه: ۲:۳۷٦۔ الحاوی للفتاوی: ۱۔۵۷٦

۲۸۔ البخاری: ۱۔۱۵۹۔ مسلم کتاب الصلاة: ۱۰۔ ابوداؤد: ۵۲۲

۲۹۔ النسائی

۳۰۔ الترمذی: ۳۵۴۵

۳۱۔ هذا الحبیب محمد یا محب، دار الحدیث قاهرا مصر، ص ۴۵۰

Non-Ottoman forms:

As an art form, *hilye* has mostly been restricted to Ottoman lands. A small number of instances of *hilye* panels were made in Iran, and they reflect a Shiite adaptation of the form: there is a Persian translation below the Arabic text and the names of the Twelve Imams are listed. In the 19th century, some Iranian *hilyes* combined the traditional *hilye* format with the Iranian tradition of pictorial representation of Holy Prophet Muhammad(pbuh) and Hazrat Ali(R.A).

There are contemporary exponents of the art outside this region, such as the Pakistani calligraphers.

Traditions:

In Turkey, giving a *hilye* panel as a marriage gift for the happiness of the union and safety of the home has been a tradition that is disappearing. Covering such panels with sheer curtains was part of the religious folklore in Istanbul households. Since Osman's time, every Turkish calligrapher has been expected to produce at least one *hilye*, using the three *muhaqqaq*, *thuluth* and *naskh* scripts. It is a common tradition for masters of calligraphy to obtain their diploma of competency (*ijazet_name*) after completing a *hilya* panel as their final assignment. The art of *hilye* flourishes in Turkey. Contemporary artists continue to create *hilyes* in the classical form as well as to innovate. Modern *hilyes* main--tain the essence of a *hilye*, even while the appearance of the elements of the *hilye* is customized or calligraphy is used to create abstract or figurative works. Contemporary *hilyes* are exhibited in major exhibitions in Turkey as well as outside the country. A Famous *Hilya* by Eminent Muslim scholar Imam Saadi Shirazi is translated here for the blessings of holy Prophet Muhammad (peace be upon him) is as follows:-

Husni Yousuf , Dam-e- Issa, Yadi-e-Beza_dari
Aan Chay Khubaan hama darand Tu tanha dari

Translation: *Splendid Joseph, resurrection of Jesus,*
Excellencies are all, even glittering palm Moses
Magnificence all, which all posses
O' Mercy of the worlds, you alone have all graces
(SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALAM)

References:

1- *Shamail -e- Tirmizi*
2- Turkish Literature on internet
3- Sacred Trust, Book Published in Turkey
4- Wiki encyclopedia
5- Different E-Books
6- Difference Books of Pakistani Scholars
7- *Noor-e-Baserat* by Mian Abud-ur-Rashid
8- Articles of diff, Magazine and News Papers
9- Personal interviews

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم
محمد رسول الله
أبو بكر
عمر
عثمان
علي
وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين

names of Allah.

☆ The ***ayet*** or ***kusak*** ("verse" or "belt") section below the *göbek* and crescent, containing a verse from the Quran, usually 21:107 ("And We [God] did not send you [Muhammad] except to be a mercy to the universe"), or sometimes 68:4 ("Truly, you [Muhammad] are of a tremendous nature") or 48:28-29 ("And God is significant witness that Muhammad is the messenger of God").

☆ The ***etek*** ("skirt" or lower part) containing the conclusion of the text begun in the *göbek*, a short prayer, and the signature of the artist. If the main text fits completely in the *göbek*, the etek may be absent.

☆ The ***koltuklar*** ("empty spaces"), two alleys or side panels on either side of the *etek* that typically contain ornamentation --- sometimes illuminated --- but no text, although occasionally the names of some of the ten companions of Muhammad (pbuh) are found there.

☆ The ***iç*** and ***dis pervaz*** ("inner and outer frame"), an ornamental border in correct proportion to the text.

The remainder of the space is taken up with decorative Ottoman illumination, of the type usual for the period, often with a border framing the whole in a contrasting design to the main central field that is the background of the text sections. The "verse" and "corners" normally use a larger thuluth script, while the "head" section with the bismallah is written in *muhaqqaq*. Unlike the literary genre of *hilye*, the text on calligraphic *hilyes* is generally in prose form.

The names in Turkish of the central structural elements of the *hilye* are, from top to bottom, *basmakam* (head station), *göbek* (belly), *kusak* (belt) and *etek* (skirt). This anthropomorphic naming makes it clear that the *Hilye* represents a human body, whose purpose is "to recall semantically the Prophet's presence via a graphic construct". It has been suggested that Hafiz Osman's *hilye* design might have been inspired by the celebrated *Hilye-i Serif*, which in turn was based on the possibly spurious hadith according to which Holy Prophet(pbuh) has said "... Whoever sees my *hilye* after me is as though he has seen me... ". If so, a *hilye* might have been meant to be not read but seen and contemplated, because it is really an image made of plain text.

The standard *Hilye-i Serif* composition has been followed by calligraphers since its creation in the late 17th century. *Hilye* by Hafiz Osman Efendi (1642-1698) However, deviations from the standard model do occur and many innovative designs have been produced as well.

Ottoman Turks have commissioned scribes to write *hilyes* in fine calligraphy and had them decorated with illuminators. Serving as a textual portrait of the prophets, *hilya* panels have decorated homes for centuries. These calligraphic panels were often framed and came to be used as wall decorations in houses, mosques and shrines.

The first recorded instance of *Hilye-i Sherif* panels is generally believed to have been prepared by the notable scribe Hâfiz Osman (1642-1698). He was one of earliest scribes known to make such works, although it has been suggested that another famous scribe, Ahmed Karahisarî (1468-1556), may have created one *hilya* panel about a century before. Hafiz Osman was known to have experimented with pocket *hilyes* in his youth, one of these dates from 1668. Its text was written in very small naskh script and has dimensions of 22x14 cm.

It consisted of a description of Holy Prophet Mohammad (pbuh) in Arabic, and below that its Turkish translation, written in diagonal, to create a triangular block of text.

A characteristic feature of the texts shown at the centre of *hilyes* is their praise for the beauty of Hazrat Muhammad's (pbuh) physical appearance and character. While containing a verbal description of what he looked like, a *Hilye* leaves picturing Holy Prophet Muhammad's (pbuh) appearance to the reader's imagination, in line with the mainly an iconic nature of Islamic art.

Standard layout:

The standard layout for the Ottoman *hilya* panel is generally attributed to Hafiz Osman (1642-1698). This layout is generally considered to be the best and has come to be the classical form. It contains the following elements:

☆The ***bas makam***("head station"), a top panel containing a *bismillah* or blessing.

☆The ***göbek*** ("belly"), a round shape containing the first part of the main text in *naskh* script. It often contains the description of Holy Prophet Muhammad(pbuh) by Hazrat Ali(R.A) (according to Tirmidhi).

☆The ***hilâl*** ("crescent"), an optional section with no text, which is often gilded. A crescent encircling the *göbek*, with its thick middle part at the bottom. Together, the göbek and hilal also evoke the image of the sun and the moon.

☆ The ***kösheler***("corners"), usually four rounded compartments surrounding the *göbek*, typically containing the names of the four *Rashidun* or "rightly-guided" Caliphs according to Sunnis, or in some cases other titles of Holy Prophet Muhammad (pbuh), names of his companions, or some of the

many disasters, and will receive Holy Prophet's esteem.

In the "*Sebeb-i te'lîf*" ve "hâtime" section of the *hilye*, the writer gives the reasons to write the *hilya*. Hakani wrote that his reason was to be worthy of Holy Prophet Muhammad's (pbuh) holy intercession (*Shefaat*) on doomsday and to receive a prayer from willing readers. Other *hilya* writers express, usually at the end of the *hilya*, their desire to be commended to the esteem of Holy prophet (pbuh), the other prophets, or the four caliphs. One *hilya* writer, Hakim, wrote that he wishes that people will remember holy Prophet Muhammad (pbuh) as they look at his *hilye*.

Hakani's *Hilye-i Serif* has been an object of affection to many Turkishas well as all Muslims. His poem has been copied on paper as well as on wooden panels by many calligraphers and has been read with the accompaniment of music in Mawlid ceremonies (*Milad Sharif*).

Graphic art form:

While writers developed *hilya* as a literary genre, calligraphers and illuminators developed it into a decorative art form. Because of their supposed protective effect, a practice developed in Ottoman Turkey of the 17th century of carrying Holy Prophet's description on one's person.

Similarly, because of the belief that a house with a *Hilye* will not see poverty, trouble, fear or the devil, such texts came to be displayed prominently in a house. The term of *hilya* was used for the art form for presenting these texts.

In addition, the purpose of the *hilye* is to help visualize Holy Prophet Muhammad (pbuh) as a mediator between the sacred and human worlds, to connect with him by using the viewing of the *hilye* as an opportunity to send Darood sharif upon him, and to establish an intimacy with him.

The pocket *hilyes* were written on a piece of paper, small enough to keep in cheast pocket after being folded in three. The folding lines were reinforced with cloth or leather. Other pocket *hilyes* were made of wood. *Hilyes* to be displayed on a wall were prepared on paper mounted on wooden panels, although in the 19th century, thick paper sheets became another medium. The top part of *hilyes* that were laid on wooded panels were carved and cut out in the form of a crown.

The crown part would be richly illuminated and miniatures of Medina, the tomb of Holy Prophet Muhammad (pbuh) or the Kabaa would be placed there, together or separately.

Prophet Muhammad's *hilya* is written. Harun Al-Rashid is so delighted to see this that he regales the dervish and rewards him with sacs of jewelry. At night, he sees Holy Prophet Muhammad (pbuh) in his dream. The Prophet of Allah (pbuh) says to him, "you received and honored this poor man, so I will make you happy. God gave me the good news that whoever looks at my *hilya* and gets delight from it, presses it to his chest and protects it like his life, will be protected from hellfires on Doomsday; he will not suffer in this world nor in the other. You will be worthy of the sight of my face, and even more, of my holy lights."

It has become customary for other *hilya* authors that followed Hakani to mention in the introduction of their *Hilye* (called *khavas-i hilye*) the hadith that seeing Holy Prophet Muhammad (pbuh) in one's dream is the same as seeing him. The Harun Al-Rashid story has also been mentioned frequently by other authors as well. These elements from Hakani's *Hilye* have established the belief that reading and writing hilyes protects the person from all trouble, in this world as well as the next.

Popularity:

There are several reasons given for the popularity of *hilyes*. Islam prohibits the depiction of graphic representations of people that may lead to idols. For this reason, Islamic art developed in the forms of calligraphy, miniatures and other non-figurative arts. In miniatures, Holy Prophet Muhammad's(pbuh) face was either veiled or blanked. Because of the prohibition on drawing the face of Holy Prophet, the need to represent Holy Prophet Muhammad (pbuh) was satisfied by writing his name and characteristics.

Many authors have commented that another reason is the affection that Muslims feel for Holy Prophet Muhammad(pbuh), which leads them to read about his physical and moral beauty. The hadith that those who memorize his *Hilye* and keep it close to their heart will see Holy Prophet Muhammad(pbuh) in their dreams would have been another reason. Muslim people's love for Holy Prophet Muhammad(pbuh) is considered to be one of the reasons for the display of *hilya* panels at a prominent place in their homes (see Graphic art form section below).

Hakani has said in his poem that a house with a *hilye* will be protected from trouble. Another motivation would have been the hadith given by Hakani in the *Hilye-i Serif*, which states that those who read and memorize *Hilye* of Massinger of Allah (pbuh) will attain great rewards in this and the other world, will see Holy Prophet Muhammad (pbuh) in their dreams, will be protected from

the development of the *hilye* genre. This hadith has been repeated by most other *hilye* writers.

Excerpt from "*Hilya-i Sharifa*" (*Hilye-i Serif*) of Mehmet Hakani (d. 1606). ***Source:*** A History of Ottoman poetry, Volume 3. By Elias John Wilkinson Gibb (1857-1901). Luzac, 1904.

Translation of the section on the detail 'bright of blee':

All of the folk hereon agree,

That the Pride of the World was bright of blee,

Full sheen was the radiance of his face,

His cheeks were lustrous with lustre's grace.

One of heart with the rose was his face's hue;

Like the rose, unto ruddiness it drew.

Yeled his face in the light of delight,

'Twas the Chapter of Light of the dawn of light.

The scripture of beauty was that fair face;

The down on his cheek was the verse of grace.

Shamed by his visage bright as day,

Life's Fountain hid in the dark away.

Well may the comrades of joyance call:

'The sheen of his visage conquers all!'

Yon radiant face shone in the sky,

The light of the harem-feast on high.

The Portrait-painter of Nature gave

There to all beauty that man may have.

When the sweat upon that Sultan stood

He was forsoth like the rose bedewed.

Hakani states another hadith, also attributed to Hazrat Ali(R.A). This hadith of unknown origin is said to have been in circulation since the 9th century. Repeated in other *hilyes* after Hakani's, this hadith has been influential in the establishment of the genre. :For him who sees my *hilya* after my death, it is as if he had seen me myself, and he who sees it, longing for me, for him God will make Hell prohibited, and he will not be resurrected naked at Doomsday.

Hakani's *hilya* includes a story about a poor man coming to the Abbasid Caliph Harun al-Rashid and presenting him a piece of paper on which Holy

Although the *hilye* tradition started with descriptions of Holy Prophet Muhammad (pbuh), later *hilyes* were written about the first four Caliphs, the companions of holy Prophet and his grandchildren (Hasan and Hussein(R.A) and Islamic saints (*walis*) such as Mevlana Rumi.

The second most important *hilye*, after Hakani's, is considered to be Cevri Ibrahim Çelebi's *hilye, Hilye-i Çihar-Yar-i Güzin* (1630), about the physical appearance of the first four caliphs.

Another important *Hilye* writer is Nesati Ahmed Dede (d. 1674), whose 184-verse long poem is about the physical characteristics of 14 prophets and Hazrat Adam. Other notable *hilyes* are Dursunzâde Bakayi's *Hilye'tûl-Enbiya ve Çeyar-i Güzîn* (*hilya* of the Prophet (pbuh) and his four caliphs), Nahifi's (d. 1738) prose *hilye Nüzhet-ûl-Ahyar fi Tercüment-is-Semîl-i* and Arif Süleyman Bey's (1761) *Nazire-î Hakânî.*

Hilyes can be written as standalone prose or poems (often in the masnavi form). They can also be part of two other forms of Turkish Islamic literature, a Mevlid (*melad*, account of Holy Prophet Muhammad's (pbuh) life) or a *Mir'aj-name* (accounts of Holy Prophet Muhammad's (pbuh) Night Journey).

Hilye-i Serif:

Hilye-i Serif ("The Noble Description", 1598-1599) by Mehmet Hakani, consisting of 712 verses, lists Muhammad's features as reported by Hazrat Ali (R.A), then comments on each of them in 12-20 verses. Although some have found it to be of not great poetic merit, it was popular due to its subject matter.

The poem is significant for having established the genre of *hilya*. Later *hilya* writers such as Cevri, Nesati and Nafihi have praised Hakani and stated that they were following in his footsteps. The poem contains several themes detailed below that underscore the importance of reading and writing about the attributes of Holy Prophet Muhammad (pbh).

In his *hilye*, Hakani mentions the following hadith, which he attributes to Hazrat Ali(R.A): A short time before Holy Prophet Muhammad's (pbuh) death, when his crying daughter Hazrat Fatima(R.A) said to him:

"Ya Rasul-Allah, I will not be able to see your face any more!"

Holy Prophet Muhammad (pbuh) commanded, "Ya Ali, write down my appearence, for seeing my qualities is like seeing myself." The origin of this hadith is not known. Although probably apocryphal, it has had a fundamental effect on

was the sweetest and the loveliest. He was sweet of speech and articulate, but not petty or trifling. His speech was a string of cascading pearls, measured so that none despaired of its length, and no eye challenged him because of brevity. In company he is like a branch between two other branches, but he is the most flourishing of the three in appearance, and the loveliest in power. He has friends surrounding him, who listen to his words. If he commands, they obey implicitly, with eagerness and haste, without frown or complaint."

The sources of *hilye* have been the main hadith books along with others while shama'il lists the physical and spiritual characteristics of Holy Prophet Muhammad (pbuh) in detail, in *hilya* these are written about in a literary style.

Among other descriptive Shama'il text are the *Dala'il al-Nubuwwah* of *Al-Bayhaqi, Tarih-i Isfahan* of Abu Naeem Isfahani, *Al-Wafa bi Fadha'il al-Mustafa* of *Abu'l-Faraj ibn al-Jawzi* and *Al-Shifa of Qadi Ayyad* are the main *shemaa-il* and *hilya* books.

Literary genre:

Although many *hilyes* exist in Turkish literature, Persian literature does not have many examples of the shama'il and *hilya* genre. Abu Naeem Isfahani wrote a work titled *Hilyetü'l-Evliya*, but it is not about Holy Prophet Muhammad (pbuh).

For this reason, the *hilye* is considered one of Turkey's national literary genres. Turkish literature has also some early works that may have inspired the appearance of the *hilye* as a literary genre. The *Vesiletü'n-necat* of Süleyman Celebi(1351-1422 fr:Suleyman Celebi (de Bursa)), and the *Muhammeddiye* of Yaziciolu Mehmed, referred to Holy Prophet Muhammad's (pbuh) characteristics.

A 255-verse long *Risale-i Resul* about the attributes of Holy Prophet Muhammad (pbuh), written by a writer with the penname of Serifi, was presented to Shahzade Bayezid, one of the sons of Suleiman the Magnificent, at an unknown date that was presumably before the Shahzade's death in 1562.

This is believed to be the earliest *hilye* in verse form in Turkish literature. However, the *Hilye-i Serif* by Mehmet Hakani (d.1606-07) is considered the finest example of the genre. The first *hilya* written in prose form is *Hilye-i Celile ve Semail-i 'Aliye* by Hoca Sadeddin Efendi.

The acceptance and influence of this work has led to the use of the term "shama'il" (appearance) to mean Holy prophet Muhammad's (pbuh) fine morals and unique Physical beauty. As they contained in hadiths describing Holy Prophet Muhammad's (pbuh) spirit and physique, shama-il have been the source of *hilya*. The best known and accepted of these hadith are attributed to the Holy Prophet's son-in-law and cousin Hazrat Ali(R.A). The description of Holy Prophet Muhammad (pbuh) by Hazrat Ali(R.A), according to Tirmidhi, is as follows:

> [*It is related*] *from 'Ali (may God be pleased with him) that when he described the attributes of the Prophet (may prayers to God and peace be upon him), he said:*
>
> *"He was not too tall, nor was he too short, he was of medium height amongst the nation. His hair was not short and curly, nor was it lank, it would hang down in waves. His face was not overly plump, nor was it fleshy, yet it was somewhat circular. His complexion was rosy white. His eyes were large and black, and his eyelashes were long. He was large-boned and broad shouldered. His torso was hairless except for a thin line that stretched down his chest to his belly. His hands and feet were rather large. When he walked, he would lean forward as if going down a slope. When he looked at someone, he would turn his entire body towards him. Between his two shoulders was the Seal of Prophethood, and he was the last of the prophets*."

Another well-known description was provided by a woman named Umm-e- Ma'bad(R.A):

> *"I saw a man, pure and clean, with a handsome face and a fine figure. He was not marred by a skinny body, nor was he overly small in the head and neck. He was graceful and elegant, with intensely black eyes and thick eyelashes. There was a huskiness in his voice, and his neck was long. His beard was thick, and his eyebrows were finely arched and joined together. When silent, he was grave and dignified, and when he spoke, glory rose up and overcame him. He was from afar the most beautiful of men and the most glorious, and close up he*

"And we have not sent you but as a mercy to the worlds".

The four circles often contain the names of the Rightly-Guided Caliphs, Hazrat Abu Bakr, Hazrat Umar, Hazrat Uthman, and Hazrat Ali, each followed by "*radhi Allahu anhu*" ("may God be pleased with him").

Calligraphic representations:

The most common visual representation of the Holy Prophet in Islamic art, especially in Arabic-speaking areas, is by a calligraphic representation of his name, a sort of monogram in roughly circular form, often given a decorated frame.

Such inscriptions are normally in Arabic, and may rearrange or repeat forms, or add a blessing or honorific, or for example the word "messenger" or a contraction of it. The range of ways of representing Muhammad's (pbuh) name is considerable, he is also frequently symbolised by a rose.

The more elaborate versions relate to other Islamic traditions of special forms of calligraphy such as those writing the names of God, and the secular *tughra* or elaborate monogram of Ottoman rulers.

Throughout Islamic history, depictions of Holy Prophet Muhammad (pbuh) in Islamic art were rare.

The term *hilya* (Arabic, meaning"adornment", "attribute", "description", "personal nature", or "appearance") or *hilya* (Turkish, plural hilyeler) has two closely related meanings. It denotes a religious genre of Ottoman Turkish literature, dealing with the physical description of the Holy Prophet Muhammad (pbuh).

Because of the belief that reading and possessing Holy Prophet Muhammad's (pbuh) description protects the person from trouble in this world and the next, it became customary to carry such descriptions in front pocket or to hang one on a wall of the home.

Hilye is the name of such objects, rendered in fine calligraphy and illuminated. In 17th-century Ottoman Turkey, *hilyes* developed into an art form with a standard layout, often framed and used as a wall decoration.

Origins:

Hilye, both as the literary genre and as the graphic art form, originates from *shama'il*, the study of Holy Prophet Muhammad's (pbuh) appearance and character. The best source on this subject is considered to be Imam Tirmidhi's *al-Shama'il al-Muhamadiyyah wa al-Khasa'il al-Mustafawiyyah* ("The Sublime Characteristics of Holy Prophet Muhammad (pbuh)").

The Apostle of Allah, may Allah bless him, is neither too short nor too tall. His hair are neither curly nor straight, but a mixture of the two. He is a man of black hair and large skull. His complexion has a tinge of redness. His shoulder bones are broad and his palms and feet are fleshy. He has long al-masrubah(a thin line of hair) which means hair growing from neck to navel. He is of long eye-lashes, close eyebrows, smooth and shining fore-head and long space between two shoulders. When he walks he walks inclining as if coming down from a height. I never saw a man like him before him or after him.(SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALAM)

According to some other companions as well as Hazrat Ali bin abi_talib (R.A), Holy Prophet Muhammad (pbuh) was a little taller than average, sturdily built, and muscular. His fingers were appropriately long. His hair, which was long, had waves, and he had a thick beard, which had fourteen grey hairs as described by Hazart Ans(R.A). He had good teeth and soft & plane cheeks, and brownish-black broad eyes. His complexion was fair and he was very handsome. He walked fast with firm gait. He did not speak unnecessarily, always spoke to the point and without verbosity, and did not behave in an emotional way. He usually wore a shirt, trousers, a sheet thrown round the shoulders, and a turban, all spotlessly clean, rarely wearing the fine clothes that had been presented to him. He wanted others to wear simple, but always clean, clothes.

Hilya Panels:

From the Ottoman period onwards such texts have been presented on calligraphic *hilya* panels (Turkish: *hilya*, pl. hilyeler), commonly surrounded by an elaborate frame of illuminated decoration and either included in books or, more often, muraqqas or albums, or sometimes placed in wooden frames so that they can hang on a wall. The elaborated form of the calligraphic tradition was founded in the 17th century by the Ottoman calligrapher Hâfiz Osman. While containing a concrete and artistically appealing description of Muhammad's (pbuh) appearance, they complied with the strictures against figurative depictions of the Prophet, leaving his appearance to the viewer's imagination.

The Ottoman *hilya* format customarily starts with *Bisimillah*, shown on top, and is separated in the middle by a verse of Holy Qur'an 21:107:

Qur'an and Hadith. These parts were often used by writers of *tafsir* and *asbab al-nuzul*(reasons of revelation) to provide background information for events mentioned in certain ayat (verse).

Depiction of Holy Prophet Muhammad (pbuh):

The permissibility of depictions of Muhammad (PBUH), the Prophet of Islam, has long been a concern in the religion's history. Oral and written descriptions are readily accepted by all traditions of Islam, but there is disagreement about visual depictions. There are a few hadith (supplemental teachings) which have explicitly prohibited Muslims from creating visual depictions of figures.

Most Sunni Muslims believe that visual depictions of all the prophets of Islam should be prohibited and are particularly averse to visual representations of Holy Prophet Muhammad (pbuh). The key concern is that the use of images can encourage idolatry.

The key medium of public religious art in Islam was and is calligraphy.

Some major religions have experienced times during their history when images of their religious figures were forbidden. In Judaism, one of the Ten Commandments forbids "graven images". In Byzantine Christianity during the period of Iconoclasm in the 8th century, and again during the 9th century, visual representations of sacred figures were forbidden, and only the Cross could be depicted in churches.

Even in modern times, different groups of Protestant Christians have had disputes about the appropriateness of having religious icons of saints. The concern generally boils down to the concept of whether or not the image is becoming more important than what is being represented.

In Islam, some supplemental hadith explicitly ban the drawing of images of any living creature; other hadith tolerate images, but never encourage them. Hence, most Muslims avoid visual depictions of holy prophet Muhammad (pbuh) or any other prophet such as Moses or Abraham.

Depiction by Muslims:

Verbal descriptions:

In one of the earliest sources, Ibn Sa'd's Kitab al-Tabaqat al-Kabir, there are numerous verbal descriptions of holy prophet Muhammad (pbuh). One description sourced to Ali ibn Abi Talib is as follows:

Hilye Sharif

The appearance of Holy Prophet Hazrat Muhammad

(SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALLAM)

☆ *Hassan Ali Teepu*

I may rinse my mouth,
a thousand times with musk and Rose-water,
Yet, it would be impudent for me,
to utter thy name (*SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALAM*)

The sira literature (biography of holy prophet Muhammad (pbuh) includes a variety of diversified materials, containing mainly the material intended as historical accounts and used for admiration. The sira also includes a number of written documents, such as political treaties, military enlistments, assignments of officials, letters to foreign rulers, and so forth.

It also records some of the speeches and sermons made by Holy Prophet (pbuh), specially the speech of Farewell Pilgrimage (*Khutba-e-hujatul wida*). The sira literature also includes verses of poetry commemorating certain events and battles. The most serious of those are the ones produced by Hazrat Hass_aan bin Sabit(R.A), particularly in praise of appearance, habits, commands and deeds of Holy Prophet Muhammad(*SAL-LAL-LAHO AALAY-HAY WASALAM*). At later periods, certain type of stories included in sira developed into their own separate genres. One is concerned with stories of prophetic miracles, called ***Dalail al-nubuwa*** (literally, proofs of prophethood).

Another type is concerned with tales that show the merits and faults of individual Companions of holy Prophet (pbuh), enemies, and other notable contemporaries of holy Prophet (pbuh).

The Life of the Messenger of Allah or ***al-sira al-nabawiyya*** (Prophetic biography) is the Arabic term used for the various traditional Muslim biographies of Holy Prophet Muhammad(PBUH) from which, in addition to the Qur'an and Hadith, most historical information about his life and the early period of Islam is derived.

Parts of sira were inspired by, or elaborate upon, events mentioned in the

☆- An *Islamic Scholar*

MUJALLAH

MA ĀRIF-'E AULIYĀ'

MARKAZ MA'ĀRIF-E AULIYĀ'

DARBAR HAZRAT DATA GANJ BAKHSH

AUQAF & RELIGIOUS AFFAIRS DEPTT. PUNJAB